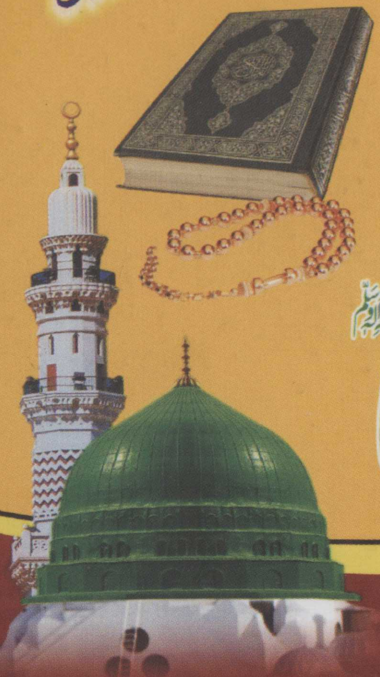
دلالة القرآن المبين على ان النبى صلى الله عليه وآله وسلم افضل العالمين



قرآن اور فضائلِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مُصنّف: امام عبداللہ محمد بن الصدیق الغماری الحسنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۴۱۳ھ)

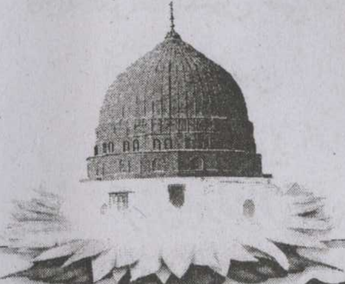
مترجم: مفتی محمد اکرام اللہ زاہد

اِدارہ خدمتِ اِسلام

جامعہ اسلامیہ پھالیہ ، متصل مرکزی جامع مسجد پھالیہ

0301-5809655, 0346-8040046

دلالة القرآن المبين على ان النبي صلى الله عليه وآله وسلم افضل العالمين



قرآن اور فضائلِ نبوی ﷺ

مُصنّف : امام عبداللہ محمد بن الصدیق الغماری رحمۃ اللہ علیہ

مُترجم : مفتی محمد اکرام اللہ زاہد

امیر : اِدارہ خدمتِ اسلام بانی : جامعہ اسلامیہ پھالیہ

مُحقق العصر حضرت مولانا

نظرِثانی : مفتی محمد خان قادری مدظلہ

بانی جامعہ اسلامیہ لاہور

اِدارہ خدمتِ اِسلام

جامعہ اسلامیہ پھالیہ متصل مرکزی جامع مسجد پھالیہ امیر

ضلع منڈی بہاؤالدین 0301 5809655

نام کتاب: دَلَالَةُ القُرآن المُبین علی اَن النبیّ ﷺ اَفضَل العَالِمِین

مصنف: شیخ عبداللہ بن صدیق الغماری الحسنیؒ

ترجمہ کا نام: قرآن اور فضائل نبوی ﷺ

مترجم: مفتی محمد اکرام اللہ زاہد القادری

ناشر: ادارہ خدمتِ اسلام

اشاعت اول: جنوری ۲۰۱۸ء

ملنے کے پتے

☆ فرید بک سٹال اُردو بازار لاہور
☆ مکتبہ غوثیہ عسکری پارک کراچی
☆ احمد بک کارپوریشن راولپنڈی
☆ مکتبہ ضیائیہ اقبال روڈ راولپنڈی
☆ مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ لاہور
☆ مکتبہ دارالعلم دربار مارکیٹ لاہور
☆ مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور
☆ مکتبہ نبویہ دربار مارکیٹ لاہور
☆ مکتبہ حنفیہ گنج بخش روڈ لاہور
☆ رضوان کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور
☆ مکتبہ خلیلیہ سعیدیہ دربار مارکیٹ لاہور
☆ نظامیہ کتاب گھر اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاور
☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی
☆ مکتبہ برکات المدینہ بہادر آباد کراچی
☆ اسلامک بک کارپوریشن راولپنڈی
☆ اہل سنہ پبلی کیشنز دینہ جہلم
☆ مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ لاہور
☆ مکتبہ نوریہ رضویہ گنج بخش روڈ لاہور
☆ فضل حق پبلی کیشنز دربار مارکیٹ لاہور
☆ قادری رضوی کتب خانہ دربار مارکیٹ لاہور
☆ مکتبہ مسلم کتابوی دربار مارکیٹ لاہور
☆ مکتبہ شمس وقمر مین بھاٹی چوک لاہور
☆ مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور
☆ مکتبہ بہار شریعت دربار مارکیٹ لاہور
☆ مکتبہ غزالی زماں دربار مارکیٹ لاہور

ادارہ خدمتِ اسلام

جامعہ اسلامیہ پھالیہ۔ متصل مرکزی جامع مسجد (ضلع منڈی بہاؤالدین)

0301-5809655 ... 0346-8040046

انتساب

شیخ المحدثین امام قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جنہوں نے حبیب خدا ﷺ کے حقوق اور مقامات پر عظیم کتاب

"الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ" لکھی

جس سے اُمت مسلمہ رہتی دنیا تک استفادہ کر کے اپنے ایمان

کی حفاظت کر سکے گی۔

محمد اکرام اللہ زاہد

حسن ترتیب

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعلیمات اسلام کی اساس وبنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی رسالت ونبوت پر ایمان لانا ہے جسے کلمہ طیبہ کی صورت میں اسلام نے ”لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ “ کی صورت میں تعلیم دی ،”لا الہ الا اللہ “ توحید کے تقاضے پورے کرنے کی تعلیم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو عبادت کے لائق نہ مانا جائے اس کی ذات وصفات اور افعال میں کسی طرح بھی کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اس سے اس قدر محبت کی جائے کہ اس کے علاوہ ہر شے کی محبت کو اس کے تابع قرار دیا جائے۔

اہل ایمان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:۱۶۵)

”اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں“

جب آدمی توحید پر ایمان لاتا ہے اور باری تعالیٰ سے محبت کا دم بھرتا ہے تو اس کے فرائض میں یہ شامل ہوجاتا ہے کہ وہ جن میں سے اللہ تعالیٰ نے محبت اور ان کی تعظیم کا حکم دیا ہے ان سے وہ حسب درجہ محبت و تعظیم کرے ان میں سب سے بڑی ہستی رسول اللہ ﷺ کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حبیب اعظم ہیں کہ آپ ﷺ کی محبت واتباع سے اُمتی اللہ تعالیٰ کا حبیب بن جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ

(آل عمران:۳۱)

''اے حبیب تم فرمادو کہ لوگوں اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا''

جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت کا حکم دیا ہے وہاں آپ ﷺ کی تعظیم کے بارے میں بھی بار بار قرآن کے بارے میں تعلیم موجود ہے۔

ایک مقام پر فرمایا:

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الاعراف:۱۵۷)

''وہ لوگ جو آپ ﷺ پر ایمان لائے، آپ ﷺ کا ادب واحترام کیا آپ کے مشن کے معاون بنے اور اس نور شریعت کی اتباع کی جو آپ ساتھ لائے وہی لوگ کامیاب وکامران ہیں''

یہاں تعظیم کے لیے لفظ ''تعزیر'' استعمال کیا گیا۔

دوسری جگہ پر فرمایا:

وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ (الفتح:۹)

''اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو''

تعزروہ، کا معنیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کیا ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم میں خوب مبالغہ کرو۔

آپ ﷺ کی تعظیم کے حوالے سے قرآنی تعلیمات یہاں تک موجود ہیں کہ آپ ﷺ کے بارے میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جس میں گستاخی وبے ادبی کی بو آتی ہو، کچھ مخالفین نے لفظ ''راعنا'' کو غلط معنوں میں دے کر آپ کے لیے استعمال کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا اور فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرہ ۲:۱۰۴)

''ایمان والو راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے''

اس حکم ربانی کی تفصیل میں تمام مفسرین نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ آپ کے حوالہ سے تحریر وتقریر میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جس میں بے ادبی کا شائبہ پایا جائے۔

وفی ذلك دليل على انه ينبغي تجنب الالفاظ المحتملة للسب والنقص وان لم يقصد المتكلم بها ذلك المعنى المفيد للشتم سداً للذريعة دفع اللوسيلة وقطعاً لمادة المفسدة والتطرق اليه

(فتح القدیر، ۱:۱۲۴)

''یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ ان تمام کلمات سے اجتناب ضروری ہے جن میں سب وشتم کا احتمال وشائبہ ہو اگرچہ متکلم کا مقصد مذکورہ معنیٰ نہ ہوتا کہ بے ادبی کا دروازہ بند رہے اور اس کی وجہ سے فتنہ وفساد نہ پھیل سکے''

سورۃ الحجرات میں آپ ﷺ کے آداب کا یہاں تک خیال کرنے کا حکم دیا

کہ آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اُونچی گفتگو نہ کرو اور اگر کسی نے ایسے کیا تو فرمایا:

اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ

(الحجرات:۲)

''تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں گے اور انہیں شعور تک نہیں ہوگا''

اعمال کا ضبط گستاخی اور کفر پر ہوتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا کہ اللہ کے حبیب کی بارگاہ کی بے ادبی اس قدر بُرائی ہے کہ اس سے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں

پھر سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ

(الاحزاب:۵۷)

''بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں''

لعنت سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص محل رحمت میں نہیں رہ جاتا یہ لفظ قتل سے بھی کہیں بڑھ کر بدتر ہے کیونکہ قاتل کو تو ممکن ہے معافی مل جائے لیکن جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محل ہی نہ رہے اسے معافی ملنے کا کوئی تصور باقی نہیں رہتا اسی لیے فرمایا:

وَمَنۡ يَّلۡعَنِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ نَصِيۡرًا (النسا:۵۲)

''جن پر اللہ لعنت کردے ان کا کوئی مددگار نہیں رہ جاتا''

تو گستاخی کرنے والا شخص مباح الدم ہوجاتا ہے اور وہ محل رحمت نہیں رہتا اور اس پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے اس لیے اس پر تمام اُمت

کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے والے شخص سے زمین کو پاک رکھا جائے۔

متعدد اہل علم نے قرآن مجید کے حوالہ سے حضور ﷺ کے فضائل، شمائل اور کمالات پر لکھا ہے اور اس کی ہر دور میں ضرورت ہے، ہمارے دور میں جن لوگوں نے اس موضوع پر کام کیا ان میں سے ایک مشہور فاضل علامہ شیخ عبداللہ بن صدیق غماری الحسنی ہیں انہوں نے مصر کی جیل میں اسی موضوع پر یہ کتاب ''دلالة القرآن المبین علی ان النبی ﷺ افضل العالمین'' لکھی جس میں انہوں نے اس موضوع پر قرآن مجید کی تمام سورتوں سے متعدد آیات آپ ﷺ کی شان اقدس میں جمع کیں اور مسلمہ مفسرین کی تفاسیر سے ان کی تفاسیر کو جمع کیا۔

اور اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ لکھی ہے کہ کچھ لوگ سرورِ عالم ﷺ کے مقام سے آگاہ نہیں رہے اور وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے حضور ﷺ کے بارے میں ایسی گفتگو کرتے ہیں جو آپ ﷺ کی شان کے لائق نہیں۔

بندہ نے محنت کر کے قرآنی آیات اور ان کی تفاسیر کو جمع کیا تا کہ لوگوں کو اس موضوع پر رہنمائی دی جا سکے وہ خود ایک کتاب کا بھی ذکر کرتے ہیں ''المدحة الکبریٰ من الکلام القدیم'' جو ہمیں نہیں مل سکی چونکہ یہ کام ایک فاضل کا نہایت قیمتی اور علمی ہے ہمارے معاشرے میں اس چیز کی نہایت ہی ضرورت ہے کیونکہ آئے دن اس مسئلہ پر ضرورت پڑتی رہتی ہے، ابھی دو سال

پہلے حضرت ممتاز قادری حفظہ اللہ نے سرور عالم ﷺ کی محبت وعقیدت میں ایک شخص کو فی النار کیا تو کئی اسلام کے نام لیوا نے اس کے عمل کو پسند نہ کیا حالانکہ قرآن وسنت کی واضح تعلیمات ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کو گستاخی کی وجہ سے فی النار کرتا ہے اور عدالت اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کا عمل گستاخی کیوجہ سے ہی تھا تو اسے باعزت بری کیا جائے اور اس پر رسول اللہ ﷺ کے متعدد فیصلے موجود ہیں بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایسے عمل پر وحی الٰہی نازل ہوئی اور ایسے گستاخ کے خون کو رائیگاں قرار دیا گیا۔

ہم بھی قرآن وسنت کی ان تعلیمات سے آگاہی پائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی سرشاریوں سے اپنے ایمان کو جلادیں۔

چونکہ کتاب عربی میں تھی تو اس کے ترجمہ کے لیے بھی کسی فاضل شخصیت کا ہونا ضروری تھا تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے فاضل دوست علامہ محمد اکرام اللہ زاہد، سربراہ: جامعہ اسلامیہ پھالیہ کو یہ توفیق عنایت کی کہ انہوں نے شب وروز محنت کر کے اس کتاب کو اُردو کالم میں ڈھالا اور مسلمانوں کو ایک عظیم تحفہ عطا کیا۔

اللہ تعالیٰ ان کو پوری اُمت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو مل جل کر دین اسلام کی خدمت کی توفیق دے۔ (آمین)

اسلام کا ادنیٰ خادم

(مفتی) محمد خان قادری

بانی وسرپرست: جامعہ اسلامیہ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبة الکتاب

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بشیر ونذیر بنا کر بھیجا اور ان کو اپنے اذن سے اپنی ذات کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنایا (نیز) آپ ﷺ کو اس قرآن کے ساتھ مختص فرمایا جو قطعی دلائل اور واضح براہین کو متضمن ہے اور علوم وعرفان کے حقائق ودقائق پر مشتمل ہے اور آپ ﷺ کو ''جوامع الکلم'' اور فصاحت لسانی کے ساتھ ممتاز ٹھہرایا، اور آپ ﷺ کو ملائکہ اور جن وبشر جیسی تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

آپ ﷺ پر رسالت ختم ہوگئی، جہالت سے سلامتی نصیب ہوئی، گمراہی سے ہدایت ملی، اندھے پن سے بصارت اور بھٹکنے سے رشد وہدایت میسر آئی، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے اندھی آنکھوں، بند دلوں اور بہرے کانوں کو کھول دیا، اللہ تعالیٰ نے جب لوگوں پر آپ ﷺ کی اطاعت کو فرض اور محبت کو واجب ٹھہرایا اور آپ ﷺ کو شرح صدر، رفعت ذکر، علوقدر اور بقاء شریعت جیسے نعمتوں سے سرفراز فرمایا، اور تا زمانہ آپ ﷺ کا معجزہ باقی رہے۔

پس اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے اور اپنی بارگاہ

میں آپ ﷺ کی رفعت و مرتبت میں اضافہ فرمائے اور آپ ﷺ کی معزز ترین آل سے راضی ہو اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور ان سے جو احسان کے ساتھ ان کے پیروکار ہوئے قیامت کے دن تک۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد

اس کتاب میں ایسی آیات ذکر کرنے کا میں نے ارادہ کیا ہے جو نبی کریم ﷺ کی قدر و شان کی عظمت اور علو مرتبت کو مفید ہوں، چاہے صریح عبارت کے ساتھ ہوں یا بطریق اشارہ تضمن، موازنہ یا دیگر طریقوں سے، جنہیں ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بعد میں بیان کریں گے۔

اس موضوع پر میں نے ایک کتاب دیکھی "المدحة الکبریٰ من کلام القدیم" [1] تو میں نے اسے کافی ضخیم پایا اور کئی مقامات پر کمی بھی محسوس کی۔ عرصہ دراز مجھے اس طرز پہ کتاب لکھنے کا اشتیاق رہا جس کے ذریعے میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرسکوں، اور وہ میرے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس دن وسیلہ بن جائے جس دن آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ اور وفادار دوست سے بھی بھاگے گا۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ ہی کا احسان ہے کہ اس نے مجھے یہ کتاب لکھنے کی توفیق بخشی۔

---

[1] بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین. والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ الاکرمین. کتاب "فضائل النبی فی القرآن"، پر یہ تعلیقات ہیں جو اس کی مباحث کو مکمل کرتی ہیں اور اس کے پیچیدہ مقامات کی تشریح کرتی ہیں، نیز یہ ایجاز (اختصار) واطناب (تطویل) کے درمیان اعتدال ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں احقاقِ حق کی توفیق عطا فرمائے (آمین) (المؤلف)

جس کے بارے میں اُمید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مکمل ہوگئی۔ درآنحالیکہ مواد اور استعداد کی کمی ہے کیونکہ بوقت تحریر میرے پاس ''حاشیہ الصاوی'' علی ''تفسیر جلالین '' ا؎ کے سوا کوئی کتاب نہیں تھی اس کے ساتھ ساتھ قلبی تکرار اور فکری انتشار بھی تھا جو اس مشقت کے باعث طاری ہوا جو سخت مشکل ہونے کے ساتھ ساتھ طویل بھی تھی، بہر حال اُمید کا تقاضا تھا کہ اس مشکل سے نجات ملے گی ۲؎۔

کیوں نہ میرا وثوق اللہ کی رحمت اور جلد رہائی کے ساتھ ہوتا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ خیر کی صداقت پر میرا ایمان ہے، جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا

(انشراح:۵،۶)

(پس بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے)

لہٰذا اس تنگی کے بعد آسانی اور اس شدت کے بعد فراخی نصیب ہونا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ اسے قبول فرمائے اور فراخی اور آسانی کے جلدی حصول کا اسے سبب بنائے بے شک وہ قریب اور قبول فرمانے والا ہے اور وہ جس پر چاہے قدرت رکھتا ہے۔

ا؎ اس کتاب کا مسودہ تیار کر لینے کے بعد مجھے دو تفاسیر ''کشاف'' اور ''بیضاوی'' پر اطلاع میسر ہوئی تو میں نے ان دو تفاسیر میں سے دوران تبعیض کچھ نقل کیا جسے قاری ان کے مقامات پر دیکھ لے گا۔ (المؤلف)

۲۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ اس مشکل کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جو آپ اور آپ کے اماثل اہل علم وفضل کو رئیس مصری جمال عبد الناصر (اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ فرمائے) کے دور میں پیش آئی کہ ان سے قید خانے بھر گئے اور کثیر کو قتل کر دیا گیا اور اس مشقت میں سے مؤلف کے حصے میں لمبی قید آئی پھر اللہ تعالیٰ نے قید کو کھول دیا اور ان کی اُمید کے مطابق راستے کشادہ کر دیئے۔

مقدمہ

حضور نبی کریم ﷺ کو ہی قرآن عظیم دیئے جانے کی تخصیص ایک ایسا شرف ہے جو دیگر انبیاء علیہم السلام کو دی گئی کتب اور معجزات سے فائق ہے، کیونکہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا وہ یا تو خوارق میں سے ایک امر خارق للعادۃ ہے جو ایک زمانے تک انتہاء پذیر ہو گیا یا تشریعات اور وصایا ہیں جو لوگوں کے ایک قبیلہ سے مختص ہیں ان کے علاوہ وہ دیگر کی طرف متجاوز نہیں کیں۔

رہا قرآن، تو وہ تازمانہ معجزہ اور کتاب ہے، جو مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لیے مکمل ضابطہ اور دستور ہے، انسانیت کی تعلیم دیتا ہے اور اسے بلندی اور سعادت سے بہرہ ور کرتا ہے حقائق کونیہ میں کبار فلاسفہ اور منکرین کی خطاؤں کی تصحیح کرتا ہے اور عقائد دینیہ میں نام نہاد دیندار دانشوروں کی افکار منحرفہ کی تقویم اور درستگی کرتا ہے تقدیم علمی کے موافق ہے اور تقلید کے پھندوں اور جمود کے وہموں سے فکر و عقل کی آزادی کی دعوت دیتا ہے۔ نیز قرآن نے نظم و قوانین کی وہ بنیادیں فراہم کی۔ جہاں تک قدیم و جدید دور کے فقہاء تشریع کی رسائی نہ تھی اور اخلاق اور ادب سلوک کے وہ طریقے رائج کیے جن سے شرق و غرب کی ترقی یافتہ قوموں کے علماء و معاشرہ کی نظریں بھی قاصر رہیں، مزید برآں اسلوب کی فصاحت، الفاظ و تراکیب کی سلاست، مؤثر منظر کشی، دلوں، سینوں اور عقلوں پر قبضہ اور تسلط جمالینا جیسے امتیازات فقط قرآن ہی کا نصیبہ ہیں۔

بلاشبہ قرآن اور دیگر کتب منزلہ [1] کے درمیان تم بہت بڑا فرق محسوس کرو گے قدیم ہو یا جدید پس جب تم تورات کا موازنہ کرو جو کہ عہد قدیم کی کتاب ہے یعنی اس کے اسلوب، احکام تعالیم، وصایا، اور اس میں موجود قصص وتواریخ کا قرآن کی کسی ایک سورت کے ساتھ موازنہ کرو تو تم دونوں کتابوں میں بہت بڑا فرق پایا گویا کہ تم اس موازنہ کے ساتھ اُفق پر پھیلے ہوئے شعلوں جو چمکتے ہیں اور پھر بجھ جاتے ہیں ان کے چمکنے کی کسی کو خبر نہیں ہوئی مگر وہی جانتا ہے جو کسی غرض کے لیے ان کی حرکات پر گھات لگائے ہوئے ہو۔۔۔میں سے ایک شعلے کی روشنی کو سورج کی روشنی پر قیاس کر رہے ہو جو دنیا کو منور کر دیتی ہے اور عالم کون میں حرارت مہیا کرتی ہے اور اس کی شعاعوں کے ساتھ زندگی اور پکنا وابستہ ہے رات کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے اور دیگر تاریکیوں اور وہموں کا ازالہ ہو جاتا ہے یہاں یہ دلیل بھی قابل ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر احسان جتاتے ہوئے فرمایا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ

(الحجر:۸۷)

(اور ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا فرمایا)

---

[1] دیگر کتب منزلہ معجزہ نہیں ہیں جیسا کہ علامہ زمخشری نے کشاف میں اس کی تصریح کی کیونکہ اعجاز تمام کتب سماویہ سے صرف قرآن کے ساتھ خاص ہے رہی انجیل تو وہ ان مواعظ ووصایا سے عبارت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں کو فرمائے اپنے اُوپر نزول کے بعد بغیر اس کے کہ انہیں کتاب میں مدون کیا آج مسیحوں کے پاس موجودہ انجیل بعض حواریوں کی تالیف ہیں جن میں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے طویل عرصہ بعد آپ کی سیرت لکھی یہی وجہ ہے کہ ان انجیلوں میں باہم تناقض واختلاف موجود ہے۔(المؤلف)

یعنی ہم نے اس کتاب کے ساتھ آپ ﷺ کو ہی خاص فرمایا اور یہ شرف آپ کو ہی بخشا اور اسے تمہارے لیے ہی ذخیرہ بنایا، اسے ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام پر نازل نہیں کیا کیونکہ وہ اگرچہ معزز رسول ہیں لیکن آپ ﷺ کے رتبہ تک ان کی رسائی نہیں اور نہ ہی وہ آپ ﷺ کے مرتبہ کے قریب پہنچے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (العنکبوت:۵۱)

(کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ بے شک ہم نے آپ کی طرف کتاب کو نازل کیا جو ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں البتہ رحمت اور نصیحت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان لائی)

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ "اگر طالبین حق سفینہ زور نہ ہوں تو یہ آیت "اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ" تمام آیات سے بے نیاز کر دیتی ہے، کیونکہ ان پر اس قرآن کی تلاوت دائمی ہوتی ہے ہر مکان وزمان میں تو یہ ہمیشہ ان کے ساتھ معجزہ ثابت ہوا جو نہ زائل ہوتا ہے اور نہ ہی مضمحل، جس طرح کہ ہر معجزہ وقوع کے بعد زائل ہو جاتا ہے اور کسی جگہ ہوتا ہے اور کسی جگہ نہیں اور یہ دائمی معجزہ ہر مکان وزمان میں آخر زمانے تک ثابت ہے۔

"لَرَحْمَةً" کا معنیٰ وہ نعمت عظیمہ ہے جس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔[۱]

اور نصیحت اس قوم کے لیے جو ایمان لائی۔ (الکشاف، ۳:۱۹۳)

۱۔ یعنی اس کے شکر پر قدرت نہیں اس لیے کہ وہ نعمت اپنی عظمت کی بدولت شکر سے بالاتر ہے۔ (مؤلف)

پس جب ہم نے قرآن میں مذکورہ ان دلائل خاصہ کی طرف غور کیا جو آپ ﷺ کی رفعت قدر و منزلت کا تقاضا کرتے ہیں اور مذکورہ دلائل بھی ساتھ رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچے جو درج ذیل دو وجوہات پر مشتمل ہے جو کہ باہم متلازم ہیں:

پہلی وجہ: بے شک حضور سرور عالم ﷺ یقینی اور قطعی طور پر تمام مخلوقات سے افضل ہیں، جس میں کسی بھی احتمال کی گنجائش نہیں، کیونکہ یہ معقول ہی نہیں کہ یہ کتاب عظیم ایسے شخص پر نازل کی جائے کہ عالم وجوہ میں کوئی اس سے افضل بھی ہو

دوسری وجہ: جس نے حضور سرور عالم ﷺ پر ملائکہ کو فضیلت دی ہے پس اس کی خطا قطعی ہے اور وہ ابن حزم ہے، یا جس نے حضرت جبریل علیہ السلام کو آپ ﷺ پر فضیلت دی ہے اور وہ زمخشری ہے، کیونکہ قرآن مجملاً اور مفصلاً ایک ایسا شرف ہے جو نہ کسی فرشتے کو نصیب ہوا اور نہ ہی کسی رسول کو، نیز اس لیے بھی کہ قرآن کی آیات اور بعض سورتوں میں ایسے اُمور ہیں جو حضور ﷺ کے منفرد مناقب کو مفید ہیں جو حضرت جبریل علیہ السلام کو عطا نہیں ہوئے۔

اس تالیف سے ان دو وجوہات کے ساتھ اس نتیجہ کی وضاحت کرنا ہمارا مقصود ہے، جس میں ہم نے اللہ کے فضل پر اعتماد کیا اور اس مدد پر جو کتاب اللہ کی آیات سمجھنے میں ہم پر کھول دی گئی اور یہ بھی انہی عنایات میں سے ایک ہے جو اس مشقت وقید میں ہم پر ہوئیں جس سے جلدی رہا ہونے کی ہم اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتے ہیں۔

تیسری وجہ: باقی ایک تیسری وجہ بھی ہے جو مذکورہ دو وجوہ سے لاحق ہے، وہ یہ کہ مفاضلہ بقیہ انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کے درمیان ظنی ہے، کیونکہ اس کا اعتماد کسی قطعی دلیل پر نہیں۔

بہر حال ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں لیکن ہم اس کی قطعیت اور جزم کے قائل نہیں جس طرح ہم ملائکہ کو ان پر فضیلت دینے والے کی خطا کو قطعی نہیں سمجھتے، اور وہ ابن حزم، معتزلہ اور کثیر اشاعرہ ہیں، جن میں امام رازی بھی ہیں جو بعض کتب میں ان کے ہم خیال ہیں، کیونکہ بعض دلائل اس امر کا تقاضا بھی کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (النساء: ۱۷۲)

(مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا اور نہ مقرب فرشتے)

تو یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ملائکہ کی افضلیت کو مفید ہے اگر چہ علماء اشعریہ نے اس کا جواب دیا ہے۔ [۱]

اور حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ملائکہ کو سجدہ کرنے کا حکم ہونا، تقاضا کرتا ہے کہ ملائکہ آپ علیہ السلام سے افضل ہیں جیسا کہ بعض علماء مالکیہ نے یہ استنباط کیا جبکہ میں نے اسے ''قصہ آدم علیہ السلام'' میں بیان کیا۔

۱۔ جو میں خاص اپنے دل میں عقیدہ رکھتا ہوں، وہ انشاء اللہ درست ہے اور وہ یہ ہے کہ بے شک ملائکہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں سواء حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے، اول الذکر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ''خلت'' سے مختص فرمایا (یعنی خلیل بنایا) اور ثانی الذکر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا۔ اس وجہ سے دونوں حضرات علیہما السلام ملائکہ سے افضل ہوئے۔ (مؤلف)

بہر حال طرفین میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے کو قطعی قرار دینا ممکن نہیں، بے شک ظن غالب ہے جو ادھر یا ادھر متوجہ ہو سکتا ہے۔ اشاعرہ وغیرھم نے اس مسئلے پر بیان کیا لیکن میرے علم کے مطابق انہوں نے یہ تصریح نہیں کی کہ نبی کریم ﷺ کی افضلیت قطعی ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے ان دلائل پر غور نہ کیا ہو جو ہم نے اس کتاب میں قائم کیے ہیں البتہ امام رازی نے جب مفاضلہ میں خلاف بیان کیا اور ملائکہ کی تفضیل کو ترجیح دی تو نبی کریم ﷺ کا اس خلاف سے استثناء کیا، اور فرمایا کہ بے شک آپ ﷺ ملائکہ وغیرھم سے بلانزع افضل ہیں اور کبھی ان کی طرف سے یہ سمجھ بھی آتی ہے کہ آپ ﷺ کی افضلیت قطعی ہے۔

اور ''جوہرہ'' میں ہے:

وَأَفْضَلُ الْخَلْقِ عَلَى الْإِطْلَاقِ
نَبِيُّنَا فَمِلْ عَنِ الشِّقَاقِ

(ہمارے نبی ﷺ مطلقا تمام مخلوق سے افضل ہیں، لہذا خلاف سے اعراض کر)

اس حاصل کو تھام لو، اور وہ شاذ ہے جو عارف شعرانی نے ''المنن الکبری'' کے چودھویں باب نے نقل کیا کہ ۹۴۱ھ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے گمان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضور نبی کریم ﷺ سے افضل ہیں اس دلیل سے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کو درودِ ابراہیمی کی تعلیم دی، جب انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا:

كيف نصلى عليك ؟

''ہم آپ پر کس طرح درود پڑھیں''؟

اور یہ دلیل علم معانی کے قاعدہ پر قائم کی کہ مشبہ بہ، مشبہ سے اعلیٰ ہوتا ہے پھر (اس پر رد کرنے کے بعد) فرمایا کہ علماء مصر نے ان کا مقابلہ کیا اور اس شخص کے رد میں انہوں نے لکھا (ان سے ثابت ہونے کی صورت میں) مثلاً سیدی محمد البکری، سیدی محمد الرملی، ناصر الدین الطبلاوی اور شیخ نور الدین الطندتائی اور وہ تصنیفات بے شمار خلائق کی موجودگی میں برسرِ میدان پڑھی گئیں۔

میں (مؤلف) کہتا ہوں، ظاہر ہے کہ وہ شخص علم معانی میں کمزور تھا، کیونکہ اس میں قاعدہ یہ ہے کہ تشبیہ کی غرض ''ادنیٰ کو اعلیٰ سے لاحق کرنا'' ہے جیسے زید چاند کی طرح ہے، یا ''متاخر کو سابق کے ساتھ کسی ایک معنیٰ میں لاحق کرنا اور ان کے مابین تفاوت کا محافظ نہ رکھنا' ہے' اور درودِ ابراہیمی اسی قبیل سے ہے کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ 'اے اللہ! (سیدنا) محمد ﷺ پر درود بھیج جس طرح تیری بارگاہ سے ابراہیم پر درود حاصل ہوا' یہاں ادنیٰ اور اعلیٰ کا کوئی مسئلہ نہیں' کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود کا منشاء نبوت ہے نہ کہ فضیلت ہے۔

اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ (النور:۵۵)

اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے
کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسے ان کے پہلوں کو دی

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اُمت محمدیہ کے استخلاف کو ان سے پہلے یہود

کے استخلاف سے تشبیہ دی جب کہ ہر دو استخلاف میں تفاوت کا لحاظ نہیں فرمایا باوجودیکہ اُمت محمدیہ کا استخلاف جو کہ مشبہ ہے یہود کے استخلاف جو کہ مشبہ بہ ہے اعلم اور اکمل ہے اور یہ واضح ہے جس میں کوئی خفا نہیں پس درود ابراہیمی میں تشبیہ سے اشکال وارد کرنا یا اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی افضلیت اخذ کرنا علم معانی میں کمزوری یا اس کے قواعد بھول جانے کے باعث ہوا میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ بعض ڈینگ مارنے والوں سے اس سے بھی قبیح واقع ہوا کہ اس نے میری تالیف ''احادیث المنتقاۃ فی فضائل سیدنا رسول اللہ ﷺ'' دیکھی یہ وہ کتاب ہے جو میں نے احادیث صحیحہ سے منتخب کی، پس اس نے کتاب مجھ سے ادھار لی اور جب پڑھنے کے بعد واپس کی تو مجھے کہا کہ تم خرافات کی تائید میں امام ہو، حضور نبی کریم ﷺ کی فضیلت میں احادیث صحیحہ ثابتہ کا اعتبار اور بعض معجزات کے ذکر میں خرافات یہ وہ امر ہے جس نے مجھے اس کتاب کی جلدی تالیف کی طرف متوجہ کیا جس کا نام میں نے ''دلالۃ القرآن المبین علی ان النبی الافضل العالمین'' رکھا قاری اس میں ایسے مباحث پائے گا جو اس کے ایمان کی تجدید اور عقیدے کو بھی تقویت بخشیں گے جس کے ساتھ وہ مناظر کا منہ بند کر دے گا اگر اجماع اس کو آرے نہ آئے اور نہ سنت کا التزام کرے۔

ضروری ہے کہ میں دو اہم اُمور کی طرف اشارہ کروں۔

پہلا امر: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ کی افضلیت کا مسئلہ دین میں کوئی زیادہ اہمیت والا نہیں اور یہ ایسا گمان رکھنے والوں کی بہت بڑی خطا ہے بلکہ

اس مسئلے کی افضلیت کو اہمیت کبریٰ حاصل ہے کیونکہ عقیدے کی تصحیح اس پر موقوف ہے، بالخصوص اس دور میں کہ جس میں دین میں جہالت کثیر ہے یعنی اس کے اُصول وفروع سے کسی اہل علم سے ایک بار سوال ہوا کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت نوح علیہ السلام سے افضل ہیں باوجودیکہ حضرت نوح علیہ السلام پچاس سال سے کم ایک ہزار سال نص قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے تو عالم اس کی کوئی خاطر خواہ دلیل نہ پیش کرسکا۔

مجھے ایک صحابی نے ایک بار سوال کیا کہ میں عقیدہ رکھتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام ''نبی کریم ﷺ سے افضل ہیں میں نے کہا ایسا کیوں؟ وہ کہنے لگا کہ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا کیے ہوئے ہیں نہ کہ گندے نطفے سے میں نے اسے کہا کہ اس قاعدہ کے مطابق تو صالح علیہ السلام کی اُونٹنی عیسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل ہے کیونکہ وہ چٹان سے نکلی ہے نہ کہ اس فرج سے جو بول کا مخرج ہے !اگر تفصیل اسی طریق پر جاری رہے تو حضرت آدم علیہ السلام علی الاطلاق افضل الرسل ہوئے کیونکہ وہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے نہ انہی نطفہ متعلق ہوا اور نہ ہی رحم نے مس کیا نیز اسی لیے بھی کہ وہ پورے ہزار برس زندہ رہے، جیسا کہ صحیح میں ہے، اس عرصہ میں وہ اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے۔

لیکن تفضیل درحقیقت خصائل کمال سے جاری ہوتی ہے جن سے نبی مزین ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ خصوصیات بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہبہ کی ہوتی ہیں

پس یہی بنیاد ہے جس پر انبیاء اور رسل وغیرہ ہم کے باہمی تفاضل کا مسئلہ مرتب ہوتا ہے اور یہی وہ اساس ہے جس پر نبی کریم ﷺ کی افضلیت کا درومدار ہے بہر حال وہ خصائل کمال جن کے ساتھ نبی آراستہ ہوتا ہے تو ان سے متعلق نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:۴)

اور بے شک خو بو بڑی شان کی ہے۔

جب کہ اس انداز ے سے کسی نبی اور رسول کی ثناء نہیں کی گئی جس کا فائدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اس خلق عظیم کے ساتھ منفرد ہیں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کیسے ہیں؟ تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن

آپ کا خلق قرآن ہے۔ (صحیح مسلم)

اس مختصر مگر جامع جواب کا معنٰی یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو اخلاق، آداب، فضائل اور مکارم ہیں وہ حضور ﷺ کی شخصیت میں موجود ہیں، اسی لیے امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَفِيْ خُلُقٍ
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَلَا كَرَمٖ

"آپ ﷺ خلق میں اور خُلق میں انبیاء علیہم السلام پر فائق ہیں اور وہ آپ ﷺ کے قریب مرتبہ میں بھی نہیں ہیں نہ علم

میں اور نہ ہی کرم میں"

بہر حال وہ خصوصیات جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائیں، بے شمار ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ سے متعلق دفاع فرمانا، اور آپ ﷺ کو وصف نبوت ورسالت کے ساتھ ندا فرمانا، ایمان والوں کا منع فرمانا کہ وہ محض نام کے ساتھ آپ ﷺ کو پکاریں، آپ ﷺ کے ہمراہ جنگ کے لیے فرشتوں کا لشکر آنا آپ ﷺ کی زبان اقدس پر لوگوں کو ڈر سنانا، آپ ﷺ کی بعثت کا عام ہونا، آپ ﷺ پر نبوت کو ختم کر دینا اور اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کی مبارک زندگی کی قسم اُٹھانا، علاوہ ازیں وہ خصوصیات بھی جن کے متعلق یہ کتاب بیان کرے گی۔

بلا شک وشبہ آپ ﷺ کے لیے ان خصوصیات اور ان اخلاق عالیہ کو ثابت کرنا، اور سرور عالم ﷺ کا ان سے متصف ہونے کا عقیدہ رکھنا شرعاً واجب ہے جس پر مسلمانوں کے عقیدے کی صحتِ موقوف ہے جیسا کہ علماء نے تصریح فرمائی کیونکہ کتاب اللہ ان اُمور کو صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے نیز سنت متواترہ بھی، مزید برآں کہ اُمت کے تمام فرقوں کا اس پر اجماع ہے اور حضور سرور عالم ﷺ کی افضلیت کا یہی معنیٰ ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ حضور سرور عالم ﷺ کے سوا کسی نبی، رسول اور فرشتے میں یہ تمام تر صفات اکٹھی موجود نہیں ہیں بلکہ یہ کہنا بجا ہے کہ کوئی ایسا فرد موجود ہی نہیں جو آپ ﷺ کے مساوی ہو چہ جائیکہ کہ فوقیت رکھے۔

اسی کی بدولت ہم حضور ﷺ کی افضلیت کو قطعی سمجھتے ہیں، جب کہ ہم

ملائکہ یا رُسل کو آپ ﷺ پر فضیلت دینے والے کی خطا کو قطعی سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ جس نے کسی فرشتے یا رسول کو آپ ﷺ پر فضیلت دی یا تو وہ متناقض ہے اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کے لیے افضلیت کے معنٰی کے ثبوت کا اعتقاد رکھنے کے باوجود اس لفظ کو غیر کے لیے ثابت رکھتا ہے، اور یا غافل ہے اس قاعدہ سے کہ کسی شے کے لیے معنٰی کو ثبوت اس امر کو لازم ہے کہ (اس معنٰی پر دلالت کرنے والا) لفظ بھی اس شے کے لیے ثابت ہو، کیونکہ لفظ معنٰی کو لازم اور اس کے تابع ہوتا ہے۔

۲۔ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایسی احادیث وارد ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ کو "يَا خَيْرُ الْبَرِيَّةِ" کہا اور حضور ﷺ نے اسے فرمایا "ذَاكَ إِبْرَاهِيمُ" (وہ تو ابراہیم ہیں) ا۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا تُفَضِّلُوْنِيْ عَلٰى يُوْنَسَ

"تم مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو" ۲۔

اور حضور ﷺ کا یہ فرمانا:

ا۔ یہ حدیث اس امر کو مفید ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے نبی ﷺ کے بعد افضل الخلق ہیں پھر ان کے بعد مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے (مؤلف) اس حدیث کو امام مسلم نے "کتاب الفضائل" میں حدیث نمبر ۳۳۹۶ کے تحت بیان کیا۔

۲۔ میں نے اسے نہیں پایا، اور البانی نے "الطحاویۃ: ۱۱۱" پر تعلیقاً کہا: میں اسے ان الفاظ سے بالکل نہیں پہچانتا اس مفہوم میں بخاری کی "کتاب الانبیاء، ۴: ۱۹۳) میں وارد حدیث کے الفاظ یہ ہیں" لَا يَنْبَغِيْ لِعَبْدٍ اَنْ يَّقُوْلَ اَنَا خَيْرٌ مِنْ يُوْنُسَ بِنْ مَتّٰى "(کسی بندے کو یہ کہنا جائز نہیں کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں)۔

يَصْعَقُ النَّاسَ فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ يَّضِيْقُ فَإِذَا مُوْسٰى بَاطِشٌ بِالْعَرْشِ فَلَا أَدْرِيْ أَفَاقَ قَبْلِيْ أَمْ جُوْزِيَ بِصَعْقَتِهٖ يَوْمَ الطُّوْرِ [1]

"لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے مجھے افاقہ ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام اس وقت عرش کو پکڑے ہوئے ہونگے مجھے نہیں معلوم کہ انہیں مجھ سے پہلے آفاقہ ہوا یو یوم طور کو آپ (علیہ السلام) پر طاری ہونے والی بے ہوشی اس کا بدل بنا دی گئی"

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

فَعَرَفْتُ فَضْلَ عِلْمِهٖ بِاللّٰهِ عَلَيَّ [2]

"میں نے (جبریل علیہ السلام) کے علم باللہ کی فضیلت کو پہچان لیا جو مجھ پر ہے"

ہمارے ان احادیث کے جواب دینے کے دو طریق ہیں:

پہلا طریق: ترجیح

اور وہ یہ ہے کہ احادیث مذکورہ اخبار احاد ہیں، اور افضلیت قرآن، سنت متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے، لہذا بلا نزاع اسے ترجیح حاصل ہوگی۔

---

1. اسے امام بخاری نے "کتاب الانبیاء، باب وفاة موسیٰ وذکرہ بعد" (۶/۴۴۱) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، نیز حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث باب قولہ تعالیٰ "وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ۔ ۔ ۔ ۔" (۶/۴۳۰) میں ملاحظہ ہو۔

2. مؤلف رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ کے آخر میں اس حدیث پر کلام کریں گے۔

دوسرا طریق: جمع و تطبیق

۱۔ یہ احادیث بطور تواضع ارشاد ہوئیں اور ساتھ ساتھ حضرت یونس علیہ السلام کے مرتبہ کی حفاظت کی طرف اشارہ ہے کہ کسی دل میں آپ علیہ السلام کے مقام کے بارے کوئی کمزوری نہ کھٹکے۔ رہی حدیث صعقہ تو اسے افضلیت کے مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام پر اگر بروز قیامت بے ہوشی طاری نہ ہو تو یوم طور والی بے ہوشی کا بدل ہے، تو معاملہ واضح ہے اور اگر بے ہوشی طاری ہوئی اور پہلے افاقہ ہوا تو یہ ضرور امتیاز ہے جس کے مقابل اس دن حضور سرور عالم ﷺ کو ملنے والے کثیر امتیازات ہیں جن میں سے اہم ترین شفاعت عظمیٰ ہے جس سے موسیٰ علیہ السلام خود بھی پیچھے رہیں گے اور ہمارے نبی ﷺ آگے بڑھیں گے۔

اس شفاعت عظمیٰ کے بعد دیگر شفاعات قبول ہونگی حتی کہ مالک خان نار کہے گا:

مَا تَرَكْتَ لِغَضَبِ رَبِّكَ فِيْ أُمَّتِكَ مِنْ نُقْمَةٍ

(الطبرانی فی الکبیر والاوسط، مجمع الزوائد، ۱۰: ۳۸۰)

"آپ ﷺ نے اپنی اُمت میں اپنے رب کے غضب کے لیے انتقام کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی"

یہاں تک کہ آپ ﷺ کو رب تعالیٰ ندا فرمائے گا:

أَقَدْ رَضِيتَ يَا مُحَمَّدُ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ رَضِيتُ

(الطبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد، ۱۰: ۳۷۷)

"اے محمد! کیا آپ راضی ہو گئے؟ تو آپ عرض کریں گے،

ہاں اے میرے رب میں راضی ہوں۔

پھر آپ ﷺ کا جنت کے دروازہ کو سب سے پہلے کھولنا اور خازن کا آپ ﷺ کو یہ کہنا:

بِكَ اُمِرْتُ اَلاَّ اَفْتَحُ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ

(صحیح مسلم، کتاب الایمان)

"مجھے آپ ﷺ کے بارے ہی حکم دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں"

۲۔اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو اپنی بارگاہ میں افضلیت کا علم عطا فرمانے سے پہلے، یہ احادیث حضور نبی کریم ﷺ سے صادر ہوئیں۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ پر وقتاً فوقتاً اور لحظہ بہ لحظہ عنایت فرماتا رہا، دیکھیں انذار کے معاملہ میں سب سے پہلے آپ ﷺ کو فرمایا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء:۲۱۴)

"اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ"

پھر اس کے بعد فرمایا:

وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام:۹۲)

"اور اس لیے کہ تم ڈر سناؤ سب بستیوں کے سردار کو اور جو کوئی اس کے ارد گرد ہیں"

پھر فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا:۲۸)

"اور اے حبیب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو
تمام آدمیون کو گھیرنے والی ہو خوشخبری دیتا اور ڈرسناتا"

پھر آپ ﷺ کی طرف جن پھیر دیئے اور آپ ﷺ کو ان کی طرف بھی مبعوث فرما دیا۔

پھر آپ ﷺ کی بعثت کو عام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ
لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (الفرقان:۱)

"بڑی برکت والا ہے وہ کہ جن نے اُتارا قرآن اپنے بندہ پر
جو سارے جہان کو ڈرسنانے والا ہو"

پھر آپ ﷺ اسراء کی نعمت سے نوازا اور اپنی نشانیاں دکھائیں جس سے آپ ﷺ کی رفعت وسربلندی میں اضافہ ہوا، پھر جب آپ ﷺ کو جہاد کا حکم ملا تو ملائکہ کو آپ ﷺ کی معیت میں جہاد کا حکم ہوا اور آپ ﷺ کے لشکر میں شمار ہوئے، پس اسی طرح جو کوئی لحظہ گزرتا آپ ﷺ کی فضیلت میں اضافہ ہوتا جاتا اور اپنے مولا کی بارگاہ سے عنایات پاتے جاتے اور جب کوئی آیت سورہ نازل ہوتی ،تو اس سے آپ ﷺ کے علم وقرب میں اضافہ ہوتا تو گویا کہ حضور ﷺ کو اپنے بارے میں مخلوقات پر افضلیت کا علم، ان احادیث کے صادر ہونے کے بعد ہوا۔

اور نبی کریم ﷺ نے اس کے بعد فرمایا:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

"میں اولادِ آدم کا سردار ہوں"

نیز فرمایا:

رَاَیْتُ رَبِّیْ ۔۔۔ یَعْنِیْ فِی الْمَنَامِ ۔۔۔ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ فَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْکَ رَبِّ وَسَعْدَیْکَ قَالَ: فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی؟ قُلْتُ، لَا اَدْرِیْ یَارَبِّ فَوَضَعَ یَدَہٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَھَا فِیْ صَدْرِیْ فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَّعَرَفْتُ ۔۔۔۔۔

(مسند امام احمد، ۵: ۲۴۳، جامع ترمذی رقم: ۳۲۳۴)

''میں نے اپنے رب (یعنی خواب میں) کو اچھی صورت میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کیا اے میرے رب میں حاضر ہوں، فرمایا کہ ''ملاءِ اعلیٰ'' کے فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے نہیں معلوم، تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے شانوں کے درمیان رکھ دیا حتی کہ اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی، تو میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا''

(جامع ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

فَوَجَدْتُ بَرْدَھَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ الْمَغْرِبِ ۔۔۔۔۔۔

اور امام ترمذی نے اسے حسن غریب کہا۔۔۔۔۔۔۔ تعلیق)

یہ حدیث صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر صفتِ علم تجلی فرمائی تو آپ ﷺ کے لیے ہر معلوم منکشف ہو گیا، مزید برآں کہ آپ ﷺ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے زیادہ علم رکھتے ہیں ا۔

اور براق جب اچھلنے لگا جس وقت نبی کریم ﷺ نے شب اسراء اس پر سوار ہونے کا ارادہ کیا، تو جبریل علیہ السلام نے اسے کہا! کیا تم محمد ﷺ کے ساتھ ایسا کر رہا ہے؟ بخدا تجھ پر کوئی سوار نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے زیادہ معزز ہو، تو براق کا پسینہ چھوٹ گیا حالانکہ جبریل علیہ السلام ابھی انبیاء علیہم السلام کے ہمراہ براق پر سوار ہوئے تو یہ ان کی طرف سے شہادت ہے کہ نبی کریم ﷺ ان سے جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

تنبیہ حدیث:

فَعَرَفْتُ فَضْلُ عِلْمِهِ بِاللّٰهِ مَحَلَّیَّ

کو بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے میرے حافظے میں یہ بات ہے اور بقیہ احادیث مذکورہ تمام کی تمام صحیح ہیں۔ وباللہ توفیق

ا امام غزالی نے ''احیاء العلوم'' میں ''کتاب التفکر'' کے اواخر میں جو افادہ کیا کہ ملائکہ مقربین، نبی کریم ﷺ سے زیادہ علم رکھتے ہیں، یہ حدیث اس نظریئے کا رد کرتی ہے جہاں انہوں نے مخلوقات کے علم میں تفاضل بیان کرنے کے دوران کہا کہ ''جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ جملہ علماء اور الاولیاء کے علم و معرفت کی نسبت بہت ہی قلیل اور حقیر ہے اور ان کا علم و عرفان انبیاء علیہم السلام کی نسبت قلیل و حقیر ہے، اور انبیاء علیہم السلام کا علم اور معرفت (حضرت) محمد ﷺ کا علم اور معرفت کی نسبت قلیل ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کا علم عرفان ملائکہ اور مقربین کی نسبت قلیل ہے جیسے اسرافیل اور جبرائیل وغیرہما'' بہر حال یہ خطا ہے ہم نہیں جانتے کہ کیسے واقع ہوئی؟! قطب کبیر عبدالعزیز دباغ نے ''الابریز'' میں اس کا رد کیا۔ (مؤلف)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذَا کِتَابُ دَلَالَةِ الْقُرْآنِ

اَوْضَحتُ فِیهِ حَقَائِقِ الْبَیَانِ

''یہ کتاب دلالۃ القرآن ہے جس میں میں نے حقائق بیان کی وضاحت کی''

وَجَعَلْتُهُ وَضَعًا رَصِینًا شَیِّدَتْ

صَفحَاتُه بِنَوَاصِعِ الْبُرْهَانِ

''اور میں نے اسے نہایت مضبوط بنایا اور اس کے صفحات کو قرآن کے چمکدار دلائل سے مزین کیا''

یُنْبِیْكَ عَنْ قَدْرِ النَّبِیِّ وَفَضْلِهٖ

بِسَوَاطِعِ جَاءَتْ مِنَ الْفُرْقَانِ

''یہ کتاب تمہیں قرآن حکیم کے روشن دلائل کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت اور فضیلت کے بارے میں خبر دے گی''

فَاقَ الشِّفَا'' وَ''مَوَاهِبَا'' فِیْ بَحْثِهٖ

وَاجَادَ فِیْ سَبْكٍ وَحُسْنِ بَیَانِ

''یہ کتاب اپنے موضوع میں ''شفا'' اور ''مواہب'' سے فائق ہے اور عمدگی اور حسن بیان میں جید ہے''

وَاللهَ اَرْجُوْا سَائِلاً بِصِفَاتِهٖ

وَبِعِزِّهٖ اَجْرًا بِلَا حُسْبَانِ

''اللہ تعالیٰ سے اس کی صفات اور عزت کے توسل سے سوال کرتا ہوں بے حساب اجر کی اُمید رکھتا ہوں''

ا۔ سورۃ البقرۃ

فضیلت قرآن

اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ کا ارشاد گرامی ہے:

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ۔ ۔ ۔ الآیہ ۔

"وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں خرچ کریں اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا" ....آیہ

جو (قرآن) ہمارے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا' اس پر ایمان لانے کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حصول ہدایت کی شرط اور ہدایت و فلاح کا رکن ٹھہرایا۔ اور اس پر ایمان لانا پہلی کتابوں سے مقدم ٹھہرایا تا کہ معلوم ہو کہ ان کتابوں پر ایمان لانے کی اصل اس پر ایمان لانا ہے۔

دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ ۔

"اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے"

یہاں لوگوں سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۔

"تو کہیں گے کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں۔"

یعنی انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو احمق کہا' تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا:

اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ۔

"سن لو! وہی احمق ہیں مگر جانتے نہیں۔"

گویا اللہ ربّ العزت نے اس جملہ سے' چند تاکیدات سے مؤکد کرتے ہوئے اپنے پیارے نبی ﷺ کے صحابہ کا دِفاع فرمایا۔ حالانکہ اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ سے قبل کسی نبی کے اصحاب کے ساتھ ایسا نہیں کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا حال دیکھ لو۔ جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا:

اَنُؤۡمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الۡاَرۡذَلُوۡنَ

"بولے کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں اور تمہارے ساتھ کمینے ہوئے ہیں۔"

انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے اصحاب کی حقارت بیان کی۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو جواب دیا:

قَالَ وَمَا عِلۡمِیۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ اِنۡ حِسَابُهُمۡ اِلَّا عَلٰى رَبِّىۡ لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ ۔

(الشعرا: ۱۱۲-۱۱۳)

''فرمایا مجھے کیا خبر ان کے کام کیا ہیں۔ان کا حساب تو میرے رب ہی پر ہے اگر تمہیں حس ہو۔''

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی عظمت وکرامت کی خاطر محض آپ کے صحابہ کا ہی دِفاع فرمایا ہے۔اس سے حضور ﷺ کی حضرت نوح علیہ السلام پر برتری واضح ہے۔

دفاعِ رسول ﷺ

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم فرماتے ہیں:

وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ‌ وَمَا يَكۡفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ ۔ (۹۹)

''اور بیشک ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں اتاریں اور ان کے منکر نہ ہوں گے مگر فاسق لوگ۔''

شانِ نزول

اس آیہ کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک یہودی پوپ عبداللہ بن صُوریا نے نبی کریم ﷺ سے کہا:

مَا جِئۡتَنَا بِشَیۡئٍ ۔

''تو ہمارے پاس کچھ بھی نہیں لایا۔''

تو اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی۔اس کی مناسبت سے ہم ذکر کرتے ہیں کہ جن امور میں بھی آپ ﷺ پر کوئی عیب تراشی کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کا دِفاع کیا۔کوئی بھی تہمت یا نقص جو مشرکین، یہود یا نصاریٰ نے آپ ﷺ کی ذات کی طرف منسوب کی تو اللہ تعالیٰ نے بڑی سختی سے اس کی تردید فرمائی۔ایسی ابلغ تردید کہ کبھی تاکید سے ہو رہی ہے اور کبھی قسم سے۔اس کو ہم اپنے اپنے مقامات پر وضاحت سے بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس آیہ مقدسہ میں چند طرح سے تاکید ہے۔ایک تو یہ کہ لام مفتوحہ قسم و تقریر کیلئے لایا گیا ہے یعنی واللهِ لَقَدْ اَنْزَلْنَا ۔ دوسرے یہ کہ قَدْ تحقیق کیلئے مفید ہے۔تیسرے اس طرح کہ آیات کو بَيِّنٰتٍ سے موصوف کیا گیا۔جس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ یہ آیات اتنی واضح ہیں کہ ان کا انکار صحیح نہیں۔جیسا کہ وہ یہودی کر رہا تھا۔اور "وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ" کا جملہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ کفر بالآیات کا یہودیوں میں حصر ہے اور ساتھ ہی ان کو فِسق کی صفت سے بھی نواز دیا۔

یہ ان خصائص میں سے ایک ہے جس کے ساتھ اللہ کریم نے اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ کو خاص فرمایا۔اور اس سے تمام رسولوں پر آپ ﷺ کو فضیلت بخشی۔ان پیغمبروں کیلئے دِفاع کا اعزاز بارگاہِ خداوندی سے مفقود تھا، جب ان کی قومیں طرح طرح کی تہمتیں لگاتیں تو وہ رسول خود ہی اپنے دِفاع کے ذمہ دار ہوتے۔جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنا دِفاع خود کیا:

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (الاعراف:٦١)

''کہا اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو ربّ العٰلمین کا رسول ہوں۔''

اور حضرت ہود علیہ السلام نے یوں دِفاع کیا:

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (الاعراف:٦٨)

''کہا اے میری قوم مجھے بیوقوفی سے کیا علاقہ مَیں تو پروردگارِ عالم کا رسول ہوں۔''

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے خود دِفاع کیا جب اس نے سحر زدہ ہونے کی تہمت لگائی:

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآئِرَ وَ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۔ (بنی اسرائیل:١٠٢)

''کہا یقینا تو خوب جانتا ہے کہ انہیں نہ اتارا مگر آسمانوں اور زمین کے مالک نے، دِل کی آنکھیں کھولنے والیاں اور میرے گمان میں تو اے فرعون تو ضرور ہلاک ہونے والا ہے۔''

اسی طرح ہی بقیہ انبیاء علیہم السلام کا حال ہے۔ لہٰذا یہ قاعدہ یاد کرلو اس سے نبی کریم ﷺ کا بلند رتبہ ہونا واضح ہو جاتا ہے کہ مَیں (سیّد عبداللہ بن صدیق غماری) نے استغاثہ میں اسی قاعدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

نَبِيٌّ تَوَلَّى اللهُ عَنْهُ دِفَاعَهُ
وَخَيَّبَ قَوْمًا قَدْ رَمَوْهُ بِجِنَّةٍ

"اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے دفاع کا خود متولی ہے۔اور ایک قوم
کو اس نے رُسوا کیا جنہوں نے آپ کو مجنون کہا۔"
اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوْا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ـ (۱۰۴)

"اے ایمان والو رَاعِنَا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر
نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سُنو۔اور کافروں کیلئے درد
ناک عذاب ہے۔"

یہ آیہ مقدسہ بھی پہلی کی طرح ہی ہے۔اللہ کریم جل جلالہٗ نے اس سے اپنے پیارے نبی ﷺ کا دِفاع فرمایا۔

شانِ نزول

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ جب نبی کریم ﷺ انہیں خطاب فرماتے تو وہ آپ ﷺ کو یوں عرض کرتے "رَاعِنَا" (ہماری رعایت فرمائیں) تاکہ ہم آپ کے مبارک ملفوظات کو خوب ذہن نشین کرلیں۔تو یہود نے بھی یہی کلمہ کہنا شروع کردیا اور اس سے نبی کریم ﷺ کو رعونت سے شتم کرنے کا ارادہ کیا (جس کا معنی ہے کم عقلی، بے وقوفی)۔تو اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ نے ایمان والوں کو اس کلمہ کے استعمال سے منع فرمادیا، اور اس کی جگہ یہ کلمہ "اُنْظُرْنَا" استعمال کرنے کا حکم فرمایا۔جس میں کسی قسم کے توریہ وغیرہ کا احتمال تک بھی

نہیں۔ بہر حال اس سے مقصود مقامِ مصطفی ﷺ کا تحفظ ہے' اور اتنا تحفظ کہ کوئی عیب آپ کی طرف منسوب نہ ہو سکے' نہ بطریقِ توریہ اور نہ ہی وہم کی بناء پر۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ' کا ارشادِ گرامی ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ۔

(ص ۱۱۹-۱۱۸)

"اور جاہل بولے اللہ ہم سے کیوں نہیں کلام کرتے یا ہمیں کوئی نشانی ملے ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات۔ ان کے دل ایک سے ہیں۔ بیشک ہم نے نشانیاں کھول دیں یقین والوں کیلئے۔ بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا۔"

یعنی مشرکین مکہ نے کہا کہ تو جو اللہ کا رسول ہے تو اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا تیری رسالت پر کوئی واضح نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں آتی۔ تو اللہ تعالیٰ وسبحانہ' نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ پہلی امتوں کے کفار بھی اپنے انبیاء کو یہی کہتے تھے' جس کی بنیاد محض بغض و حسد ہے۔ کفر و عناد میں ان کے دِل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ' نے اپنے پیارے نبی کی رسالت کے اثبات کو تاکید کے ساتھ ذکر فرمایا کہ بے

شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا۔یعنی یہ سوال نہ ہوگا کہ وہ کیوں نہیں ایمان لائے؟ آپ کے ذمے تو تبلیغ ہی تھی اور آپ نے دین حق کی تبلیغ کا حق ادا کر دیا' جس کا ہم نے تمہیں مکلف بنایا تھا' اور ان کا حساب ہمارے ذمہ ہے۔

(تَسْئَلُ) فعل ایک قرأت میں جزم کے ساتھ اور معروف ہے اور "لا" ناہیہ ہے۔تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ "آپ دوزخیوں کے بارے مت پوچھیں" کہ ان کیلئے ہمارے ہاں کیا عذاب ہے؟ یقینا ان کیلئے ہمارے پاس ایسا سخت عذاب ہے جو ناقابلِ بیان ہے۔یا اس کا معنی یہ ہے کہ "آپ دوزخیوں کے بارے سفارش نہ کریں" کیونکہ ان کے کفر کی بدولت عذاب ان پر ثابت ہے۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَیتَ شِعْرِی مَا فُعِلَ اَبَوَایَ۔

"کاش کہ مجھے خبر ہوتی کہ میرے والدین پر کیا گذری۔"

تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا' وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ" کہ آپ ﷺ کو ان کے بارے دریافت کرنے سے منع فرمایا' کیونکہ وہ دونوں جہنمی ہیں

لیکن یہ حدیث مرسل ضعیف ہے جو قابل استدلال نہیں تحقیق کیلئے دیکھیں (لباب النقول:۲۸)۔اور آیہ مقدسہ کا سیاق اس کے ضعف اور سقوط کی تاکید کرتا ہے۔اور جہاں تک آپ ﷺ کے والدین کریمین شریفین کا تعلق ہے'وہ اہلِ فترت سے ہیں اور نجات پانے والے ہیں۔جیسا کہ ہم نے "خواطر دینیه" میں اسکی تحقیق بیان کی ہے۔ ا

ا۔ امام جلال الدین سیوطی نے آپ ﷺ کے والدین کے مقام وایمان پر چھ رسائل تحریر فرمائے۔موجودہ زمانے میں ان کا اُردو ترجمہ مفتی محمد خان قادری نے کیا ان کا مطالعہ نہایت ہی مفید ہے۔

دُعائے خلیل و ذبیح علیہما السلام کی اجابت

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی دُعا کی حکایت فرماتے ہیں، جب انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کی:

رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۔

”اے ربّ ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمائے بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا ہے۔“

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا نبی کریم ﷺ کے بارے میں قبول فرمائی۔ جیسا کہ امام احمد نے (المسند: ۴/۱۲۸) میں حضرت عرباض بن ساریہ سے صحیح حدیث روایت کی، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنِّیۡ عَبۡدُ اللهِ وَ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَ اِنَّ اٰدَمَ لَمُنۡجَدِلٌ فِیۡ طِیۡنَتِهٖ وَ اُخۡبِرُکُمۡ عَنۡ ذٰلِكَ ۔ دَعۡوَةُ اَبِیۡ اِبۡرَاهِیۡمَ وَ بَشَارَةُ عِیۡسٰی ...

”بے شک مَیں اللہ کا بندہ اور آخری نبی ہوں، حالانکہ آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے تھے۔ اور میں تمہیں اسکی خبر دیتا ہوں کہ مَیں اپنے جدِّ امجد ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں..........“

اور یہ حدیث ہماری کتاب ''الاحادیث المنتقاۃ'' میں پانچویں نمبر پر درج ہے۔

یہ آیہ کریمہ اس امر کو مفید ہے کہ ابراہیم و اسماعیل علیہا السلام کو ہمارے نبی اور ان کی صفات کا علم تھا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کی خبر دی تھی اور ان سے بھی میثاق لیا تھا جیسا کہ بقیہ انبیاء علیہم السلام سے۔گویا کہ ان کی دعا آپ ﷺ کی بشارت تھی' جس کو انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں توجہ اور انکساری کی صورت میں عرض کیا۔جو اللہ تعالیٰ کے وعدے کی حقانیت پر ایمان کی دلیل ہے۔لہٰذا اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام و مرتبہ کی عظمت و برتری اظہر من الشمس ہے۔

اُمتِ محمدیہ کی فضیلت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (ص ۱۴۳)

''اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔''

اللہ تعالیٰ جل جلالہ' نے امتِ محمدیہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تمہیں جمیع امتوں میں افضل ٹھہرایا' تا کہ بروزِ قیامت تم گذشتہ امتوں پر گواہ بنو کہ ان کے رسولوں نے انہیں دعوتِ حق دی' اور یہ رسول ﷺ تمہارے گواہ ہوں گے کہ

انہوں نے تمہیں تبلیغ کی۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے پیارے نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم کی خاطر امتِ محمدیہ کو اس گراں قدر فضیلت سے مختص فرمایا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو تین ایسے انعامات سے نوازا۔ جو اس نے نبی یا رسول کے علاوہ کسی کو عطا نہیں فرمائے۔ وہ تین انعامات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ہر نبی سے یہ فرماتا رہا:

کہ "تو میری مخلوق پر میرا گواہ ہے"، اور اس امت سے فرمایا:

لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۔

"کہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔"

۲۔ اور نبی سے فرماتا ہے: "تم پر کوئی تنگی نہیں۔" اور ہمارے لئے فرماتا ہے:

مَا يُرِيدُ اللهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ ۔

(المائدۃ:٦)

"اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی رکھے۔"

۳۔ نیز نبی سے فرماتا ہے کہ "مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔" اور ہمارے لئے فرماتا ہے:

اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔ (المؤمن:٦٠)

"مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔"

تحویلِ قبلہ اور عظمتِ مصطفیٰ ﷺ

حضور نبی کریم ﷺ تحویلِ قبلہ کی تمنا میں رُخِ انور کو بار بار سُوئے آسمان اٹھاتے ہوئے شدت سے وحی کے منتظر تھے تا کہ قبلہ، کعبہ بن جائے کیونکہ وہ آپ

ﷺ کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبلہ ہے، اور اس لئے بھی کہ کعبہ کی طرف متوجہ ہونا عربوں کے اسلام کیلئے زیادہ موزوں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم نے آپ ﷺ پر یہ ارشادِ گرامی نازل فرمایا:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ (ص ۱۴۴)

"ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے، ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔"

تو اللہ کریم نے آپ ﷺ کو وہ عطا کر دیا جس کے آپ متمنّی تھے، علاوہ اس کے کہ آپ ﷺ نے اس کا سوال بھی نہیں کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آپ ﷺ پر کمال درجے کی عنایت ہے اور خصوصی رعایت اور لحاظ ہے، جبکہ اس طرح کی گرانقدر عنایت آپ ﷺ سے پہلے کسی رسول کے نصیب میں نہیں آئی۔

اہلِ کتاب اور معرفتِ رسول ﷺ

اللہ ربّ العزّت نے واضح فرمایا کہ یہ پیارے نبی ﷺ اپنی صفات اور ممیزات کے ساتھ ایسے معروف ہیں کہ اہل کتاب کو بھی آپ ﷺ کی معرفت[1] اور پہچان میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے مروی ہے کہ وہ حضور A کی شان میں کہتے تھے کہ "میں آپ A کو اپنے بیٹے کی نسبت زیادہ جانتا ہوں۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا، وہ کیسے؟ تو کہنے لگے کہ "بے شک مجھے حضرت محمد مصطفیٰ A کے نبی ہونے میں کوئی شک نہیں، اور جہاں تک میرے بیٹے کا معاملہ ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کی والدہ نے خیانت کی ہو۔" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کے سر کو بوسہ دیا۔ (تفسیر روح المعانی: ۲/ ۱۳)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ (ص ۱۴۶)

"جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے اور بے شک ان میں ایک گروہ جان بوجھ کر حق چھپاتے ہیں۔"

یعنی وہ اپنی کتابوں میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کی نعت و توصیف پاتے تھے، اور اس حق بات کو وہ چھپاتے تھے۔ اور ان کے اس حقیقت کو چھپانے کا سبب محض بغض و حسد تھا۔

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے مومنین پر اپنے پیارے نبی ﷺ کے اِرسال کا احسان جتاتے ہوئے فرمایا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۔

(ص ۱۵۱)

"جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔"

اس آیہ مقدسہ میں ہمارے نبی سرورِ کائنات ﷺ کی قدر و منزلت انتہائی احسن انداز سے اُجاگر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کا ارشادِ گرامی ہے:

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ (ص ۲۵۲)

"یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم اے محبوب تم پر ٹھیک پڑھتے ہیں اور تم بے شک رسولوں میں ہو۔"

حق سے مراد صدق ہے۔ یہ آیہ کریمہ دراصل کفار کے اس قول کا رد ہے، جو انہوں نے آپ ﷺ کے سے کہا کہ "تم رسول نہیں"، اسی لئے یہ جملہ تین تاکیدات سے مؤکد کیا گیا: اِن ۱، لام مفتوحہ ۲ اور جملہ اسمیہ ۳، جو کہ ثبوت واستقرار پہ دال ہے۔ یعنی آپ ﷺ کا رسولوں سے ہونا ثابت اور مستقر ہے، اور یہی غرض ہے جو منکرین رسالت کے قول کی سخت تردید سے مطلوب ہے۔ لیکن اس پر مزید یہ کہ اللہ کریم نے آپ ﷺ کی جمیع رسولوں پر افضلیت ثابت کرتے ہوئے فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۔

(ص: ۲۵۳)

"یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا۔"

تِلْکَ کا اشارہ ان رسولوں کی طرف ہے جو اس سورہ میں پہلے مذکور ہیں۔

اور وہ ہمارے نبی ﷺ جن کا ذکر سب سے پہلے ہوا' حضرت آدم' حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل' حضرت موسیٰ' حضرت اسحاق' حضرت یعقوب' حضرت داؤد' حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے کا مفہوم یہ ہے کہ ایک کو کسی ایسی خصوصیت سے نوازا' جو کسی دوسرے میں نہیں۔ "کسی سے اللہ نے کلام فرمایا" جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت آدم علیہما السلام جیسا کہ نصِ قرآن اور صریح حدیث سے ثابت ہے۔ "اور کسی کو سب پر درجوں بلند کیا" اس سے مراد ہمارے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ اور آپ ﷺ کی عظمت وشان کی خاطر "بَعْضَهُمْ" کے لفظ سے کنایہ فرمایا اور اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ اِبہام کے وقت آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی معروف ہے' کسی غیر کا قصد نہیں اور نہ کسی اَور کی طرف اشارہ ہے۔ "دَرَجَاتٍ" کے نکرہ لانے سے انعامات اور عطیات کی کثرت کی طرف اشارہ ہے' جیسے آپ ﷺ کو قرآن مجید جیسی عظیم نعمت میسر آنا' اُمت کو فضیلت ملنا' ان کیلئے زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنانا' دین اسلام کے احکام کا آسان ہونا۔

اور آپ ﷺ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجنا وغیرہ ایسی نعمتیں ہیں جو کسی نبی اور رسول کو عطا نہیں کی گئیں۔ "رَفَعَ" سے آپ ﷺ کے جمیع رسولوں پہ بلند مرتبہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ زمخشری اور تفسیر آیت

ظاہر یہی ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے اس فرمانِ عالیشان میں اپنے

پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ کا ارادہ فرمایا۔ کیونکہ آپ کو ہی سب انبیاء المرسلین پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔آپ ﷺ کی ہی یہ نرالی شان ہے کہ بیشمار ایسے انعامات اور معجزات سے آپ ﷺ کو نوازا گیا جو کسی اَور کو نصیب نہیں ہوئے' جن کی تعداد ایک ہزار یا اس سے بھی زائد ہے۔ اور اگر صرف قرآنِ حکیم ہی آپ ﷺ کو دیا جاتا' تو انبیاء کو دیئے گئے تمام انعامات و معجزات پر فضیلت و فوقیت کیلئے کافی تھا۔ کیونکہ یہ عظیم معجزہ قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ دیگر معجزات کو یہ سعادت میسر نہیں۔

اس ابہام میں حضور ﷺ کے فضل و کمال کی برتری اور قدر و منزلت کی بلندی ہے' جو کہ مخفی نہیں' اس لئے کہ اس میں شہادت ہے کہ آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی مشتبہ نہیں' اور ایسا متمیّز ہے جس میں التباس نہیں۔ اور یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت محمد ﷺ اور دیگر اولوالعزم رسولوں کا مراد لینا بعید از فہم ہے' کیونکہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو ہمارے نبی ﷺ جیسی آیات و معجزات سے نوازا گیا ہو۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آیہ کریمہ میں کلیم اللہ اور عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر خاص طور پر کیا گیا' محض اس لئے کہ ان دونوں کو آیاتِ عظیمہ اور معجزاتِ باہرہ سے نوازا گیا۔ زمخشری کہتا ہے کہ جب ان دونوں نبیوں کو آیاتِ عظیمہ سے بہرہ وَر کیا گیا' تو فضیلت کے باب میں ان کا ذکر خصوصی کیا گیا' یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ بلند پایہ ہستی جو آیات و معجزات سے سب پر فضیلت و فوقیت لے گئی' اس کی دوسری ہر فضیلت کو بھی خصوصی طور پر ذکر کیا جائے۔ اور جب ہمارے نبی ﷺ کی وہ ذاتِ گرامی ہے' جس پر اتنے کثیر اور گراں بہا انعامات ہوئے' جو کسی اَور کو میسر نہیں آئے' تو لامحالہ اس آیہ مقدسہ میں بھی فضل و کمال کے تمام تر پہلوؤں کی حفاظت کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر ہی مقصود ہے۔

حیاتِ مصطفی ﷺ

اللہ تعالیٰ جل مجدہ الکریم کا ارشادِ گرامی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

(ص ۲۷۹-۲۷۸)

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سُود اگر مسلمان ہو پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کرلو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔"

اس آیہ کریمہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبرِ انور میں زندہ ہیں، اور سُود لینے والوں سے لڑائی کرتے ہیں کہ ان کے خلاف دعا کرتے ہیں یا جو امر بھی آپ ﷺ کی حیاتِ برزخیہ کے مناسب ہے، اور یہ ایسے ہی ہے جیسے حیاتِ دنیویہ میں آپ ﷺ کی ان سے لڑائی ہوتی، اور جیسے اللہ تعالیٰ ان کے کاروبار روک کر اور برکت اٹھا کر ان سے لڑائی کرتا ہے، تو بے شک اللہ کے رسول ﷺ ان کے خلاف دعا کر کے لڑائی کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے استغاثہ میں اس استنباط کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَفِيْ آيَةِ الرِّبَا دَلِيْلُ حَيَاتِهِ
دَوَامًا بِلَا ثُنْيَا اِلٰى يَوْمِ نَفْخَةِ

(آیتِ ربا میں آپ ﷺ کی روزِ قیامت تک دائمی و یقینی

زندگی کی دلیل ہے)

تحفۂ خدا جل شانہ بنام رسول ﷺ

اللہ تعالیٰ جل شانہ، کا فرمانِ عالیشان ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (ص ۲۸۵)

"رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے ربّ کے پاس سے اس پر اترا اور ایمان والے۔"

اس سورت کی ان آخری دو آیات کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی مکرم ﷺ کیلئے ذخیرہ کر رکھا تھا، پھر ان دونوں آیات کو عرش کے نیچے خزانے سے نازل فرمایا۔

امام بخاری نے "کتاب المغازی" اور امام مسلم نے "کتاب صلاۃ المسافرین" میں حضور پُرنور شافع یوم النشور ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی نقل کیا ہے:

اَنَّ مَنْ قَرَأَهُمَا فِیْ لَیْلَةٍ کَفَتَاهُ۔

"بے شک جو شخص ان دونوں آیات کو رات میں پڑھے گا، یہ اسے کفایت کریں گی۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَأْنَا۔

"اے ربّ ہمارے نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔"

کے نزول کے بارے میں مروی ہے: کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "نعم"

(ہاں، ٹھیک ہے)، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قَدْ فَعَلْتُ" (میں نے قبول کیا)۔ ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں روایات کے پیشِ نظر حدیث کا معنی یہ ہوا کہ جب یہ آیت "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ..." نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے اسے پڑھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ضمن میں ہر دعا کرتے ہوئے اپنے پیارے نبی ﷺ سے کہا: "نَعَمْ، قَدْ فَعَلْتُ" لہٰذا یہ آیہ مقدسہ اس امر پر واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی تعظیم و تکریم کی خاطر اس اُمت سے تنگی، غلطی اور بھول معاف کردی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی ﷺ کی شان میں ارشادِ گرامی ہے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (الاعراف: ۱۵۷)

"اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اُتارے گا۔"

اور ابن ماجہ نے "کتاب الطلاق" (۱/۶۵۹) میں حضور سیّد عالم ﷺ کا یہ فرمانِ عالیشان نقل کیا ہے: اور اسے حافظ بیہقی نے (السنن: ۷/۳۵۷) میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِیْ عَنْ اُمَّتِیْ الْخَطَاَ وَالنِّسْيَانَ وَالْاَمْرُ يُكْرَهُوْنَ عَلَيْهِ۔

"اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے ان معاملات میں درگذر فرمایا خطا، سنیان اور جس پر اسے مجبور کردیا جائے۔"

یہ حدیث صحیح ہے، میں نے اس کے طرق احادیثِ "منہاج"

البیضاوی کی تخریج میں بیان کئے ہیں۔

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۔ (الاحزاب:۵)

"اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو نادانستہ تم سے صادر ہوا، ہاں وہ گناہ ہے جو دِل کے قصد سے کرو۔"

اور فرمانِ خداوندی ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۔ (ص:۲۲۵)

"اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے، ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دِلوں نے کئے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔"

پہلی اُمتوں کا ایسے اُمور پر سختی سے مؤاخذہ ہوتا تھا، اس لئے کہ وہ طلبِ معجزات میں انتہائی اِصرار کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا واقعہ بیان فرمایا، اور یہ واضح فرمایا کہ ان پر یہ سختی وعتاب ان کے زیادہ اصرار اور ظلم وزیادتی کا بدلہ ہے۔ اور اس اُمت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم کرم ہے کہ انہیں کوئی اس طرح کی شدت کا سامنا نہیں، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

۲۔ سورۃ آلِ عمران

اظہارِ عظمتِ رسول ﷺ

نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگے: کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم ہمارے صاحب کو اچھا نہیں سمجھتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: عیسیٰ بن مریم' تمہارا خیال ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں بے شک وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔" انہوں نے کہا: کیا مخلوق میں کوئی ان کی مثل ہے' جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو؟ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ آیاتِ بیّنات نازل فرمائیں:

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ
مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ (یت ۵۹)
اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ۔

"عیسیٰ کہ کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ اے سننے والے یہ تیرے ربّ کی طرف سے حق ہے تُو شک والوں میں نہ ہونا۔"

پھر آپ ﷺ کو ان سے مباہلہ کرنے کا حکم فرمایا:

فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ
الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ

وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَ كُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔

"پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آ چکا تو ان سے فرما دو، آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔"

مباہلہ یوں کہ ہم کہیں: کہ شانِ عیسیٰ میں ہم میں سے جو جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مباہلہ کیلئے بلایا اور خود حضرت علی، فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام کو ہمراہ لے کر نکلے، اور کہا:

اِذَا دَعَوْتُ فَاٰمِنُوْا۔

"جب میں دُعا کروں تو تم آمین کہنا۔"

تو وفد جان گیا کہ واقعی یہ اللہ کے نبی ہیں اور مباہلہ سے خوف زدہ ہو کر جزیہ کی ادائیگی پر صلح کر لی، اور واپس لوٹ آئے۔

یہ بھی ایک نوع ہے کہ اللہ کریم نے اپنے نبی ﷺ کا دِفاع فرمایا اور آپ ﷺ کو تلقین فرمائی کہ اپنے مد مقابل اور مناظرین کو یوں کہیں، باوجودیکہ آپ ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ فصیح اور دلائل قائم کرنے میں سب سے زیادہ عالم اور مد مقابل کو زیر کرنے میں سب سے زیادہ اقویٰ ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ کو آپ ﷺ کی عنایت کا مختلف طریقوں سے اظہار پسند ہے۔

یہود و نصاریٰ کے خیال کی تردید

یہود و نصاریٰ کا خیال تھا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم ہیں تو

اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔

ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ کہ نصرانی بلکہ ہر باطل سے جدا مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہ تھے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ (ص:٦٨-٦٧)

بیشک سب لوگوں سے ابراہیم (علیہ السلام) کے زیادہ حق دار وہ تھے جو ان کے پیرو ہوئے اور یہ نبی (ﷺ) اور ایمان والے۔ (امتِ مسلمہ)

ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ابراہیم کا ذکر محض ان کے نام سے کیا' جبکہ ہمارے نبی ﷺ کا اس طرح ذکر نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ کا ذکر وصفِ نبوت سے کیا۔ اس اسلوب میں آپ ﷺ کی بہت بڑی فضیلت کا اظہار ہے۔ علماء نے اس طرز سے آپ ﷺ کی عظمت کا اقرار کیا ہے' جیسا کہ حافظ سخاوی ''القول البدیع'' میں فرماتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ

قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۔ (البقرۃ:۸۱)

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔''

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی بہت بڑی تکریم فرمائی کہ انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور مدد کریں اگر وہ ان کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوں۔ علامہ تقی سبکی کا کہنا ہے کہ اس اسلوب سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نبیوں کے بھی نبی ہیں۔ اور حضرت بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

(کیونکہ آپ ﷺ فضل کے آفتاب ہیں اور سب انبیاء ستارے ہیں کہ جہالت کی تاریکی میں آفتاب کا نور لوگوں کو دکھا رہے ہیں)

میں (غماری) کہتا ہوں کہ ''تمام مفسرین نے اس آیہ مقدسہ کا معنی یہ لیا

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے اس نبی کے بارے عہد لیا جو اس کے بعد آنے والا ہے۔ گویا کہ آدم علیہ السلام سے عہد لیا کہ اگر رسول آجائے اور تیری شریعت کی تصدیق کرے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا اور اسی طرح ادریس، نوح، ہود، صالح حتیٰ کہ عیسیٰ علیہم السلام تک تمام انبیاء سے عہد لیا۔''

یہ تفسیر غلط ہے اگرچہ اس کے قائل سعید بن جبیر اور طاؤس ہیں۔ اس پر اعتماد صحیح نہیں۔ اور وہ تفسیر جو پہلے ذکر ہوئی۔ وہی صحیح ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور تفسیر جائز نہیں۔ اور اس کی وضاحت چند وجوہات سے ہوتی ہے۔

۱۔ کسی آیت یا صحیح حدیث میں وارد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کی شان میں عہد لیا ہو۔

۲۔ قرآنِ حکیم برہان رشید ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی نبی کا وصف ''مُصَدِّقٌ لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ'' بیان نہیں کرتا۔ اور صرف ہمارے نبی ﷺ کی شان ہی بیان کرتا ہے کہ وہ اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے پاس جو کچھ ہے اس کی تصدیق فرمانے والے ہیں۔ اور قرآن حکیم کے علاوہ کسی کتاب کی شان ''مُصَدِّقٌ لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ'' بیان نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (البقرۃ:۸۹)

''اور جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب (قرآن) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (توریت) کی تصدیق فرماتی ہے

اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔''

۲۔ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ۔

(البقرة:۹۷)

''تم فرما دو جو کوئی جبریل (علیہ السلام) کا دشمن ہو تو اس (جبریل علیہ السلام) نے تو تمہارے دِل پر اللہ کے حکم سے یہ قرآن اُتارا اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتا۔''

۳۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ۔

(البقرة:۱۰۱)

''اور جب ان کے پاس تشریف لایا اللہ کے یہاں سے ایک رسول اُن کی کتابوں کی تصدیق فرماتا تو کتاب والوں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب اپنے پیٹھ پیچھے پھینک دی۔''

۴۔ وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ۔

(المآئدة:۴۸)

''اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرمائی اور ان پر محافظ و گواہ۔''

۵۔ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ۔

"اور یہ ہے برکت والی کتاب کہ ہم نے اُتاری تصدیق فرماتی ان کتابوں کی جو آگے تھیں۔"

اور غور کریں کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے کس طرح فرمایا:

وَ قَفَّیْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ اٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ (المآئدۃ:۴۶)

"اور ہم ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشانِ قدم پر عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو اس سے پہلے تھی اور ہم نے اسے انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تصدیق فرمائی ہے توریت کی کہ اس سے پہلے تھی اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگاروں کو۔"

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تکمیل کرتے ہوئے تشریف لائے، تو گویا کہ وہ صرف اپنے سے ماقبل کتاب یعنی توریت کے مصدق ہوئے، اور انجیل جو آپ پر نازل ہوئی وہ بھی فقط اپنے سے ماقبل یعنی توریت کی ہی مصدق ہوئی۔ اور وہ تورات جس کی تکمیل و تصدیق کیلئے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے' وہ حضرت ابراہیم' لوط یا شعیب علیہم السلام پر نازل ہونے والے صحائف کی مصدقہ نہیں ہے' کیونکہ نازل ہونے والی شریعتوں میں اختلاف ہے۔ لہٰذا مخفی نہ رہا کہ تمام کتب کی تصدیق و تائید اور ان سے برتر ہونا صرف قرآنِ کریم کا ہی خاصہ ہے۔

۳۔ ہمارے نبی سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ اور شریعت دائمہ ہے' تو مناسب ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام سے آپ ﷺ کا ہی عہد لیا جاتا یعنی اگر وہ ان کے زمانے میں ظہور پذیر ہوں تو وہ آپ ﷺ پر ایمان بھی لائیں اور مدد بھی کریں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کی دعوت ان کو بھی شامل ہے۔ جبکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی دعوت سب کو شامل نہیں۔ انبیاء میں سے ہر ایک صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوا اور بسا اوقات ایک وقت میں دو دو' تین' تین اور اکثر بھی نبی اکٹھے ہوئے۔ یعنی ہر نبی ایک بستی میں' جیسے ابراہیم اور لوط' یعقوب اور یوسف' موسیٰ اور خضر علیہم السلام۔[1]

یہ ثابت نہیں کہ کسی نبی نے دوسرے کی پیروی کی ہو اور اپنی قوم کو چھوڑ دیا ہو یا انہیں بھی اس نبی کی پیروی کا حکم دیا ہو۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں وہاں پہنچے جو جگہ ان دونوں کے اکٹھا ہونے کی مقرر کی گئی تھی' لیکن اس سے یہ عقلاً بھی اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ایک نبی سے دوسرے نبی کے بارے میں عہد لیا گیا۔ اس سے ایک دوسرے کی نہ اتباع لازم آتی ہے اور نہ اجتماع۔

۱۔ ان کے نبی ہونے کا بھی قول ملتا ہے' اور یہی قابلِ اعتماد ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے 'الذہر النضر فی بنأ الخضر: ص ۲۶-۳۲'' میں اس کی توثیق کی ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بصورتِ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا' جو حضرت زکریا علیہ السلام کی شان میں ہے:

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ (آلِ عمران:۳۹)

"تو فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا' بے شک اللہ آپ کو مشردہ دیتا ہے یحیٰی کا جو اللہ کی طرف کے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار اور ہمیشہ کیلئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے۔"

کیونکہ ملائکہ نے انہیں یحیٰی کا مشردہ عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر نہیں سنایا کہ "مصدقاً بعیسیٰ" جیسا کہ توریت و انجیل نے ہمارے نبی ﷺ کے مبارک نام اور وصف کے ساتھ بشارت دی۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام کو "کلمۃ من اللہ" سے تعبیر کیا کہ "مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ" کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایک نشانی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ اٰيَةً ۔ (المؤمنون:۵۰)

"اور ہم نے مریم اور اس کے بیٹے کو نشانی کیا۔"

اس میں حکمت یہ ہے کہ اس میں نصاریٰ کی سخت تردید ہے۔ کیونکہ یحیٰی' جو کہ ان کے نزدیک یوحنّا معمدان ہیں...... کا جب یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف کا ایک کلمہ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں کلمہ "کُنْ" سے پیدا

فرمایا، تو ان کا اس بارے دعویٰ، کہ وہ اللہ کے بیٹے یا تیسرے خدا ہیں، سرے سے باطل ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔

۴۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کبار انبیاء کرام کر خبر دی ہے کہ انہوں نے ہمارے نبی ﷺ کی بشارت دی۔ جیسے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے دعا کی:

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِه (البقرة:١٢٩)

"اے ربّ ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ ذیشان:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ۔ (الاعراف:١٥٧)

"وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔"

یہ آیہ مقدسہ صرف ہمارے نبی ﷺ کی شان میں ہے۔ اور تبع اکبر، حبیب بن اسرائیل نجار اور ورقہ بن نوفل وغیرہ کا ظہور سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لانا ہمارے نبی ﷺ کا طرۂ امتیاز ہے۔ کیونکہ کسی نبی پر ایمان نہیں لایا گیا مگر اس کے ظہور کے بعد، جیسا کہ زمخشری نے کہا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی ملائکہ کے ساتھ مدد کی۔ کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک اور آپ ﷺ کی نصرت و

اعانت پر کمر بستہ رہے' جس کا مفصّل بیان آگے آرہا ہے۔ گویا کہ ملائکہ پر آپ ﷺ کی نصرت واجب ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کی شریعت سے پابند نہیں کیا' نہ قتال میں اور نہ ہی کسی اور امر میں۔ لہٰذا اس سے یہ امر واضح طور پر اخذ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی نُصرت وتائید آپ ﷺ کے بھائیوں یعنی انبیاء پر واجب ہے۔

۶۔ اللہ جل شانہ' نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توریت وانجیل میں شان بیان فرمائی' جس کا تفصیلی بیان سورۃ الفتح میں آئے گا۔ قرآنِ حکیم سے ماخوذ یہ وجوہات اس امر پر دال ہیں کہ آیت میثاق صرف ہمارے نبی ﷺ کی ہی شان میں ہے۔ اس میں کسی اَور نبی کا احتمال تک نہیں۔ ہم نے استغاثہ میں کہا ہے:

وَفِیْ اٰیَةِ الْمِیْثَاقِ عَهْدٌ مُّؤَكَّدٌ

مِّنَ اللّٰهِ لِلرُّسُلِ الْكِرَامِ بِجُمْلَةِ

(اور آیتِ میثاق میں اللہ تعالیٰ نے جمیع رُسُل کرام سے پختہ وعدہ لیا)

اُمّتِ محمدیہ کی فضیلت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

''تم بہتر ہو ان سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔
بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر
ایمان رکھتے ہو۔''

اُمتِ محمدیہ کو دوسری اُمتوں پر فضیلت دی گئی ہے' جس کی وجہ محض نبی کریم ﷺ کی کرامت و شرافت ہے۔ کیونکہ تابع کا شرف متبوع کے شرف کے سبب ہے۔

اصحابِ بدر اور نصرتِ خداوندی

جب مسلمان اور مشرکین میدانِ بدر میں دو چار ہوئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی قلت اور دشمنانِ اسلام کی کثرت کو دیکھا' تو آپ ﷺ قبلہ رُخ ہو کر اپنے مبارک ہاتھ اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں یوں ملتجی ہوئے:

اَللّٰھُمَّ اَنۡجِزۡنِیۡ مَا وَعَدۡتَنِیۡ ' اَللّٰھُمَّ اٰتِنِیۡ مَا وَعَدۡتَنِیۡ ' اَللّٰھُمَّ اِنۡ تَھۡلِكۡ ھٰذِهِ الۡعَصَابَةَ لَا تُعۡبَدۡ فِی الۡاَرۡضِ۔

''اے اللہ میرے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو پورا فرما' اے اللہ مجھے اپنے وعدے کے مطابق عنایت فرما' اے اللہ اگر تو یہ جماعت ہلاک کر دے گا تو زمین میں تیری عبادت نہ ہو گی''۔

اس مبارک حدیث کو امام مسلم نے کتاب الجہاد و السیر' باب ''الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس سورہ کی آیات کے علاوہ سورہ انفال کی

آیات بھی نازل فرمائیں، جن کو ہم یہیں ذکر کر دیتے ہیں کیونکہ ان سب کا موضوع ایک ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (الآیۃ:۱۲۳)

"اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل سرو سامان تھے۔تو اللہ سے ڈرو کہیں تم شکر گزار ہو"

یہ مدد و نصرت دراصل حضور نبی کریم ﷺ کی دُعا کی قبولیت ہے، جیسا کہ اللہ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔

"جب تم اپنے ربّ سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سُن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزاروں فرشتوں کی قطار سے"

فریاد کرنے والے نبی کریم ﷺ ہی ہیں جیسا کہ سیاقِ کلام سے ظاہر ہے، اور تعظیم کی خاطر جمع کے صیغے سے تعبیر کیا گیا۔"مُرْدِفِيْنَ" کا دال کسرہ اور فتح دونوں سے پڑھا جاتا ہے۔

پھر اللہ کریم نے تین ہزار فرشتوں سے ان کی مدد فرمائی، جس کی تصریح اس فرمانِ خداوندی میں ہے:

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ، بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ

هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ۔ (الآیۃ:۱۲۵-۱۲۴)

"جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا ربّ تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتہ اُتار کر۔ہاں کیوں نہیں اگر تم، صبر و تقویٰ کرو اور کافر اسی دم تم پر آ پڑیں تو تمہارا ربّ تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا"

یعنی تمہیں یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے۔ "مُسَوِّمِیۡنَ" واوٗ کے فتح اور کسرہ دونوں سے پڑھا جاتا ہے۔ اللہ جل جلالہٗ نے ملائکہ کو نازل فرمایا، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شانہ بہ شانہ شریک جہاد رہے، جیسا کہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

اِذۡ يُوۡحِىۡ رَبُّكَ اِلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ اَنِّىۡ مَعَكُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَ اضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ كُلَّ بَنَانٍ ۔

"جب اے محبوب تمہارا ربّ فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اُوپر مارو اور ان کی ایک ایک بور پر ضرب لگاوٗ"

جونہی صحابی کسی مشرک کو مارنے کا ارادہ کرتا تو تلوار اس تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی گردن اڑتی نظر آتی، یعنی فرشتہ آگے بڑھ کر اس کی گردن اڑا دیتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ مَنۡ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۔ (الانفال:۱۲، ۱۳-)

"یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

ان آیات بیّنات سے نبی کریم ﷺ کی عظمت پر دال درج ذیل اُمور اخذ ہوتے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی تین دفعہ ملائکہ سے مدد فرمائی، اوّل ایک ہزار فرشتہ سے پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتہ سے۔

۲۔ فرشتے مردوں کی صورت میں سواریوں پر نازل ہوئے اور وہ صحابہ کرام کی طرح جنگی امور سے آشنا تھے۔ کتبِ صحاح میں یہ ثابت ہے کہ وہ مشرکین کے مقابل جہاد میں شریک ہوئے، بعض کو قتل بھی کیا اور بعض کو قید، بعض صحابہ کو قتل اور قید سے بچایا اور بعض صحابہ کی بعض مشرکین کو قید کرنے میں مدد بھی کی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے کفار کے دلوں میں رُعب ڈال کر بھی اپنے نبی ﷺ کی مدد فرمائی، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُوراً وَ مَسْجِدًا وَ أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَ خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ۔ (صحیح مسلم: کتاب المساجد)

"مجھے انبیاء پر چھ اُمور سے فضیلت دی گئی ہے، مجھے جوامع

الکلم عطا کئے گئے' رُعب سے میری مدد کی گئی' میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا' زمین میرے لئے پاک اور مسجد بنائی گئی' مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور مجھے خاتم النبیین بنایا گیا''

یہ مذکورہ بالا ایسی خصالِ حمیدہ ہیں' جو ہمارے نبی ﷺ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں۔

کیا واقعی فرشتے نازل ہوئے؟

یہ امر بلا تاویل مسلم ہے کہ فرشتے صحابہ کی مدد کو نازل ہوئے۔ صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کہ میں نے یومِ احد کو رسول اللہ ﷺ کے دائیں بائیں سفید لباس میں ملبوس دو آدمی دیکھے' جو آپ ﷺ کے دفاع میں مردانہ وار لڑ رہے تھے' مَیں نے انہیں نہ اس سے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔ یعنی جبریل اور میکائیل علیہما السلام۔

امام نووی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کا بیان ہے' اور آپ ﷺ کے ہمراہ جہاد کیلئے فرشتوں کو نازل فرمانا آپ ﷺ کی خصوصی عزت پر دال ہے۔ نیز ملائکہ کا جہاد میں شریک ہونا واضح ہے' اور اس امر کی صراحت ہے کہ ملائکہ کا قتال یومِ بدر سے مختص نہیں' یہی حق ہے بخلاف اُس کے کہ کوئی اس کو یومِ بدر سے خاص کرے۔ یہ حدیث ایسی تخصیص کے رد میں صریح ہے۔

بعض معاصرین یا وہ گو حضرات کا خیال ہے کہ آیاتِ مذکورہ میں ملائکہ کے ساتھ مدد کرنا' روحانی قوت کے ساتھ مدد کرنے سے کنایہ ہے۔ حالانکہ یہ انتہائی

جہالت اور کتاب اللہ میں تحریف ہے۔ ذرا غور فرمائیں:

تعداد سے کیونکر غفلت ہے؟ جو ایک ہزار، تین ہزار اور پانچ ہزار ہے۔

ملائکہ کا "مردفین" اور "مسومین" کی کیفیت سے نزول کیونکر قابلِ فراموش ہے؟

کیا قوتِ روحانیہ مقدار یا کیفیت کو قبول کرتی ہے؟

بالفرض اس فاسد تاویل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی دیگر تمام غزوات یعنی غزوہ خیبر اور فتح مکہ وغیرہ میں قوتِ روحانیہ سے مدد نہیں فرمائی۔ بلاشبہ یہ باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک لمحہ بھی اپنے نبی ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑا، بلکہ جمیع غزوات اور تمام امور میں آپ ﷺ کی قوتِ روحانیہ سے مدد فرمائی، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے انتہائی خطرناک موقع پر بھی اپنے یارِ غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۔ (التوبۃ:۴۰)

"غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

اور اسی طرح جب آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب نے قوم کی درخواست پر آپ ﷺ سے زرِ کثیر کے بدلے دعوتِ حق چھوڑ کر قوم سے موافقت کرنے کا کہا تو آپ ﷺ نے جواباً یوں فرمایا:

اِیْ عَمِّ وَ اللّٰهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِیْ یَمِیْنِیْ ، وَ الْقَمَرَ فِیْ شِمَالِیْ ، عَلٰی اَنْ اَتْرُكَ هٰذَا لْاَمْرَ ، مَا تَرَكْتُهٗ حَتّٰی یُظْهِرَهُ اللّٰهُ اَوْ اَهْلَكَ دُوْنَهٗ ۔

"چچا جان! اگر اللہ کی قسم اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پہ سورج

اور بائیں پہ چاند بھی رکھ دیں کہ مَیں یہ دعوت چھوڑ دوں، تو ہرگز میں ایسے نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ اسے غالب اور مخالفین کو ہلاک کر دے گا۔"

"حافظ ہیثمی "مجمع الزوائد: ۶/ ۱۸" میں اسے امام طبرانی کی "معجم اوسط" اور "کبیر"، اور "مسند ابی یعلیٰ" کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابو یعلیٰ کے رِجال صحیح کے رِجال ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے بدر اور اُحد میں نبی کریم ﷺ کی ملائکہ کے ساتھ حسی مدد فرمائی۔ کتاب و سنّت اسی پر دال ہیں، اور صحابہ کرام سے بھی یہ تصریح ملتی ہے کہ انہوں نے مشاہدہ کیا، بلکہ خود مشرکین نے بھی اس کا اعتراف کیا، ان میں سے کثیر لوگوں نے یہ تصریح کی ہے کہ انہوں نے صحابہ کے علاوہ بھی کچھ لوگ دیکھے جو قتل اور قید کرنے میں شریک رہے، خصوصاً غزوۂ بدر میں انہوں نے یہ تصریح کی۔ اور جو اس کے بارے گفتگو کرتے ہوئے امداد معنوی اخذ کرتے ہیں اور تائید میں آیت پیش کی جاتی ہے کہ "کفار کے دِلوں میں رُعب ڈال دیا گیا۔" تو یہ ایک الگ فضیلت ہے جو ہمارے نبی ﷺ کو تمام انبیا علیہم السلام پر حاصل ہے، جبکہ روحانی امداد میں تو وہ بھی شریک ہیں، بلکہ اس کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے جمیع مومنین کی مدد فرمائی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۔ (المجادلۃ: ۲۲)

"یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔"

قرآن حکیم نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی ایک کی بھی ملائکہ کے ساتھ مدد نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حبیب نجار کے قصہ میں فرمایا:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۔ (یٰسٓ:۲۸)

''اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہ اُتارا اور نہ ہمیں وہاں کوئی لشکر اتارنا تھا۔''

علامہ زمخشری اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کی چیخ سے ان کا کام تمام کر دیا اور ان کی ہلاکت کیلئے آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا، جیسا کہ یوم بدر اور خندق میں ہوا۔ اگر یہ دریافت طلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اور نہ ہمیں وہاں کوئی لشکر اُتارنا تھا'' کا کیا معنی ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ حبیب نجار کی قوم کو ہلاک کرنے کیلئے آسمان سے لشکر اتارنا ہماری حکمت کے مطابق صحیح نہیں، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی ہلاکت کیلئے کوئی نہ کوئی سبب پیدا فرمایا، اور وہ بھی حکمتِ الٰہیہ کے تقاضا کے عین مطابق تھا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۔ (العنکبوت ۴۰)

''تو ان میں کسی پر ہم نے پتھراؤ بھیجا اور ان میں کسی کو چنگھاڑ نے آلیا اور ان میں کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور ان میں کسی کو ڈبو دیا۔''

اگر تم یہ کہو کہ یومِ بدر اور خندق کو آسمانوں سے لشکر کیوں نازل کیا گیا؟ جیسا کہ یہ آیاتِ بیّنات نزول ملائکہ پر دال ہیں:

i ۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا

ii ۔ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۔

iii ۔ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۔

iv ۔ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہلاکت وغیرہ کیلئے ایک فرشتہ کافی ہے، قومِ لوط کی بستیاں حضرت جبریل علیہ السلام کے پَر سے اور قوم ثمود کی بستیاں اور صالح علیہ السلام کی قوم انہی کی ایک چیخ سے تباہ و برباد ہوگئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی محمد ﷺ کو ہر چیز میں کبار انبیاء اور اولوالعزم رسولوں پر فضیلت بخشی ہے چہ جائیکہ حبیب نجار۔

اور کرامت و اعزاز کے وہ اسباب آپ ﷺ کو مہیا کئے جو کسی اور کے مقدر میں نہ ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لشکر اُتارے، گویا کہ اللہ کریم کے ارشاد "وَمَآ اَنْزَلْنَا" اور "وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ" سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آسمان سے لشکر کا نزول ایک اہم اور عظیم امر ہے، جو اے محبوب تمہارے سوا کسی کا نصیبہ نہیں۔

اتباعِ رسول ﷺ اور قُربِ خدا

مشرکین نے اپنی بت پرستی کی وجہ حضور نبی کریم ﷺ سے یوں بیان کی۔ کہ ہم محض اللہ تعالیٰ کی محبت کیلئے بتوں کی پرستش کرتے ہیں، تا کہ یہ ہمیں اس کے قریب کر دیں۔ نجران کے عیسائیوں نے کہا کہ ہم حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ

علیہا السلام کی عبادت فقط اللہ کی محبت کیلئے کرتے ہیں' تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ آیہ مقدسہ نازل فرمائی:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ (الآية:۳۱)

''اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔''

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی اتباع کو اپنی محبت اور مغفرت و بخشش کے حصول کا سبب ٹھہرایا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعاً لِمَا جِئْتُ بِهٖ۔

''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں' جب تک اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو۔''

امام بغوی نے اسے ''شرح السنہ:۱/ ۲۱۳'' میں نمبر (۱۰۴) پر نقل کیا' اور ''الانوار: ۲/ ۷۷۰'' میں نمبر (۱۲۳۴) اور حافظ ابن رجب حنبلی نے ''جامع العلوم والحکم: ۳۶۴'' میں اس کو صحیح قرار دیا۔

تو جو کوئی ایمان یا محبتِ الٰہی کا دعویٰ کرے اور اتباعِ رسول ﷺ نہ کرے' تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ لہٰذا اس آیہ کریمہ کے بیان کردہ طریق کے علاوہ فلسفہ' ریاضی یا کسی اَور طریق سے بارگاہِ خداوندی میں وصول کے امکان کا دعویٰ صریح جھوٹ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۔ (الآیۃ:۳۲)

"تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔"

یہ ارشادِ گرامی واضح کر رہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ایک ہی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ وہی حکم فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے۔

خدا جل جلالہٗ و مصطفیٰ ﷺ اور اسلوبِ قرآن

یہاں ہم اس مسئلے کو ذکر کرتے ہیں جو ہم نے اسلوبِ قرآن کے تتبع سے اخذ کیا، کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم نے اکثر اپنے ذکر کے ساتھ اپنے پیارے رسول ﷺ کا ذکر ملا کر کیا، جس کی ایک مثال آیتِ مذکورہ ہے اور دیگر اس سلسلہ کی آیاتِ بینات ہم یہاں سپردِ قلم کرتے ہیں:

۱۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۔ (البقرۃ:۲۷۹)

"پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔"

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔

(النسآء:۵۹)

"اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو

تم میں حکومت والے ہیں۔"

۳۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (النسآء:۵۹)

"پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اُسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔"

۴۔ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

(النسآء:۱۰۰)

"اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرتا۔"

۵۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

(المآئدۃ:۳۳)

"ان کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے پھرتے ہیں۔"

۶۔ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ۔ (المآئدۃ:۱۰۴)

"اور جب ان سے کہا جائے آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف۔"

۷۔ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (الانفال:۱)

"تم فرماؤ غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں تو اللہ سے ڈرو

اور اپنے آپس میں میل رکھو اور اللہ اور رسول کا حکم مانو اگر ایمان رکھتے ہو۔"

۸۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ (الانفال:۱۳)

"یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کرے تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

۹۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ، اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ۔ (الانفال:۲۷)

"اے ایمان والو اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو۔"

۱۰۔ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (التوبۃ:۱)

"بیزاری کا حکم سنانا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں کو جن سے تمہارا معاہدہ تھا اور وہ قائم نہ رہے۔"

۱۱۔ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ۔ (التوبۃ:۳)

"اور منادی پکار دینا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں

سے اور اس کا رسول۔"

۱۲۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ
وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ
اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ
مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ ۔ (التوبة:۲۴)

"تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان' یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں۔"

۱۳۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔

(التوبة:۲۹)

"لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے۔"

۱۴۔ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ اِلَّا
اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ ۔

(التوبة: ۵۴)

"اور وہ جو خرچ کرتے ہیں اس کا قبول ہونا بند نہ ہوا مگر اسی

لئے کہ وہ اللہ اور رسول سے منکر ہوئے۔"

۱۵۔ وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗ۔ (التوبۃ:۵۹)

"اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہیں ہمیں اللہ کافی ہے اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول۔"

۱۶۔ وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (التوبۃ :۷۴)

"اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ اور رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔"

۱۷۔ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔

(التوبۃ:۶۲)

"تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کرلیں اور اللہ ورسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے مگر ایمان رکھتے تھے۔"

۱۸۔ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ۔ (التوبۃ:۶۳)

"کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور اس کے رسول کا تو اس کیلئے جہنم کی آگ ہے۔"

۱۹۔ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ

(التوبة:٦٥)

”تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔“

۲۰۔ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (التوبة :٧١)

”اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ و رسول کا حکم مانیں۔“

۲۱۔ وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ۔ (التوبة:٩٠)

”اور بیٹھ رہے وہ جنہوں نے اللہ و رسول سے جھوٹ بولا تھا۔“

۲۲۔ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ (التوبة:٩٤)

”اور اب اللہ و رسول تمہارے کام دیکھیں گے۔“

۲۳۔ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ۔ (التوبة:١٠٧)

”اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے۔“

۲۴۔ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ

اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَ رَسُوْلُہٗ بَلْ اُولٰٓئِکَ
ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (النور:۵۰)

"کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک رکھتے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ اللہ و رسول ان پر ظلم کریں گے بلکہ وہ خود ہی ظالم ہیں۔"

۲۵۔ اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْآ اِلَی اللّٰہِ وَ
رَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ
اَطَعْنَا وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

(النور:۵۱)

"مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ و رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے کہ عرض کریں ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کی پہنچے۔"

۲۶۔ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یَخْشَ اللّٰہَ وَ یَتَّقْہِ
فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ (النور:۵۲)

"اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔"

۲۷۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ
اِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی
یَسْتَاْذِنُوْہُ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ
الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ۔

(النور:۶۲)

"ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے جس کیلئے جمع کئے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں وہ جو تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔"

۲۸۔ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا۔ (الجن: ۲۳)

"اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا تو بے شک ان کیلئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں۔"

اس طرح کی متعدد آیات ایسی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ملا ہوا ہے' یہ ایک ایسی تشریف و تکریم ہے جو ہمارے سردار نبی مکرم ﷺ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

غزوۂ اُحد اور عظمتِ رسول ﷺ

جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم غزوہ اُحد کیلئے نکلے۔ تو آپ ﷺ نے پہاڑ کو اپنے پسِ پشت رکھا اور اسلامی لشکر کو مرتب کیا۔ اور عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں تیر اندازوں کی ایک جماعت کو پہاڑ کے دامن میں بٹھا دیا' اور انہیں فرمایا کہ:

اِنْضَحُوْا عَنَّا بِالنَّبْلِ لَا يَأْتُوْنَا مِنْ وَّرَآئِنَا' وَ لَا تَبْرَحُوْا غُلِبْنَآ اَوْ نُصِرْنَا۔

"تم تیروں سے ہماری مدافعت کرو کہ وہ ہمیں پیچھے سے حملہ آور نہ ہوں۔ اور جب تک ہم مغلوب یا غالب نہ آ جائیں' تم

یہیں ڈٹے رہو۔"

جب معرکہ شروع ہوا تو پہلی ہی جست میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گیا اور مشرکین قتل کے ڈر سے پیٹھ دے کر فرار ہونے لگے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر بعض تیراندازوں نے دامنِ کوہ سے اپنی جگہ چھوڑ دی اور مالِ غنیمت کے لالچ میں مشرکین کے پیچھے دوڑے' اس طرح انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کا خلاف کیا۔ تو کفار نے پہاڑ کی پشت سے ہو کر دوبارہ پُر زور حملہ کیا اور مسلمانوں کو زیر کر لیا' اس طرح جنگ کا نقشہ بدل گیا اور مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا اور وہ فرار ہونے لگے' جبکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم انہیں پکار رہے تھے:

اِلَیَّ عِبَادَ اللهِ ' اِلَیَّ عِبَادَ اللهِ۔ (سیرت ابن ہشام: ۴/۱۲۴)

"اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ' اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔"

انہیں اس شکست پر بڑا تعجب ہوا حالانکہ وہ مسلمان تھے؟ تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے قرآنِ حکیم نازل فرمایا' جس میں انہیں عتاب فرمایا اور ان کی شکست کا سبب واضح فرمایا' اور ان کے اس اختلاف کو بزدلی اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی سے تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللهُ وَعْدَهٗ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ' (آلِ عمران: ۱۵۲)

"اور بے شک اللہ نے تمہیں سچ کر دکھایا اپنا وعدہ جبکہ تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کرتے تھے یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کی اور حکم میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ

اللہ تمہیں دکھا چکا تمہاری خوشی کی بات۔"

سے لے کر اِس ارشادِ پروردگارِ عالم تک اسی مضمون کی عکاسی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ (آل عمران:۱۵۹)

"تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کیلئے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دِل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے، تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔"

کیسے احسن پیرائے میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے حِلم کو بیان فرمایا کہ آپ ﷺ کے قلبِ انور میں اللہ تعالیٰ نے عظیم شفقت و رحمت کی صفت کو پیدا فرمایا کہ آپ ان کیلئے نرم دِل ہو گئے۔ اگر آپ سلیم الطبع نہ ہوتے تو وہ کفار کی طرف لوٹ جاتے۔ لٰہذا اب ان کی یہ غلطی معاف فرما دیجیے کہ انہوں نے آپ کے حکم کی عدولی کی، اور ان کیلئے بخشش بھی طلب کیجیے تا کہ تمہاری استغفار سے مَیں بھی انہیں معاف کر دوں، اور کاموں میں ان سے پہلے کی طرح مشورہ بھی لینا شروع کرو، تا کہ تمام مسلمان آپ کی اقتدار کرتے ہوئے مجلسِ شوریٰ کو اپنے فیصلوں کی اساس بنائیں اور اسی اصول پر اپنے معاشرے کے نظام کی بنیاد ڈالیں۔

اس آیہ مقدسہ سے درج ذیل تین اُمور حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ حضور نبی کریم رؤوف رحیم علیہ اجمل الصلوٰۃ والتسلیم کو رحمتِ عظیمہ سے موصوف کیا گیا' کیونکہ لفظِ "رَحْمَةٍ" کی تنکیر اس کی تعظیم کا فائدہ دیتی ہے۔لہٰذا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے بعد سب سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں۔اسی لئے حضور پُرنور ﷺ کے اسمائے گرامی میں سے ایک اسم مبارک "نبیُّ الرَّحمة" ہے۔جیسا کہ صحیح مسلم' کتاب الفضائل، باب اسمائہ ﷺ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۲۔ حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ سے تند مزاجی اور سخت دِلی کی نفی کی گئی' کیونکہ یہ دونوں صفات کسی مغرور' متکبر اور سنگدل کی ہی ہو سکتی ہیں۔اور حضور ﷺ تو متواضع اور انکساری فرمانے والے ہیں۔آپ ﷺ کے قلبِ انور میں تو شفقت و رحمت اور محبت و مودّت کا بحرِ بے کنار موجزن ہے۔

۳۔ بے شک معاف کرنا اور بخشش فرمانا اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی ہی شان ہے' لیکن اس نے اپنے پیارے نبی ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ اپنے ان صحابہ کو معاف فرما دیں جنہوں نے تمہاری حکم عدولی کی' تاکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ بھی انہیں معاف فرما دے۔یہ ایک ایسی عزت و تکریم ہے جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی اور رسول کو حاصل نہ ہوئی۔

منافقین کی تہمت اور دفاعِ رسول ﷺ

غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت سے ایک سرخ رنگ کی چادر گم ہو گئی' تو بعض منافقین نے یہ کہا کہ ہو سکتا ہے کہ اسے نبی ﷺ نے لے لیا ہو اور اپنے پاس رکھ

لیا ہو۔ تو فوراً اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی اس تہمت سے برأت اور پاکدامنی کیلئے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّغُلَّ ۔ (آل عمران:۱۶۱)

''اور کسی نبی پر یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ وہ کچھ چھپا رکھے۔''

یعنی نبی کریم ﷺ کی عصمت کے شایانِ شان نہیں کہ وہ مالِ غنیمت میں خیانت کریں، لہٰذا تم اس کا قطعاً گمان نہ رکھو۔

علامہ ابن جریر اپنی تفسیر: (۴/۱۵۷) میں فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ اور کوفہ کے معظم قُرّاء کی ایک قرأت کے مطابق ''اَنْ یُّغَلَّ'' مجہول ہے، تو اس صورت میں معنی یوں ہوگا کہ کسی نبی کے لائق نہیں کہ وہ خیانت کی طرف منسوب ہو۔ یہ جملہ خبر ہے جس سے مراد نہی ہے۔

لہٰذا ہر دو قرأتوں پر یہ آیہ کریمہ اس امر کو مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کا خوب دفاع فرمایا۔

عظیم نعمت خداوندی

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کی پاکدامنی واضح کرنے کے بعد، آپ کی بعثت کا مومنوں پر احسان جتاتے ہوئے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔

"بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں
میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور
انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور
اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

تو اللہ تعالیٰ و سبحانہ' نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی بعثت کو اپنے بندوں پر احسان ٹھہرایا' اس لئے کہ ایمان کی نعمت' ان کی گناہوں سے تطہیر اور کتاب و حکمت کی تعلیم اسی نعمتِ عظمیٰ پر مرتب ہوتی ہے۔

یہود کا رد اور محبوب ﷺ کی دلجوئی

یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں' یہاں تک کہ وہ ایک قربانی لائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرے' اگر وہ سچا رسول ہوا تو آسمان سے ایک سفید آگ اترے گی جو اسے کھا جائیگی۔ لہٰذا اگر تم واقعی رسول ہو تو قربانی کرو جو تمہاری صداقت کی دلیل بن جائے۔ تو اللہ سبحانہ' و تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیہ مقدسہ نازل فرمائی:

اَلَّذِیْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ
لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ
قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیْ
قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِیْنَ ۔ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ
مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْا بِالْبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ
الْمُنِیْرِ ۔ (آل عمران: ۱۸۴-۱۸۳)

''وہ جو کہتے ہیں اللہ نے ہم سے اقرار کرلیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک ایسی قربانی کا حکم نہ لائے جسے آگ کھائے' تم فرمادو مجھ سے پہلے بہت رسول تمہارے پاس کھلی نشانیاں اور یہ حکم لے کر آئے جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں کیوں شہید کیا اگر سچے ہو تو اے محبوب اگر وہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو تم سے اگلے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی ہے' جو صاف نشانیاں اور صحیفے اور چمکتی کتاب لے کر آئے تھے۔''

یعنی اے محبوب! اگر اس حجت کاملہ کے بعد بھی وہ تمہاری تکذیب کریں تو صبر کرو اور غم نہ کرو' آپ سے پہلے بھی جن رُسُل عظام کی تکذیب کی گئی انہوں نے صبر کیا۔ گویا اس آیہ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کا دفاع فرمایا اور یہود کی تکذیب سے جو حزن و ملال آپ کو لاحق ہوا اس سے تسلی دی گئی۔

۳۔ سُورَۃُ النِّسَآء

شانِ رسالت میں یہودیوں کی قبیح جسارت

یہود ''لعنہم اللہ'' نے یہ وطیرہ اپنایا کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی نعت کو بدل دیا' اور جب کہیں وہ آپ ﷺ سے مخاطب ہوتے تو ایسے الفاظ استعمال کرتے جن سے آپ ﷺ کو گالی اور ایذاء دینے کا ارادہ رکھتے' اور انہوں نے تورات میں جہاں کہیں بھی نبی کریم ﷺ کی مبارک نعت کو دیکھا تو ان کلمات کو بدل دیا۔ نیز نبی کریم ﷺ سے بے ادبی کا روپ دھار کر کلام

کرتے اور ایسے کلمات لاتے جن سے ان کا مقصد سب وشتم ہوتا۔ دورانِ کلام وہ خصوصاً ''رَاعِنَا'' کا لفظ استعمال کرتے، اس کلمہ کی ممانعت کا ذکر پہلے سورۂ بقرہ میں گذر گیا۔ نہ دین کا کوئی لحاظ رکھتے نہ نبی ﷺ کا پاس۔ تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کی ذلت ورسوائی کیلئے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔

(النسآء:٤٦)

''کچھ یہودی کلاموں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سنیے آپ سنائے نہ جائیں اور رَاعِنَا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کیلئے اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا اور حضور ہماری بات سنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں تو ان کیلئے بھلائی اور راستی میں زیادہ ہوتا لیکن ان پر تو اللہ نے لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو یقین نہیں رکھتے مگر تھوڑا۔''

گستاخِ رسول ﷺ کی سزا

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہودیوں کو رسول اللہ ﷺ کی لعنت میں تحریف

کرنے اور سب وشتم کرنے کی وجہ سے رسوا کیا۔ اور اس بارے طعن کرنے کو دینِ اسلام میں طعن ٹھہرایا۔ اور دین میں طعن کرنے والا بلاشبہ کافر ہے اور اسی طرح نبی کریم ﷺ میں طعن کرنے والا بھی کافر ہے' اس پر علماء کا اجماع ہے البتہ مالکیہ کا یہ موقف مزید ہے کہ ایسا شخص واجب القتل ہے اگرچہ وہ توبہ ہی کرلے' البتہ اس کی توبہ بروزِ قیامت اسے نفع دے گی اور طعن کرنے والے کا قتل نبی کریم ﷺ کا حق ہے' جو توبہ سے ساقط نہیں ہوگا' جیسے قاذف (تہمت لگانے والے) سے حدِ قذف ساقط نہیں ہوتی۔ اسی لئے مصر میں ایک شافعی قاضی کے سامنے جب ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس نے نبی ﷺ پر طعن کیا تھا' تو انہوں نے اس کا معاملہ مالکی قاضی کے سپرد کردیا۔ اس کو حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے۔

اب اس مسئلہ کو مزید واضح کرنے کیلئے دو احادیث مبارکہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ سنن ابوداؤد اور نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت مروی ہے: کہ ایک نابینا صحابی کی ماں اکثر رسول اللہ ﷺ پر طعن کیا کرتی اور آپ ﷺ کو سب وشتم کا نشانہ بنائے رکھتی' تو اس کے نابینا بیٹے نے اسے قتل کردیا۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اَشْهَدُ اَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کا خون ضائع ہے۔"

۲۔ سنن ابوداؤد میں ہے' شعبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ:

اِنَّ يَهُوْدِيَّةً كَانَتْ تَشْتِمُ رَسُوْلَ اللهِ وَتَقَعُ فِيْهِ

فَخَنَقَهَا رَجُلٌ حَتّٰى مَاتَتْ ، فَأَطَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ دَمَهَا

"ایک یہودیہ عورت رسول اللہ ﷺ کو طعن اور سب وشتم کیا کرتی، تو ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ دیا کہ وہ مر گئی، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون باطل قرار دیا۔"

ابن منذر نے شاتمِ رسول ﷺ کے قتل پر اجماع بیان کیا ہے، علاوہ اس کے کہ وہ توبہ کر لے۔ شافعیہ کا اس میں توقف ہے، جبکہ مالکیہ نے اسے بھی واجب القتل قرار دیا، اس بناء پر جو اصل میں مذکور ہے۔ مزید تحقیق کیلئے مؤلف کی کتاب "الاحادیث المنتقاۃ فی فضائل سیّدنا رسول اللہ ﷺ" کی حدیث ص ۳۸ ملاحظہ ہو

اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم پر یہودیوں کا حسد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہودیوں کے قبائح میں سے ایک یہ بھی ذکر فرمایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا حسد کرتے ہیں، محض اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل وکرم اور کتاب وحکمت کی عظیم دولت سے نوازا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ إِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۔ (النسآء:۵۴)

"یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو ہم نے تو ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا۔"

"الناس" سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں، ذکر عام ہے اور مراد خاص ہے۔اور آپ ﷺ پر "الناس" کے لفظ کے اطلاق میں یہ اشارہ ہے کہ آپ ﷺ جمیع کمالاتِ انسانیہ سے متصف ہیں، اور جسد واحد میں جمیع کمالات کو احاطہ کئے ہوئے ہیں۔کیا خوب ہے ؎

كَأَنَّهُ وَ هُوَ فَرْدٌ مِنْ جَلَالَتِهٖ
فِيْ عَسْكَرٍ حِيْنَ تَلْقَاهُ وَ فِيْ حَشَمٖ

"گویا کہ وہ تو اپنی عظمت و جلالت اور رعب و دبدبہ میں
پورے لشکر سے منفرد اور ممتاز ہیں۔"

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے فضل سے مراد نبوت اور کثرتِ ازواج ہے۔ ابراہیم علیہ السلام آپ ﷺ کے جدِّ امجد ہیں، اور آلِ ابراہیم جیسے موسیٰ، داؤد اور سلیمان علیہم السلام۔یعنی ان کو کتاب و نبوت سے نوازا گیا اور بہت بڑی بادشاہی عطا کی گئی۔حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام بہت بڑے بادشاہ تھے۔یہودیوں کی کتابوں میں موجود ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں، اور آپ نے اوریا کی بیوی سے اس کے قتل کے بعد نکاح کر کے سَو کی تعداد پوری کر لی، اوریا ایک جنگ میں قتل ہوا جس کی طرف آپ نے انہیں تین مرتبہ بھیجا۔

اور یہ بھی کتبِ یہود میں موجود ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیویوں اور باندیوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔تو پھر وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بارے میں یہ کیوں کہتے ہیں کہ اگر وہ نبی ہوتے تو عورتوں سے دُور رہتے، نو بیویوں کو بھی وہ کثیر بتاتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے لذاتِ جسمانیہ کی تکمیل کیلئے نکاح نہیں فرمائے، بلکہ اس میں دعوت و ارشاد کے بیشمار مصالح اور فوائد پنہاں

ہیں۔ جس کی وضاحت ذیل میں اپنے اپنے مقام پر مرقوم ہے۔ واضح رہے کہ حضور ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے والدِ گرامی کی حوصلہ افزائی کیلئے نکاح فرمایا اس لئے کہ وہ دعوتِ اسلامیہ کے آغاز میں آپ ﷺ کے شانہ بشانہ رہے اور ساتھ ہی ہجرت بھی کی اور غار کے ساتھی بنے۔

اور سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکاح میں بھی یہی حکمت مضمر تھی کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دل آزادی کے ازالہ کا باعث بن جائے کیونکہ انہوں نے حفصہ کے نکاح کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تھا تو انہوں نے انکار کر دیا تو حضور سید عالم ﷺ نے انہیں فرمایا کہ:

يَتَزَوَّجُ حَفْصَةَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْ عُثْمَانَ۔

(طبقاتِ ابن سعد: ۸/ ۸۲، ۸۳)

"حفصہ سے وہ نکاح کرے گا جو عثمان سے بہتر ہے۔"

اور حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد زینب بنت جحش سے نکاح حکم قرآن سے کیا تا کہ منہ بولے بیٹے کا حکم عملی طور پر باطل ہو جائے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔ (الاحزاب: ۳۷)

"پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کیلئے

پالکوں کی بیبیوں میں جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے اور اللہ کا حکم ہو کر رہنا۔"

اُم سلمہ اور زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما سے نکاح اس لئے فرمایا کہ ان دونوں کے شوہر غزوۂ احد میں جامِ شہادت نوش کر گئے تھے اور ان کے بعد اِن دونوں کا کوئی کفیل نہ تھا۔

اور اُم حبیبہ رضی اللہ عنہما سے نکاح کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور ان کا شوہر نصرانی ہو گیا اور یہ غریب الوطنی میں تنہا رہ گئی، اگر مکہ واپس جاتی تو اس کے ورثاء اسے سخت سزا دیتے اور دین سے برگشتہ کر دیتے۔ اور یہ بات بھی ملحوظِ خاطر تھی کہ یہ ابوسفیان کی بیٹی ہے جس کا شمار مکہ کے دانشور مشرکین میں ہوتا ہے، لہٰذا ان سے نکاح کرنے میں غیر مخفی مصلحت پیشِ نظر تھی

اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی صورت یہ ہوئی کہ وہ (فتح خیبر کے دن) قید ہو کر آ گئیں اور اپنے قبیلہ کی سردار تھیں کیونکہ ان کے والد اور چچا دونوں اپنی قوم کے سردار تھے۔ اور حضور ﷺ نے انہیں اختیار دیا کہ چاہے تو قبیلے کی طرف لوٹ جا اور چاہے تو آپ ﷺ کے پاس رہے، تو اس نے آپ ﷺ کے پاس رہنا اختیار کیا، اور یہ اسرائیلیہ عورت ہے جس کا باپ حُیَیؓ بن اخطب ہے جو قبیلہ بنو قریظہ کا سردار ہے۔

آپ ﷺ نے سودہ بنت زمعہ سے اس لئے نکاح فرمایا کہ ان کا شوہر ان کی حبشہ سے واپسی کے بعد فوت ہو گیا اور وہ ان کا چچا زاد بھائی تھا، اور کوئی ان کا سرپرست نہ تھا، اگر وہ اپنے قبیلہ کی طرف جاتیں تو وہ اِنہیں دین اسلام چھوڑنے پر مجبور کر دیتے۔

اور جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا غزوہ بنو مصطلق میں قید ہو کر آئی تھیں تو نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ اعزاز بخشا کہ آزاد کر دیا اور نکاح کر لیا' اور سیدہ جویریہ کا والد اپنی قوم کا سردار تھا۔ اس غزوہ میں نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو ان کے قیدی آزاد کر دینے پر برانگیختہ کیا تو انہوں نے انہیں آزاد کر دیا اور وہ سارے مسلمان ہو گئے' یہ اس نکاح کی برکت تھی جو جویریہ سمیت ان کی قوم پر ہوئی۔

یاد رہے کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ ﷺ کی تمام بیویاں بڑی عمر کی اور بیوہ تھیں' فقط سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی چھوٹی اور دوشیزہ تھیں' حضور ﷺ اگر عرب کی حسین ترین دوشیزہ سے نکاح کرنا چاہتے تو یہ ممکن تھا کیونکہ اللہ تعالٰی نے آپ ﷺ کو مکہ پر فتح دی اور جزیرہ عرب آپ کے ماتحت ہو گیا' لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا' اور آپ ﷺ کا جھکاؤ اپنی پہلی بیوی سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا' جب بھی ذکر ہوتا تو اسی کی تعریف کرتے' اس کی سہیلیوں' رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے نہایت لطف و کرم کا برتاؤ کرتے' حتیٰ کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے رشک آتا' جیسا کہ ایک دفعہ انہوں نے کہہ ہی دیا کہ کیا آپ ایک پوپلی اور پتلی پنڈلیوں والی بڑھیا کا ذکر کرتے رہتے ہو' اللہ تعالٰی نے آپ کو اس سے بہتر عطا فرمایا ہے؟ تو آپ ﷺ نے غصہ سے اس کا یوں رد فرمایا:

اَلَا وَاللّٰهِ مَآ اَبْدَلَنِیَ اللّٰهُ خَيْرًا مِّنْهَا۔

(بخاری و مسلم)

"سنو! اللہ کی قسم اس سے بہتر مجھے اللہ نے عطا نہیں کیا۔"

یاد رہے کہ یہ کلام جنسی تسکین کے حوالے سے نہیں بلکہ کمالاتِ انسانیہ کے اعتبار سے ہے۔

آپ ﷺ کے متعدد بیویاں کرنے میں ایک حکمت یہ تھی کہ عورتوں کے مخصوص مسائل و احکام آپ ﷺ سے منقول ہوں جیسے جماع، حیض اور نفاس وغیرہ۔ اور اسلام اور بانی اسلام نبی کریم ﷺ پر نکتہ چینی اور حسد کرنے والوں کیلئے اس مسئلہ میں کوئی دلیل نہیں جس کا وہ قصد کریں اور بزعم خود یہ سمجھیں کہ انہوں نے ایسی صحبت پیش کی ہے مسلمان جس کا رد نہیں کر سکتے، فی الواقع یہ دلیل نہایت کمزور ہے جو ادنیٰ غور و فکر سے ساقط ہو جاتی ہے۔

اطاعتِ رسول ﷺ واجب ہے

اللہ تعالیٰ جل شانہ، کا ارشادِ گرامی ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ . اٰمَنُوۡا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ۔ (النسآء:٥٩)

”اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔ اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔“

اس آیہ مقدسہ میں ”اولی الامر“ سے مراد حکومت والے ہیں جیسے خلیفہ اور قاضی۔ رسول کیلئے ”اَطِيۡعُوۡا“ کا اعادہ کیا گیا جو آپ ﷺ کی ان اوامر و نواہی

میں اطاعت کے وجوب پر تنبیہ ہے جو آپ ﷺ سے صادر ہوئے اور یہ قرآن حکیم میں وارد اوامر و نواہی سے زائد ہیں‘ ’’اولی الامر‘‘ کیلئے ’’اَطِیْعُوْا‘‘ کا اعادہ نہیں کیا گیا جس میں یہ اشارہ ہے کہ ان کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت کے تابع ہے نہ کہ مستقل۔ اسی لئے ساتھ یہ ارشاد فرمادیا کہ اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا ہو جائے حکومت والے جس کا حکم دیں یا اس سے منع کریں تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو یعنی کتاب و سنت سے رہنمائی حاصل کرو‘ لہٰذا حکومت والوں کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ کتاب و سنت کے مطابق ہو‘ اگر کتاب و سنت سے عدول ہو تو واجب نہیں۔

یہ اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرنا انجام کے حوالے سے بہتر ہے۔ اگر اللہ اور قیامت پر ایمان ہے تو کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو‘ ان سے مراد بھلائی اور حسنِ عاقبت کا ثابت کرنا ہے تو اس کا متضاد یعنی نہ رجوع کرنا تو یہ شر اور بُرا انجام ہوگا۔

یہ آیت کریمہ ان متعصب مقلدین کو شامل ہے جو اپنے ائمہ کے قول کی خاطر دلیل کے مقتضیٰ کو ترک کر دیتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران میں فرمایا:

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ۔

’’کہہ دیجئے اللہ کا حکم مانو اور رسول کا۔‘‘

اور یہ نہیں فرمایا ’’اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ‘‘؟

تو میں (غماری) کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کتابی مشرکوں کو خطاب فرمایا جو یہ کہتے تھے کہ ہم مسیح یا عزیز علیہما السلام یا بتوں کی پرستش صرف اللہ کی محبت اور اس کے تقرب کیلئے کرتے ہیں‘ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے

نبی ﷺ سے فرمایا کہ ان سے کہہ دیجئے ''اللہ کا حکم مانو اور رسول کا'' یعنی جو وہ تمہیں توحید کا حکم دیتا ہے' اور بلاشبہ یہ قرآن میں واضح ہے جو متعدد دلائل سے ثابت ہے' اور نبی کریم ﷺ جب بھی کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو وہی حکم دیتے ہیں جسے قرآن عظیم نے ثابت کیا اور دلائل سے مفصّل کیا' اس لئے بعد میں یہ ارشاد ہوا کہ:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ۔

''اگر وہ (توحید سے) پھر گئے تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔''

رہا یہ خطاب تو اس میں مومنوں کی طرف روئے سخن ہے ان امور میں جو ایسے احکام' عبادات اور معاملات کے ساتھ مختص ہے جو ان کا اجتماعی تقاضا ہے اور یہ امور توحید پر زائد توحید کا تو انہوں نے اقرار کرلیا اور ان کے دل مطمئن ہو گئے' اور سنّتِ مطہرہ میں وہ اشیاء بھی ہیں جو قرآن میں نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی پیروی کو واجب ٹھہرایا۔

درِ رسول ﷺ کی حاضری

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۔ (النسآء:۶۴)

''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور

رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔"

یہ آیہ کریمہ منافقین کے حق میں نازل ہوئی' اگر چہ لفظ عام ہونے کی بناء پر دوسروں کو بھی حسبِ قاعدہ شامل ہے' اس میں خطاب سے التفات ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتفخیم اور بلند پایہ ہونے کا غماز ہے' اور رسول اللہ ﷺ کا ان کیلئے استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کے توبہ قبول کرنے اور رحمت فرمانے کا سبب ہے۔اسی سے ماخوذ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کی طلب مقبول ہے اور شفاعت رَد نہیں کی جاتی۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ "خطاب سے عدول فرمایا گیا یعنی " وَاسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ" نہیں فرمایا گیا' جبکہ قیاس کا تقاضا یہی تھا تا کہ "جَآءُوْكَ" سے مناسبت رہے' اس میں محض آپ ﷺ کی شان ومرتبت کی عظمت کی عکاسی ہے' اور اس امر پر تنبیہہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ توبہ کرنے والے کا عذر قبول فرما لیتے ہیں اگر چہ جرم بڑا ہی ہو' اور اس کیلئے شفاعت کرتے ہیں۔اور آپ ﷺ کا یہ منصب ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں میں شفاعت فرمائیں۔" (تفسیر البیضاوی:۱۱۶)

میں (غماری) کہتا ہوں کہ اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے یہ روایت صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔

"میری شفاعت میری اُمت کے کبیرہ گناہوں والوں کیلئے ہے۔"

اس حدیث کو ابوداوَد نے "باب الشفاعة" میں' ترمذی نے "صفة القیامة" میں' ابن ماجہ نے "باب ذکر الشفاعة" میں نقل کیا ہے۔اور امام

ترمذی کا کہنا ہے کہ یہ حسن صحیح غریب ہے۔

حکمِ رسول ﷺ تسلیم کرنا واجب ہے

اللہ تعالیٰ جل شانہ، کا ارشادِ گرامی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (النسآء: ۶۵)

”تو اے محبوب تمہارے ربّ کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔“

اس آیہ مقدسہ میں حکمِ رسول ﷺ کے سامنے مطلقاً سرِ تسلیم خم کرنے کا ارشاد ہے، اس میں کوئی معارضہ نہیں۔ اور اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ خطا نہیں کرتے ورنہ آپ ﷺ کے حکم کو مطلقاً تسلیم کرنا واجب نہ ہوتا۔ یہ آیت ان لوگوں کا صریح رَد کرتی ہے جو آپ ﷺ کی خطا کو جائز قرار دیتے ہیں۔ علامہ تاج سبکی نے جمع الجوامع (۲/۳۸۷) میں اسی شاذ قول کے رَد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ”حق بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اجتہاد میں خطا نہیں ہوتی۔“

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم عارف کبیر تاج ابو العباس احمد بن عطاء اللہ سکندری کا اس آیت پر کلام نقل کر دیں جو کتاب ”التنویر“ میں درج ہے تا کہ اس کا فائدہ عام ہو۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: کہ

''اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس شخص سے ایمان کی نفی پر اکتفاء نہیں کیا جس نے رسول اللہ ﷺ کا حکم تسلیم نہ کیا یا حکم تو مان لیا اور دل میں اضطراب رہا' حتیٰ کہ اس پر اپنے رسول ﷺ کے ساتھ خاص ربوبیت کی قسم کھائی' یہ محض اللہ تعالیٰ کی شفقت و مہربانی ہے اور آپ ﷺ کی تخصیص اور رعایت ہے' کیونکہ اللہ کریم نے یہ نہ فرمایا کہ ''فَلَاوَ الرَّبِّ'' (مجھے ربّ کی قسم) بلکہ فرمایا ''فَلَاوَ رَبِّکَ'' (مجھے تیرے ربّ کی قسم) تو اس میں قسم کی بھی تاکید ہے اور مُقسَم عَلَیہ کی بھی' تا کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے پیارے رسول ﷺ پر عنایت کا اظہار ہو' تبھی تو آپ ﷺ کے حکم کو اپنا حکم اور آپ ﷺ کے فیصلے کو اپنا فیصلہ قرار دیا اور اپنے بندوں پر آپ ﷺ کے حکم کو قبول کرنا اور آپ ﷺ کے امر کی پیروی کرنا واجب ٹھہرایا' اور اپنی الوہیّت پر لوگوں کے ایمان کو قبول نہ کیا حتیٰ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کو بدل و جاں تسلیم نہ کر لیں۔

اس آیۂ مقدسہ میں آپ ﷺ کی قدر و منزلت کی عظمت پر ایک اَور روایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''فَلَاوَ رَبِّکَ'' (تیرے ربّ کی قسم)' گویا اپنی ذات کو اپنے پیارے رسول ﷺ کی طرف مضاف فرمایا' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا:

كٓهٰيٰعٓصٓ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا۔

(مریم: ۱' ۲)

''یہ مذکور ہے تیرے ربّ کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی۔''

حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے اسمِ مبارک کو محمد ﷺ کی طرف مضاف فرمایا اور زکریا کو اپنی طرف مضاف فرمایا' تا کہ بندوں کو دونوں مرتبوں میں فرق معلوم ہو

جائے اور ان میں تفاوت واضح ہو جائے' پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ظاہری حکم تسلیم کر لینے پر اکتفاء نہ کیا کہ وہ اس سے مومن ہو جائیں بلکہ یہ شرط لگائی کہ اس میں کوئی قلبی اضطراب باقی نہ رہے' یعنی ان کے دلوں میں آپ ﷺ کے احکام کے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے' چاہے حکم ان کی مرضی کے مطابق ہو یا مخالف۔

مزید فرماتے ہیں کہ احوال تین ہیں' قبولِ حکم ا۔ سے قبل' قبولِ حکم ۲۔ کے دوران اور قبولِ حکم کے بعد۔

قبولِ حکم سے پہلے' تو لوگوں کی غلامی قبولِ حکم ہے۔

قبولِ حکم کے دوران اور بعد' کہ وہ اپنے اُمور میں کوئی حرج اور نقصان محسوس نہ کریں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ مفہوم تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے لازم ہے (حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ)؟

تو کہا جائے گا کہ ضروری نہیں کہ ہر حکم قبول کرنے والے سے حرج بھی مفقود ہو کیونکہ کبھی ظاہراً حکم تسلیم تو کر لیا جاتا ہے اور اس کی ناپسندیدگی باقی رہتی ہے' لہٰذا ضروری تھا کہ تسلیم حکم کے ساتھ یہ واضح کر دیا جائے کہ حرج اور اضطراب ختم ہو جائے اور تسلیم کا وجود باقی رہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جب اسی حرج کی نفی کر دی گئی جو قبولِ تسلیم کو مستلزم ہے اور جب انہوں نے حرج محسوس نہیں کی تو اس تاکید کے بعد اس ارشادِ گرامی "وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً" کے لانا کا کیا فائدہ ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی 'وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً' ان کے جمیع امور کے بارے میں ہے' اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو اس ارشاد "حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ" سے لازم ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ تحکیم (حکم تسلیم کرنا) مطلق نہیں بلکہ اس ارشادِ ربانی "فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ" سے مفید ہے' لہٰذا آیت کریمہ

درج ذیل تین اُمور پر مشتمل ہو گی:

(۱) ان اُمور میں حکم تسلیم کرنا جن میں ان کا اختلاف ہے۔

(۲) حکم تسلیم کرنے میں کسی قسم کے اضطراب کا نہ ہونا۔

(۳) مختلف فیہ اُمور میں مطلق تسلیم کا ہونا اور ان امور میں جو ان کے بارے نازل ہوئے' تو یہ عام بعد الخاص ہے۔

حضور ﷺ کی رسالتِ عامہ

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی رسالت کے عموم کو نہایت احسن انداز میں یوں بیان فرمایا:

وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا۔

''اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کیلئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا۔''

اس معنی میں آیات کثیرہ وارد ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی رسالتِ عامہ پر گواہ ہے' اس آیت میں ان یہود و مشرکین کا رد ہے جنہوں نے آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کیا' پھر یہ پہلے کلام پر مرتب کیا گیا جیسے نتیجہ مقدمہ پر مرتب ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ'' پر اس امر کے بارے

میں ہے جس کا آپ ﷺ نے حکم دیا یا اس سے منع فرمایا۔ اور ''فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ'' کا مطلب ہے کہ رسول ﷺ کی اطاعت اللہ جل شانہٗ ہی کی اطاعت ہے' پھر اطاعتِ رسول ﷺ سے رُوگردانی کرنے والوں کو ڈرایا اور فرمایا کہ:

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا۔

''اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا۔''

اس آیت کے معنی میں غور کرنے سے خوب واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کبھی اپنے رسول ﷺ کی پیروی پر ابھارتے ہیں اور اس میں ترغیب دلاتے ہیں اور ان کی طاعت کو اپنی طاعت قرار دیتے ہیں اور کبھی اپنی طاعت کے ساتھ آپ ﷺ کی طاعت کا حکم فرماتے ہیں۔ تو اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسا نہیں کیا۔ گویا کہ حضرت نوح' ہود' صالح' لوط' شعیب اور عیسیٰ علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم سے کہا کہ:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۔

''تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

تو اس میں راز ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کا خوب دفاع فرمایا اور آپ ﷺ کی اطاعت کا خود حکم فرمایا اور اس پر برانگیختہ کیا (جیسا کہ ہم نے سورۂ بقرہ میں بیان کیا ہے)۔ اور دوسرے انبیاء کو اس حال میں رکھا کہ وہ خود اپنا دفاع کریں اور ان کی اطاعت کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں فرمایا معلوم ہوا کہ ان دونوں مرتبوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔

فائدہ: آیت سابقہ میں خطاب اسی طرز پر ہے' جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَصَابَكَ
مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔ (النسآء:۷۹)

"اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے
اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔"

کہ اس میں خطاب کا روئے سخن انسان من حیث ھو کی طرف ہے اور بعض نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے اور مراد آپ ﷺ کی اُمت کے افراد ہیں، جیسے یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ۔ (الطلاق:۱)

"اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو۔"

بھلائی سے مراد نعمت ہے اور برائی سے مراد تکلیف اور قباحت، تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ نعمت انسان کو اللہ کے فضل سے ملتی ہے اور تکلیف اس کے گناہوں کی نحوست کے باعث پیش آتی ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے:

اِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيْبُهُ۔

"بے شک آدمی گناہ کے باعث ملنے والے رزق سے محروم کر
دیا جاتا ہے۔"

(اس حدیث کو امام احمد نے (المسند: ۵/۲۷۷) میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے کتاب الفتن، باب العقوبات میں اور امام حاکم نے مستدرک (۱/۴۹۳) میں، امام بوجیری نے مصباح الزجاجہ (۲/۳۰۲) میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے اور امام حاکم اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور حافظ ذہبی نے اس کی موافقت کی)۔

رسول اللہ ﷺ کا عزمِ جہاد

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ سے یوں خطاب فرمایا:

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ ۔

(النسآء:۸۴)

"تو اے محبوب اللہ کی راہ میں لڑو تم تکلیف نہ دیئے جاؤ گے
مگر اپنے دم کی۔"

یعنی منافقین وغیرہ کے پیچھے رہ جانے سے تمہیں کوئی پریشانی نہ ہو' یہ حضور پُرنور شافع یوم النشور ﷺ کے خصائص میں شمار ہے جو اس آیت اور اس صحیح حدیث سے ماخوذ ہے کہ:

لَا یَنْبَغِیْ لِنَبِیٍّ یَّلْبِسُ لَأُمَتَهٗ فَیَضَعُهَا حَتّٰی
یَحْکُمَ اللّٰهُ ۔ (صحیح بخاری' کتاب الاعتصام)

"کسی نبی کیلئے روا نہیں کہ وہ ہتھیار باندھ کر اتار دے یہاں
تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے۔"

جب بھی آپ ﷺ نے جنگ کے ارادے سے زرہ پہنی اور ہتھیار باندھے' تو آپ ﷺ نہیں لوٹے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ اور آپ کے دشمن کے درمیان فیصلہ فرمادے' اور آپ ﷺ جہاد کرتے رہتے اگرچہ تنہا ہی ہوتے' کیونکہ آپ ﷺ سے نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

ایک چوری کا فیصلہ

طعمہ بن اُبیرق نامی ایک انصاری منافق نے اپنے پڑوسی قتادہ (رضی

اللہ عنہ) کے گھر سے ایک زرہ اور آٹا چوری کرلیا' آٹا تو اس نے پکا دیا اور زرہ زید بن سعنہ نامی ایک یہودی کے پاس حفاظت کیلئے رکھ دی' تلاشی پر یہودی سے زرہ برآمد ہوگئی' تو اس نے کہا یہ طُعمہ نے میرے پاس رکھی تھی' طُعمہ نے انکار کردیا اور حلف دے دیا کہ اس نے نہیں چرائی اور اس کے قبیلہ والوں نے اس کی تائید کرتے ہوئے اس کے ساتھ ہی حلف دے دیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے یہودی کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا' کیونکہ زرہ اس سے برآمد ہوئی تھی اور طُعمہ اور اس کے قبیلہ والوں نے اس کے خلاف حلف دے دیا' تو اللہ تعالیٰ جل شانہ' نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ وَ لَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔ (النسآء:۱۰۵'۱۰۶)

"اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو اور اللہ سے معافی چاہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

دغا والوں سے مراد طُعمہ اور اس کا قبیلہ ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب ان کی طرف سے نہ جھگڑو۔ اگر آپ ﷺ یہودی کے خلاف فیصلہ جاری فرما دیتے تو اس میں آپ ﷺ پر کوئی حرج نہ ہوتا کیونکہ دلیل اور قرینہ موجود تھا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا' لیکن اللہ سبحانہ' وتعالیٰ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ میرے نبی ﷺ کا فیصلہ واقع اور نفس الامر کے مطابق نہ ہو۔ تو اس آیہ کریمہ سے آپ ﷺ کو

واقعی حقیقت سے آگاہ فرمایا تاکہ فیصلہ ظاہر اور باطن کے اعتبار سے نفس الامر کے مطابق ہو۔اس سے ان زبان درازوں کے خیال کا بطلان بھی واضح ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ خطا کر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ وقوعِ خطا کے بعد آگاہ فرماتا ہے' یہاں ہم نے واضح طور پر دیکھ لیا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم صادر فرمانے سے پہلے ہی آگاہ فرما دیا' لہٰذا ان کے اس خیال کا بطلان واضح ہو گیا۔اور اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ جو تم نے قصد کیا تھا اس کیلئے اللہ سے استغفار کرو۔بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے' جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو محض قصد کی وجہ سے استغفار کا حکم دے رہا ہے حالانکہ اس پر مؤاخذہ نہیں' تو کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ایسے چھوڑ دے کہ وہ خطا کرتے رہیں؟

اگر یہ کہا جائے کہ محض قصد کی وجہ سے استغفار کا حکم دینے میں کیا حکمت ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا خطا سے محفوظ ہونا واضح ہو جائے' حتیٰ کہ اس ارادے میں جس پر مؤاخذہ نہیں۔اسی لئے علماء نے آپ ﷺ کا کسی شے کا ارادہ فرمانا سنّت قرار دیا ہے' اور کہتے ہیں کہ عاشورا کے ساتھ نو محرم کا روزہ مسنون ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کا قصد فرمایا تھا اور وقت آنے سے پہلے وصال فرما گئے۔اور وہ سنّت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اَقْوَالُ النَّبِی ﷺ وَ اَفعَالُہٗ وَ تَقْرِیْرُہٗ وَ ھَمُّہٗ بِالشَّیْئِ۔

''نبی ﷺ کے اقوال' افعال اور آپ ﷺ کا کوئی کام دیکھ کر خاموش رہنا اور کسی چیز کا قصد فرمانا۔''

رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔

(النسآء: ١١٣)

''اور اے محبوب اگر اللہ کا فضل و رحمت تم پر نہ ہوتا تو ان میں کے کچھ لوگ یہ چاہتے کہ تمہیں دھوکا دیں اور وہ اپنے ہی آپ کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ یہ منافقین تمہیں اس مسئلہ میں حق فیصلہ کرنے سے دھوکا دینا چاہتے تھے، لیکن وہ ایسا نہ کر سکے کیونکہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ تمہاری حفاظت فرماتا ہے' اگر بفرضِ محال وہ تمہیں جھوٹی گواہی سے بہکا دیتے اور تم اس سنی ہوئی گواہی پر فیصلہ فرما دیتے باوجودیکہ زرہ بھی یہودی سے برآمد ہوئی تھی تو یہ تمہیں کچھ مضر نہ ہوتا' یہ مزید تاکید ہے کہ آپ ﷺ فیصلہ کرنے میں خطا سے محفوظ ہیں اگرچہ منافقین کا قصد ہو کہ آپ ﷺ اس خطا میں واقع ہوں' ''اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب اتاری'' جس میں احکام ہیں یا اس سے مراد

سنت ہے' ''اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے'' یعنی احکام' غیوب اور حقائق' ''اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے'' یعنی اس قدر فضل ہے جس کی مقدار صرف عطا کرنے والا ہی جانتا ہے' اس میں مقامِ مصطفی ﷺ کی رفعت و عظمت نہایت واضح ہے۔

فوائد

ا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰكَ اللّٰهُ ۔

''کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے۔''

اس سے علماء نے یہ اخذ کیا ہے کہ آپ ﷺ کیلئے اجتہاد جائز ہے' سیّدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں کوئی یہ نہ کہے کہ ''میں نے فیصلہ کیا جس طرح مجھے اللہ نے دکھایا'' کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے یہ منصب کسی کو عطا نہیں فرمایا سوا اپنے پیارے نبی ﷺ کے' لیکن نبی کریم ﷺ اپنی رائے کا اجتہاد کرتے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی رائے درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں وہ دکھا دیتا ہے' اور اگر ہم میں سے کوئی رائے رکھے تو وہ ظنی ہوگی قطعی نہ ہوگی' لہٰذا یہ کلام ہمارے اس مقررّہ قاعدے میں صریح ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے اجتہاد میں غلطی نہیں کرتے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۔

''اور اللہ سے معافی چاہو۔''

اس سے اس کا رَد مقصود ہے جو یہ اخذ کرتا ہے کہ نبی ﷺ سے گناہ واقع ہوا' کیونکہ محض قصد پر نص اور اجماع کی روشنی میں مؤاخذہ نہیں ہوتا' اور استغفار

گناہوں سے خاص بھی نہیں بلکہ اس کے بیشمار احکام ہیں' جن میں سے کچھ پہلے مذکور ہو چکے ہیں اور اس کا ایک فائدہ رزق کی فراوانی ہے' جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا۔ (نوح:۱۰'۱۱)

''اپنے ربّ سے معافی مانگو وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے تم پر شراٹے کا مینہ بھیجے گا۔''

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے منقول ہے کہ ایک شخص نے آپ کی بارگاہ میں تنگدستی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا ''اللہ سے معافی مانگ'' ایک اور شخص حاضر ہوا اور قحط سالی کی شکایت کی' اسی طرح ایک نے فقر اور قلت نسل کی شکایت کی' ایک اور حاضر ہوا اور زمین کی پیداوار کم ہونے کی شکایت کی۔ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سب کو استغفار کا حکم فرمایا۔ تو ربیع بن صبیح نے عرض کیا کہ لوگوں نے آپ سے مختلف شکایات کیں اور اپنے اپنے سوال کئے اور آپ نے سب کو ہی استغفار کا حکم دے دیا؟ تو آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا۔ (نوح:۱۱'۱۲)

''اپنے ربّ سے معافی مانگو وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے تم پر شراٹے کا مینہ بھیجے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بنائے گا۔''

استغفار کا ایک فائدہ یہ ہے کہ پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں اور غموں کے بادل چھٹ جاتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے:

مَنْ اَکْثَرَ مِنَ الْاِسْتِغْفَارِ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجاً، وَّ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجاً، وَّ رَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

"جو شخص اکثر استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات دیتا ہے اور ہر تنگی سے نکال دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔"

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے "کتاب الصلوٰۃ، باب الاستغفار" میں روایت کیا، اور امام احمد نے (المسند: ۱/۲۴۸) میں، ابن ماجہ نے "کتاب الادب، باب الاستغفار" میں اور امام حاکم نے (المستدرک: ۴/۲۶۲) "کتاب التوبہ" میں نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا اور حافظ ذہبی نے اس کا تعاقب کیا اور شیخ احمد شاکر نے مسند پر اپنی تعلیق میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا۔

علامہ زمخشری سورۃ النصر کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ تسبیح کے ساتھ استغفار کا حکم دراصل اس امر کی تکمیل ہے جو امر دین کا قوام ہے، اور طاعت کرنے اور معصیت سے بچنے کا اجتماع ہے اور آپ ﷺ کی عصمت کے باوجود یہ حکم دیا گیا تو درحقیقت یہ آپ ﷺ کی اُمت پر شفقت ہے، کیونکہ استغفار اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع اور کسرِ نفسی سے عبارت ہے، جو فی نفسہٖ عبادت ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں کہتے ہیں: چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ (المؤمنون: ۹۳، ۹۴)

''تم عرض کرو کہ اے میرے ربّ اگر تو مجھے دکھائے جو انہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو اے میرے ربّ مجھے ان ظالموں کے ساتھ نہ کرنا۔''

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کیونکر جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے معصوم نبی ﷺ کو ظالموں کے ساتھ کرے حتیٰ کہ آپ ﷺ دُعا کریں کہ مجھے ان کے ساتھ نہ کرنا؟ تو میں (زمخشری) کہتا ہوں کہ بندے کا اپنے پروردگار سے اس امر کا سوال کرنا جائز ہے جس کا کرنا اسے معلوم ہو اور اس امر سے پناہ مانگنا بھی جائز ہے جس کا نہ کرنا اسے معلوم ہو کیونکہ یہ بندگی کا اظہار اور اپنے پروردگار کیلئے عجز وانکساری ہے اور نبی کریم ﷺ جب بھی مجلس سے اٹھتے تو ستر یا سو مرتبہ استغفار کرتے اور وہ اسی وجہ سے ہوتا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس قول کے بارے میں کتنا حسین قول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں۔'' تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بہتر کو تو آپ جانتے ہیں لیکن مومن کسرِ نفسی کرتا ہے۔''

۳۔ قرآن کریم کے اسلوب میں غور وفکر کے بعد میں (غماری) نے استنباط کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ جب اپنی طرف کسی معین شخص کی تعلیم کی نسبت کرلے تو وہ اس کی نبوت پر دلیل ہوتی ہے، جیسے:

i۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔ (النسآء: ۱۱۳)

''اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔''

ii۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ۔ (البقرۃ:۳۱)

"اور اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام (اشیاء کے) نام سکھائے۔"

iii۔ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوۡتَ وَ اٰتٰهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۔ (البقرۃ:۲۵۱)

"اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور اسے جو چاہا سکھایا۔"

iv۔ وَ يُعَلِّمُهُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ التَّوۡرٰىةَ وَ الۡاِنۡجِيۡلَ ۔ (آل عمران:۴۸)

"اور اللہ اسے سکھائے گا کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل۔"

v۔ وَ اِذۡ عَلَّمۡتُكَ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ التَّوۡرٰىةَ وَ الۡاِنۡجِيۡلَ ۔ (المآئدۃ:۱۱۰)

"اور جب میں تجھے سکھائی کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل۔"

vi۔ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ فِى الۡاَرۡضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ ۔ (یوسف:۲۱)

"اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس زمین میں جماؤ دیا اور اس لئے کہ اُسے باتوں کا انجام سکھائیں۔"

vii۔ وَعَلَّمۡنٰهُ صَنۡعَةَ لَبُوۡسٍ لَّكُمۡ لِتُحۡصِنَكُمۡ مِّنۡ بَاۡسِكُمۡ ۔ (الانبیآء:۸۰)

"اور ہم نے اسے تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے۔"

اور یہاں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا یہ ارشادِ گرامی بھی قابلِ ذکر ہے:

viii۔ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْماً۔ (الکھف:٦٥)

"تو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔"

جو حضرت سیدنا خضر علیہ السلام کی نبوت پر دلیل ہے، یہ بھی ان دلائل میں سے ایک ہے جنہیں میں (غماری) نے "خواطر دینیہ" میں ذکر کیا ہے۔

محبوب کی رعایت اور دشمنوں کی سرکوبی

مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ہم نے یہودیوں سے پوچھا ہے کہ ان کی کتابوں میں جو کچھ آپ کی ذات اور صفات کے بارے مذکور ہے وہ بتاؤ، تو ان کا خیال ہے کہ وہ آپ کو نہیں پہچانتے، تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کا شدید رد کرتے ہوئے یہ آیہ مقدسہ نازل فرمائی:

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (النسآء:١٦٦)

"لیکن اے محبوب اللہ اس کا گواہ ہے جو اس نے تمہاری طرف اُتارا وہ اس نے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے گواہ ہیں اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔"

یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے اپنے نبی ﷺ کا دفاع ہے۔

پھر اللہ جل شانہٗ نے ان یہودیوں کو وعید سنائی جنہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے منع کرتے اور کہتے کہ تم محمد ﷺ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو اور انہی کتابوں میں موجود نبی کریم ﷺ کی نعت کو چھپا لیتے' تو اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں وعید سنائی اور دائمی جہنمی قرار دیا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۔ (النسآء:۱۶۷-۱۶۹)

"وہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا بے شک وہ دور کی گمراہی میں پڑے بے شک جنہوں نے کفر کیا اور حد سے بڑھے اللہ ہر گز انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے مگر جہنم کا راستہ کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے۔

یہ فرمانِ عالیشان اللہ تعالیٰ کی اپنے پیارے نبی ﷺ سے محبت اور آپ ﷺ کی رعایت کی قدر و منزلت پر دال ہے۔

۴۔ سورۃ المائدہ

عظمت مصطفی ﷺ

حجۃ الوداع کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ مقامِ عرفات میں خطبہ دے رہے تھے تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا یہ ارشادِ گرامی نازل ہوا:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

(المائدہ: ۳)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

اس آیہ مقدسہ میں نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ شرافت عطا فرمائی کہ اس نے آپ ﷺ اور آپ کی اُمت کیلئے ان کے دین کو مکمل کر دیا اور دین اسلام پر ان کو رضا کا مژدہ جانفزا سنایا۔

اسی لئے تو ایک یہودی پادری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین تم پر ایک آیت نازل ہوئی ہے اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ کونسی آیت ہے؟ تو اس نے اِسی آیت کا ذکر کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ جمعہ کے دن عرفات میں نازل ہوئی' یعنی وہ مسلمانوں کی عید کا دِن ہے۔

(صحیح بخاری' کتاب الایمان' باب زیادۃ الایمان ونقصانہ (۱/ ۱۰۵)' صحیح مسلم' کتاب التفسیر)

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔ (آل عمران:۱۹)

"بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔"

یہ آیہ کریمہ تمام ادیان کے بطلان کو مفید ہے سوا اس دین اسلام کے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا' اسی لئے دوسرے مقام پر تصریح فرمادی کہ دیگر ادیان کا پیروکار خاسر و ذلیل ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۔

"اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں سے ہے۔"

پروردگارِ عالم کا یہ فرمان عالیشان نبی ﷺ کی بعثت کے عموم کو مفید ہے اور اس امر کی تصریح ہے کہ یہ دین جمیع ادیان کا ناسخ ہے۔ لہٰذا جن لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ کتابی کا جنت میں داخل ہونا ممکن ہے یا اس کا نیک عمل بروزِ قیامت اس کو نفع دے گا تو وہ اس اعتقاد سے خطا کار ہیں کیونکہ یہ صریح قرآن کی مخالفت اور دین سے انحراف ہے۔

اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ۔ (المائدہ:۱۵)

"اے کتاب والو بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو تم

نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت سی معاف فرماتے ہیں۔"

اہلِ کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، اور آیہ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی نسبت اپنی طرف فرمائی تاکہ آپ ﷺ کی قدر و شرف پر دال ہو، اور وہ تورات وانجیل سے احکام چھپا لیتے تھے جیسے حکم رجم وغیرہ اور کچھ اپنی طرف سے ملا لیتے، لیکن یہاں ان کے بیان میں کوئی مصلحت نہیں۔

یہود و نصاریٰ کی کتب میں جو کچھ ہے علماء نے اس کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ وہ جس کی صحت پر قرآن و سنّت دال ہو اور وہ مقبول ہے۔

۲۔ وہ جس کے صحیح نہ ہونے پر قرآن و سنّت کی ولایت ہو اور وہ مردود ہے۔

۳۔ وہ جس کی تائید یا تردید قرآن و سنّت سے نہ ملے، اس قسم کو نہ قبول کیا جائیگا نہ رَد، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمانِ ذیشان پر عمل ہو جائے:

لَا تُصَدِّ قُوْا اَھْلَ الْکِتَابِ وَ لَا تُکَذِّبُوْھُمْ وَ قُوْلُوْآ ، اٰمَنَّا بِالَّذِیْ۔ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ ۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر)

"اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور تمہاری طرف۔"

نیز علماء فرماتے ہیں کہ جو باتیں وعظ و نصیحت اور رقّتِ قلبی سے متعلق ہیں ان میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس رقت انگیز کلام کو غور سے سنا کرتے تھے جسے حضرت کعب احبار نقل کرتے تھے، بلکہ کبھی کبھی ان کو بایں الفاظ اس کی دعوت بھی دیتے کہ:

خَوِّفْنَا یَا کَعْبُ ۔

''اے کعب ہمیں خوف دلاؤ۔''

اور ایسے کلام میں بھی کوئی حرج نہیں جس کو ان سے نقل کرنے میں ضرر نہ ہو مثلاً قرآن حکیم میں بعض اسمائے مبہم کی تعیین' جیسے ملکہ سبا کا تعین کہ وہ بلقیس ہے اور وَالَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ (جس کے پاس کتاب کا علم ہے) وہ آصف بن برخیا ہیں' لہٰذا ایسے کلام میں حرج نہیں جو نہ عقیدہ کو مضر ہو اور نہ ہی احکام سے کچھ متعلق ہو۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ' فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ (المائدہ: ۱۵' ۱۶)

''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے ساتھ اور انہیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے۔''

نور سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے کیونکہ آپ ﷺ عقل و بصیرت کو منور فرماتے ہیں۔ اور نور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے جس سے اس نے اپنے نبی ﷺ کو موسوم کیا' اس میں ہمارے نبی سیّدنا محمد ﷺ کی کس قدر شرافت کا اظہار ہے۔ کتاب مبین سے مراد قرآن کریم' اور ظلمات سے مراد کفر و جہالت' اور نور سے مراد ایمان و علم' اور صراط مستقیم سے مراد دین اسلام ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم فرماتے ہیں:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا

"اے کتاب والو بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے!

یعنی محمد ﷺ' اور یہ اضافت تشریفی ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۔ (المائدہ:۱۹)

تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں بعد اس کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا کہ کبھی کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہ آیا تو یہ خوشی اور ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو بشیر اور نذیر کے نام سے موسوم کیا اور آپ ﷺ کے بیشمار اسماء ہیں اور اسماء کی کثرت مسمّی کی عظمت پر دلالت کرتی ہے اور اس کی عظیم قدر و منزلت کی عکاسی کرتی ہے' کیونکہ ہر نام مبارک میں عظمت کا ایک پہلو پنہاں ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

يَآ أَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۔ (المائدہ:۴۱)

"اے رسول تمہیں غمگین نہ کریں وہ جو کفر پر دوڑتے ہیں جو

کچھ وہ اپنے منہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور ان کے دل
مسلمان نہیں۔"

منافقین کو جب کبھی اپنے کفر کے اظہار کا موقع ملتا تو ذرا بھر تامل نہ کرتے جس سے نبی کریم ﷺ کی طبیعت کبیدہ خاطر ہو جاتی تو اللہ کریم نے قرآن پاک میں اپنے پیارے نبی ﷺ کو تسلی دی اور اس میں یہ بھی تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ذاتی نام سے ندا نہیں دی بلکہ اس لقب سے ندا فرمائی جو تعظیم کا علمبردار ہے جیسے "یَآیُّھَا الرَّسُوْلُ. یَآیُّھَا النَّبِیُّ. یَآیُّھَا الْمُزَّمِّلُ. یَآیُّھَا الْمُدَّثِّرُ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو محض ان کے اسماء سے ندا دی جیسے یَا. اٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ' یَا نُوْحُ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ' یَا اِبْرَاھِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا' یَا مُوْسٰی اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ' یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ' یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ' یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ تو اسی اسلوب سے آپ ﷺ کا جمیع انبیاء علیہم السلام سے بلند پایہ ہونا خوب واضح ہو جاتا ہے اور میں (غماری) نے استغاثہ میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

اَجَلَّ اِلٰہُ الْعَرْشِ قَدْرَ نَبِیِّہٖ
فَعَظَّمَہٗ عِنْدَا لِنِّدَآءِ بِکُنْیَۃِ

"الٰہ العالمین نے اپنے نبی ﷺ کو جلیل القدر ٹھہرایا اور
بوقتِ نداء کنیت سے آپ ﷺ کو عظمت بخشی۔"

علامہ زمخشری سورۂ احزاب کے شروع میں رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یوں نداء فرمائی: یَآیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ. یَآیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ

تُحَرِّمُ، يَآ أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ۔ اور آپ ﷺ کے ذاتی نام سے ندا نہیں فرمائی جیسا کہ دیگر انبیاء کو یا آدم' یا موسیٰ' یا عیسیٰ اور یا داؤد کہہ کر مخاطب کیا' یہ محض رسول مکرم ﷺ کی تکریم و تشریف کا لحاظ اور مقام و مرتبہ کی وضاحت ہے۔

اسمِ محمد ﷺ خبر میں کیوں؟

اگر تو یہ کہے کہ آپ ﷺ کا نامِ نامی اسمِ گرامی نداء میں تو واقع نہیں جبکہ اِخبار میں اللہ تعالیٰ نے اسے واقع فرمایا جیسے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" اور "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ" تو اس کی کیا حکمت ہے؟

میں (غماری) کہتا ہوں کہ یہ عوام الناس کو تعلیم دینا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں' اور انہیں تلقین ہے کہ آپ ﷺ کا ذاتی نام یہی ہے اسے یاد رکھیں۔ لہٰذا نداء اور اِخبار میں تفاوت نہیں' کیا تو نے نہیں دیکھا جب اِخبار سے تعلیم و تلقین مقصود نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے نداء کی مثل کس طرح ذکر فرماتے ہیں مثلاً:

۱۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔

"بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول۔"

۲۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ۔

"اور رسول نے عرض کی اے میرے ربّ۔"

۳۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

"بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔"

۴۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ۔

"اور اللہ و رسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے۔"

۵۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔
"یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔"

۶۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۔
"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانیوالے (نبی) پر۔"

۷۔ وَلَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ ۔
"اور گروہ ایمان لاتے اللہ اور اس نبی پر۔"

اے پیارے تبلیغ کرو

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔

"اے رسول پہنچا دو جو کچھ اترا تمہیں تمہارے ربّ کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا۔"

یعنی تم فریضۂ تبلیغ ڈٹ کر ادا کرو دُشمنانِ اسلام تمہارے قتل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے قبل از نزولِ آیت بھی رسول اللہ ﷺ کی احتیاطاً حفاظت کی جاتی تھی۔ چنانچہ اُم المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مدینہ منورہ تشریف آوری پر ایک رات جاگتے رہے اور فرمایا:

لَیْتَ رَجُلاً صَالِحاً مِّنْ اَصْحَابِیْ یَحْرُسُنِی اللَّیْلَةَ

"کاش کہ میرا کوئی نیک صحابی آج رات میری حفاظت کرلے۔"

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی اثناء میں ہم نے ہتھیاروں کی جھنکار سنی۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کیا سعد بن ابی وقاص۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کیسے آئے ہو؟" تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کے بارے خوف پیدا ہوا' لہٰذا میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کی حفاظت کروں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے دعا کی اور سو گئے حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کے خراٹوں کی آواز سنی۔ پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک خیمہ سے باہر نکالا اور فرمایا "اے لوگو چلے جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔"

امام ترمذی نے اسے سورہ مائدہ کی تفسیر میں اور امام احمد نے (المسند: ۴/ ۳۹۷' ۴۰۴) میں نقل کیا ہے نیز امام حاکم نے مستدرک (۳/ ۳۱۳) میں نقل کیا اور اسے صحیح قرار دیا اور حافظ ذہبی نے اس کی موافقت کی۔

تنبیہات

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں "يَعْصِمُكَ" کے لفظ سے تعبیر فرمایا اور "يحفظك' یا يقيك یا یسلمک نہیں کہا جبکہ ان کے معانی باہم متقارب ہیں یا ایک ہی ہیں' تو اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ عصمت مقامِ نبوت کے زیادہ مناسب ہے اور اس سے جانبِ نبی ﷺ میں ادب کی رعایت ماخوذ ہے اور آپ ﷺ کے مقامِ عالیشان کے لائق الفاظ کو اختیار کرنے کا وجوب مستفاد ہے۔

۲۔ مجھ سے تفسیر و اصول کا علم حاصل کرنے والے علماء میں سے ایک شیخ حمدی

اصلان جافا البانی ہیں انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک مستشرق المانی کے سامنے یہ آیت پڑھی تو اس نے کہا کہ محمد (ﷺ) کا ظاہری حفاظت کو ترک کرنا محض اس آیت پر اعتماد کی بناء پر ہے حالانکہ بظاہر مشرکین و یہود کا خوف نظر آتا ہے' تو یقیناً اس قدر اعتماد آپ ﷺ کی صداقت پر دلیل ہے۔ میں (غماری) کہتا ہوں کہ یہ لحاظ عقلی ہے۔

حضور ﷺ کی خصوصیت

اللہ تعالیٰ جل شانہ' فرماتے ہیں:

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۔

"اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔"

یعنی اللہ و رسول دونوں کی نافرمانی سے بچو۔ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کیلئے صیغۂ امر کا اعادہ کیا جس کی حکمت ہم نے سورہ نساء میں بیان کر دی ہے۔ پھر تنبیہ فرمائی کہ اگر تم پھر گئے تو تمہاری جزا و سزا ہمارے ذمہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ کی واضح تبلیغ کا گواہ ہے۔ اور اس گواہی کا دیگر آیات میں تکرار بھی ہے' لہٰذا بروزِ قیامت تبلیغ کے گواہ کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ خود رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت پر گواہ ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی سورۂ بقرۃ میں گذر گیا:

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔ (البقرۃ: ۱۴۳)

"کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔"

اور یہ آیت بھی اس امر پر دال ہے کہ آپ ﷺ کے امور پر گواہ کی ضرورت نہیں۔ اور یہ حضور پُرنور شافع یوم النشور ﷺ کی خصوصیت ہے۔

اسی شہادت کی مثل اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۔ (الذریت: ۵۴)

"تو اے محبوب تم ان سے منہ پھیر لو تو تم پر کچھ الزام نہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے مصطفی کریم ﷺ کیلئے مشرکوں سے اعراض کرنا مباح قرار دیا اور یہ واضح کر دیا کہ ان سے اعراض کرنے میں آپ ﷺ پر کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے انہیں پیغامِ رسالت کا حق ادا کیا اور اس سلسلے میں خوب محنت کی، حتیٰ کہ انہوں نے اس کا بایں الفاظ اعتراف بھی کیا:

اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا وَ سَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۔ (الفرقان: ۴۱، ۴۲)

"کیا یہ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا قریب تھا کہ یہ ہمیں ہمارے خداؤں سے بہکا دیں اگر ہم ان پر صبر نہ کرتے اور اب جاننا چاہتے ہیں جس دن عذاب دیکھیں گے کہ کون گمراہ تھا۔"

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ ان کا قول "اِنْ کَادَ لَیُضِلُّنَا" رسول اللہ ﷺ کے دعوتِ حق میں انتہائی مجاہدہ اور انہیں قائل کرنے میں بھرپور کوشش پر دلیل ہے، اور ساتھ ساتھ آیات و معجزات کا ظہور بھی فرمایا، حتیٰ کہ وہ اس تصور پر مجبور ہو گئے کہ اپنے دین کو

چھوڑ کر دین اسلام کے دامن میں جا بسیں، لیکن اپنی لجاجت کی بناء پر اڑے رہے۔

اور یونس علیہ السلام کا قصہ کہ جب وہ اپنی قوم سے روگرداں ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عتاب فرمایا' جبکہ حضور ﷺ کیلئے قوم سے اعراض مباح ٹھہرایا تو لامحالہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے۔

۵۔ سورۃ الانعام

مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اہلِ کتاب نے تمہارا انکار کیا ہے لہٰذا اپنی صداقت پر کوئی گواہ پیش کرو، تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جواباً یہ آیہ مقدسہ نازل فرمائی:

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ۔ (الانعام:۱۹)

''تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس کی ہے تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں۔''

کہ انہیں سب سے بڑی شہادت سے آگاہ کر دو۔ اگر کچھ جواب نہ دیں تو اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں اور اعلان کر دو کہ اللہ تعالیٰ میری صداقت پر گواہ ہے' یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے پیارے نبی ﷺ پر عنایت کی دلیل ہے کہ اس نے مشرکین اور اہلِ کتاب کے اعتراض کا رد فرمایا' اور ہم نے پہلے اس پر تفصیل سے کلام کر دیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حضور پُر نور شافع یوم النشور ﷺ کو ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا اور اس کی بھی تصریح کر دی کہ آپ ﷺ کی نذرات (ڈر سنانا) عام ہے جو صرف گروہِ عرب کو ہی شامل نہیں بلکہ جمیع ثقلین یعنی جن و انسان کو اپنی عمومیت میں لئے ہوئے ہے۔ نیز یہ بھی واضح کر دیا کہ اہلِ عرب آپ ﷺ

کے اسمِ گرامی اور اوصافِ حمیدہ کو خوب جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کی معرفت رکھتے ہیں، لیکن پھر بھی وہ ایمان نہ لا کر خلودِ نار کے مستحق ٹھہرے۔ چنانچہ اس کی وضاحت اللہ ربّ العزت جل جلالہٗ کے اس ارشادِ گرامی میں ہے:

وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ۔ (الانعام:۱۹)

"اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے۔"

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ (البقرۃ:۱۴۶)

"جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔"

اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔

(الانعام:۱۲)

"وہ جنہوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی ایمان نہیں لاتے۔"

اس آیہ مقدمہ نے منکرِ نبی کو دنیاوی و اُخروی نقصان کی وعید سنائی اگرچہ وہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان رکھتا ہو اور اس کا دعویدار بھی ہو، کیونکہ آپ ﷺ کی تکذیب ان دونوں کی تکذیب کو مستلزم ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم نے ان کی تکذیب سے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّهٗ لَيَحۡزُنُكَ الَّذِىۡ يَقُوۡلُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ وَ لَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَصَبَرُوۡا عَلٰى مَا كُذِّبُوۡا وَ اُوۡذُوۡا حَتّٰٓى اَتٰهُمۡ نَصۡرُنَا وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَ لَقَدۡ جَآءَكَ مِنۡ نَّبَاِىٴ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۔ (الانعام: ۳۳، ۳۴)

''ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے صبر کیا اس جھٹلانے اور ایذائیں پانے پر یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آئی اور اللہ کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں اور تمہارے پاس رسولوں کی خبریں آہی چکی ہیں۔''

اس آیہ مقدمہ کا آغاز ''قَدۡ'' سے ہے جس کے بارے علامہ زمخشری کا کہنا ہے کہ ''قد''، ''ربما'' کے معنی میں فعل کی زیادتی اور کثرت کیلئے آتا ہے۔ اسی طرح افادۂ تکثیر کیلئے دیگر آیات میں بھی وارد ہے جیسے:

''وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ'' اور قَدۡ يَعۡلَمُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ يَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡكُمۡ لِوَاذًا'' اور ''قَدۡ يَعۡلَمُ مَآ اَنۡتُمۡ عَلَيۡهِ'' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو فرمانا'' وَ قَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ ۔'' (مؤلف)

آیہ مبارکہ میں آپ ﷺ کو رنج دینے والی بات سے مراد کفار کا

تکذیب کرنا اور سب وشتم ہے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ اپنے باطن سے تکذیب نہیں کرتے اس لئے کہ انہیں آپ (ﷺ) کی صداقت کا علم ہے اور وہ خود آپ کو امین کہتے ہیں، لیکن یہ ظالم ہیں کہ ظاہر سے کچھ ہیں اور باطن سے کچھ، اور محض عناداً اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے اپنے محبوبِ حقیقی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے رسولوں کی تکذیب ہوئی اور انہوں نے ہمیشہ ان کی تکذیب اور ایذاء رسانیوں پر صبر کیا، حتیٰ کہ ہم نے ان کے جھٹلانے والوں کو ہلاک کر دیا، لہٰذا آپ بھی ان کی طرح صبر کا دامن تھامے رکھیں جلد ہی ہماری نصرت آپہنچے گی اور آپ (ﷺ) کو قلبی تقویت میسر آئیگی۔

اور اللہ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقاً فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّماً فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۔ (۳۵)

"اور اگر ان کا منہ پھیرنا تم پر شاق گذرا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سُرنگ تلاش کرلو یا آسمان میں زینہ پھر ان کیلئے نشانی لے آؤ اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اے سننے والے تو ہرگز نادان نہ بن۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ نہ زمین میں داخل ہونا تمہارا کام ہے اور نہ ہی آسمان پر چڑھنا کہ ان کیلئے کوئی نشانی لے آؤ جس سے وہ تمہیں تسلیم کرلیں، لہٰذا صبر سے کام لیں یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت تمہیں پہنچے گی۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں

ہدایت دینا ہی نہیں چاہتا تو پھر تم کیوں اس فکر میں مبتلا ہو۔

یاد رہے کہ کسی شے سے نہی اسکے وقوع کو مستلزم نہیں ہوتی۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ اس سے بالکل جاہل نہیں تھے کہ جو اللہ چاہے ہوتا ہے اور جو نہ چاہے نہیں ہوتا، اور نہ ہی آپ ﷺ پر اس امر کا جہل جائز ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح مروی ہے:

مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ اَوْ يُمْسِيْ مَاشَآءَ اللهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ ، اَعْلَمُ اَنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ ، وَ اَنَّ اللهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْئٍ عِلْماً ، لَمْ يُصِبْهُ الْبَلَآءُ ۔ (رواہ ابوداؤد فی الادب)

"جو شخص صبح یا شام کو یوں کہہ لے کہ جو اللہ نے چاہا ہوگا اور جو نہ چاہا نہ ہوگا، میں جانتا ہوں کہ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے کو محیط ہے، تو اسے کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔"

(امام ابوداؤد نے اسے باب مایقول اذا اصبح میں روایت کیا لیکن اس کی سند میں کلام ہے اور مؤلف (غماری) کی تحقیق میں یہ صحیح ہے۔)

بہر حال اس نہی سے مراد یہ ہے کہ تم راہِ ہدایت پر ڈٹے رہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهاً اٰخَرَ ۔ (القصص:۸۸)

"اور اللہ کے سوا دوسرے خدا کو نہ پوج۔"

یعنی توحید پر ہمیشہ قائم رہو۔

کفار کا تقاضا اور اسے پورا نہ کرنے کی حکمت

۱۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (۳۶)

"مانتے تو وہی ہیں جو سنتے ہیں اور ان مردہ دلوں کو اللہ اٹھائے گا پھر اس کی طرف ہانکے جائیں گے اور بولے ان پر کوئی نشانی کیوں نہ اتری ان کے ربّ کی طرف سے تم فرماؤ کہ اللہ قادر ہے کہ کوئی نشانی اتارے لیکن ان میں بہت نرے جاہل ہیں۔"

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتے ہیں کہ سننے والے مانتے ہیں یعنی جو سن کر سمجھنے کی لیاقت رکھتے ہیں وہی ایمان قبول کرتے ہیں اور موتٰی سے مراد کفار ہیں کیونکہ وہ صحیح معنوں میں قرآن کو سننے سے عاری ہیں۔ اور ان کے اس جھٹلانے کی وجہ سے ہی انہیں عذاب دیا جائے گا۔

کفار کا یہ مطالبہ تھا کہ جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا نشانی ہیں اس طرح ان پر اللہ کی کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو فرمایا کہ انہیں بتا دو کہ اللہ نشانی نازل کر دینے پر قادر ہے جس کا تم مطالبہ کرتے ہو لیکن اکثر تمہارے نہیں جانتے کہ اس کا نزول کفار کیلئے ہی مصیبت اور وبال ہے، کیونکہ نشانی کے نزول کے بعد بھی اگر کفار ایمان نہ لائیں تو ان کو ہلاک کرنا لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلی اُمتوں کے ساتھ ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو تا قیامت باقی رکھنے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

اور اسی طرح ہی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ

"اور ہم ایسی نشانیاں بھیجنے سے یوں ہی باز رہے کہ انہیں اگلوں نے جھٹلایا۔"

اس سے مراد وہ نشانیاں ہیں جن کا کفارِ مکہ مطالبہ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ و سبحانہٗ نے واضح کر دیا اگر ہم ان کے مطالبہ کے موافق نشانیاں بھیج دیں اور پھر بھی ماننے کی بجائے تکذیب ہی کریں تو ہمارا انہیں ہلاک کرنا ضروری ہو جائے گا اور اس صورت ہم ضرور انہیں ہلاک کر دیتے لیکن ہم نے انہیں مہلت دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تاکہ ہمارے محبوب ﷺ کے مشن کی تکمیل ہو جائے اور آپ ﷺ کی شریعت اور اُمت ہمیشہ باقی رہے۔ باجودیکہ قرآن خود ایک بہت بڑی نشانی ہے اور ایسا عظیم معجزہ ہے کہ جن و اِنس اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں بلکہ اس کی ایک آیت کی مثل نہیں لا سکتے اور یہی وجہ ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ فرماتے ہیں:

مَا مِنَ الْاَنْبِيَآءِ مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّا قَدْ اُعْطِيَ مِنَ الْاٰيَاتِ مَا مِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِيْ اُوْتِيْتُ وَحْيًا اَوْحَى اللهُ اِلَيَّ عَزَّوَجَلَّ وَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[1] (رواہ البخاری ومسلم)

---

[1] بعض علماء اندلس کا کہنا ہے کہ قرآن کریم خود ایک عظیم معجزہ ہے اور آپ ﷺ کی نبوت پر واضح ترین دلیل ہے، کیونکہ یہ خارقِ عادت ہے اور اس وحی کے برعکس ہے جو عموماً نبی کو حاصل ہوتی ہے اور معجزہ بطورِ دلیل ہوتا ہے جبکہ قرآن خود ایک ایسی وحی ہے جو خارقِ عادت ہے اور عقولِ انسانیہ کو عاجز کر دینے والا ہے، لہٰذا یہ عظیم دلیل ہوتے ہوئے کسی اور اجنبی دلیل کی ضرورت نہیں، اس کا واضح ترین دلیل ہونا اس لئے بھی ہے کہ اس میں دلیل اور مدلول کا اتحاد ہے اور حضور ﷺ کے اس ارشادِ گرامی "ما من الانبیاء من نبیٍ......" کا اشارہ بھی اسی طرف ہے کہ جب یہ قرآن ایک واضح معجزہ ہے اور قوتِ دلالت یہ ہے کہ وہ خود نفسِ وحی ہے تو لامحالہ اس کی تصدیق کرنے والے بھی بہت زیادہ ہی ہوں گے۔ (مؤلف)

"ہر نبی کو اسی قدر معجزات دیئے گئے جن کی وجہ سے انسان اس نبی پر ایمان لاسکیں۔ لیکن میری یہ خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا کلام ہی (بطورِ معجزہ) عطا کیا ہے' لہٰذا مجھے اُمید ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے ہی پیروکار ہوں گے۔"

نوٹ: اس حدیث کو امام بخاری نے "فضائل القرآن" میں اور امام مسلم نے "کتاب الایمان' باب وَجُوْبِ الْاِیْمَانِ بِرِ سَالَةِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور مندرجہ بالا الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

اور یہ قرآن کا عظیم معجزہ ہے حضور ﷺ کے ان مادی معجزات کو مانع نہیں جو اس دور کے تقاضائے حال کے مطابق رونما ہوئے جیسے اسرا، معراج، مبارک انگلیوں سے پانی کا پھوٹنا' کھجور کے تنے کا رونا اور چاند کا دو ٹکڑے ہونا وغیرہ اور کئی دیگر ایسے معجزات جن کی صراحت قرآن و حدیث میں وارد ہے اور احادیث بھی قطعی طور پر صحیح ہیں نیز وہ جن پر اہلِ سُنّت کا اِجماع ہے۔

مذکورہ دونوں آیات اور حدیث میں ان اہل بدعت کے دلیل پکڑنے کی کوئی راہ نہیں جو اس کا انکار کر کے سوادِ اعظم سے خارج ہو گئے' کیونکہ مذکورہ آیات کی مراد صرف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ان مشرکوں کے ایمان کی حرص نہ رکھیں نیز اس امر کا بیان ہے کہ ان کا یہ مطالبہ محض عناد کی وجہ سے ہے نہ کہ ہدایت حاصل کرنے کیلئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی پڑھیے:

وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعاً ۔ (بنیٓ اسرآئیل:۹۰)

"اور بولے کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ بہادو۔"

یعنی تم ان کو دیکھو گے کہ وہ عناد میں حد سے بڑھ چکے ہیں' لٰہذا اب ان کا ایمان لانا ممتنع کے قبیل سے ہے' اسی لئے اللہ کریم جل شانہٗ نے آپ ﷺ کو اس فرمانِ عالیشان کے ساتھ ان کے ایمان سے نا اُمید کر دیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ (البقرۃ:٦)

"بے شک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔"

بہرحال حدیث مذکور کی مراد یہ ہے کہ سب سے عظیم معجزہ جو نبی کریم ﷺ کو دیا گیا وہ قرآن ہے' جس کا مفصل بیان ہم نے مقدمہ میں کر دیا ہے۔

٢۔ مشرکین کا حضور نبی کریم ﷺ سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ کسی یہودی یا عیسائی عالم کو اپنے اور ہمارے درمیان حکم (فیصل) مقرر کریں تا کہ وہ ہمیں کتب سابقہ سے آپ ﷺ کی صفات پڑھ کر سنائے' تو اللہ ربّ العزت کو مقصود یہ تھا کہ میرا حبیب ﷺ ان کے ایمان کی طلب چھوڑ دے لٰہذا اللہ کریم جل شانہٗ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی مبارک زبان پر یہ آیہ مقدسہ نازل فرمائی جو ہمیشہ کیلئے ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے حبیب ﷺ کی زبان پر یہ ارشاد جاری فرمایا:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۔ (۱۱۵)

"تو کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کا فیصلہ چاہوں اور وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصّل کتاب اُتاری۔ اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے ربّ کی طرف سے سچ اترا ہے تو اے سننے والے تُو ہرگز شک والوں میں نہ ہو۔"

تو یوں اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ نے دوٹوک فیصلہ سنا دیا کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ جل شانہٗ کے سوا کوئی حکم نہیں، اور وہی حکم کافی ہے جس نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا اور اس میں میری ان صفات کو بیان کر دیا جو تورات و انجیل میں مذکور ہیں۔ اور یقینا تورات و انجیل میں یہودی عالموں اور پادریوں نے بہت زیادہ تحریف کی ہے جس کی قرآن حکیم نے کئی مقامات پر نشاندہی فرمائی ہے لہٰذا ان کیلئے کوئی حکم مقرر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کا مقصود حق بات سے اعراض کرنا ہے۔ جبکہ عبد اللہ بن سلام اور نجاشی ان کے ہی اکابر تھے جنہیں یقین ہو گیا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

رہا یہ امر کہ نبی کریم ﷺ کو منع فرمایا کہ شک کرنے والوں میں نہ ہو، اور نبی کریم ﷺ کو حقیقت قرآن میں کچھ شک نہ تھا اور نہ ہی یہ آپ ﷺ کے شانِ شایان ہے تو نہی سے مراد یہ ہے کہ اے محبوب (ﷺ) اس شک کی ضد یعنی یقین پر ڈٹے رہو، اور مشرکوں کا اِعراض کرنا اور شکوک و شبہات ڈالنا بے جا ہے کیونکہ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔

لطیف نکتہ

یہاں ایک نہایت لطیف نکتہ پر ہم تنبیہ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب قرآن کریم یوں فرمائے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ ۔

"جن کو ہم نے کتاب دی۔"

یعنی فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جیسے یہاں "'اٰتَیْنَا" میں' تو "ھُمْ" سے مراد وہ منصفین ہوتے ہیں جنہوں نے بنظرِ انصاف اسلام کی طرف رجوع کر لیا مثلاً عبداللہ بن سلام اور تمیم داری وغیرہ۔ اور جب قرآن یوں کہے:

اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ۔

"وہ لوگ جو کتاب دیئے گئے۔"

یعنی فعل کی بناء مجہول ہو تو اکثر اس سے مراد وہ متعصبین ہوتے ہیں جو خواہ مخواہ بغض و حسد اور بغاوت کے طور پر تکذیب کرتے ہیں اور اس پر اَڑتے رہتے ہیں۔ اور کبھی محض تعریف مراد ہوتی ہے' جیسے:

وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ

"اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے۔"

نوٹ:

اس قاعدہ کا تتمہ سورۂ اِسراء کے آخر میں ملاحظہ ہو' جس سے بخیل کی جرأت کافور ہو جائیگی۔

٦۔ سورۃ الاعراف

قرآنِ مجید برہانِ رشید کی درج ذیل آیہ کریمہ گویا حضور پُرنور شافع یوم النشور ﷺ کی نعوت وصفات کا گلدستہ ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ وجل شانہٗ ہے:

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (۱۵۶-۱۵۷)

"اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کیلئے لکھ دوں گا جو ڈرتے اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کیلئے

حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر
سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا۔ تو وہ
جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور
اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔"

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے پہلے اپنی رحمت کی وسعت بیان کی کہ وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ جو دنیا اور آخرت میں ڈرنے اور زکوٰۃ دینے والوں کیلئے مقرر ہے' ادائے زکوٰۃ کا خصوصی ذکر گویا اس کی اہمیت پر تنبیہ ہے۔ پھر اپنے پیارے رسول ﷺ کی غلامی کرنے والوں کو فلاح و کامرانی کا مژدہ جانفزا سناتے ہوئے ان کے مابہ الامتیاز اوصافِ حمیدہ ذکر کئے' جو تورات وانجیل میں بھی مذکور ہیں اور ان علامات کا بیان بھی موجود ہے جو آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے علاوہ کسی کو شامل نہیں ہو سکتیں' مثلاً یہ کہ وہ بھلائی کا حکم کریں گے اور برائی سے منع فرمائیں گے اور وہ پاک چیزیں ان کیلئے حلال فرما دیں گے جو ان کی شریعت میں ان پر حرام تھیں مثلاً اُونٹ کا گوشت اور گائے اور بکری کی چربی' جس کی تفصیل اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے اس فرمان ذیشان میں ہے:

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۔

(الانعام: ۷ ۱۴)

"اور یہودیوں پر ہم نے حرام کیا ہر ناخن والا جانور۔"

اور گندی اور ناپاک چیزیں ان پر حرام فرما دیں گے مثلاً سردار' خنزیر اور شراب۔

اس آیہ کریمہ سے اخذ ہوتا ہے کہ جس چیز کو حضور نبی کریم ﷺ حلال فرما دیں یا حرام ٹھہرا دیں تو اس کا التزام واجب ہے اگرچہ وہ قرآن میں مذکور نہ ہو' اسی لئے حضور سیّد عالم ﷺ نے واضح فرما دیا: کہ

أَلَا وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِثْلُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد)

"سن لو! رسول اللہ جسے حرام ٹھہرا دیں وہ اسی کی مثل ہے جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا۔"

نوٹ (ابوداؤد کی سند صحیح اور ترمذی نے اسے حسن غریب کہا۔ اور ابن ماجہ نے اسے "المقدمہ، باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ" مقدام بن معدیکرب سے نقل کیا، جبکہ امام ترمذی نے "باب العلم" میں اور ابوداؤد نے "باب فی لزوم السنۃ" میں اسے نقل کیا۔)

نیز اللہ کریم جل شانہٗ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی یہ صفت بھی بیان فرمائی کہ وہ ان کے بوجھ اور پھندے اتار دیں گے، جیسے توبہ کی قبولیت کیلئے ان پر اپنی ذات کو قتل کرنا واجب ٹھہرا، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں تفصیلاً مذکور ہے، اور ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار کا حرام ہونا وغیرہ ایسی تشدیدات (سختیاں) ہیں جو ان کی شریعت میں موجود تھیں، یہاں تک کہ انہوں نے محض اس لئے تورات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ اس کے احکام سخت ہیں۔ یہی وہ شرائع سابقہ کی سختیاں ہیں جنہیں حضور نبی کریم ﷺ ختم کرنے کیلئے اور آسان احکام نافذ کرنے کیلئے تشریف لائے۔

ان پہ ایک شرعی سختی کا ذکر اس آیہ مقدسہ میں ہے:

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۔ (الاعراف: ۱۶۳)

"اور ان سے حال پوچھو اس بستی کا جو دریا کے کنارے واقع تھی۔"

اور جب انہوں نے ان سختیوں کی وجہ سے تورات قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پہاڑ بلند کیا اور انہیں دھمکی دی کہ قبول نہ کرنے کی صورت میں اسے ان پر گرا دیا جائیگا۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ (الاعراف: ۱۷۳)

"اور جب ہم نے پہاڑ ان پر اٹھایا گویا وہ سائبان ہے اور سمجھے کہ وہ ان پر گر پڑے گا۔ لو جو ہم نے تمہیں دیا زور سے اور یاد کرو جو اس میں ہے کہ کہیں تم پرہیز گار ہو۔"

جبکہ ہماری شریعت کی تعلیمات ان کی نسبت نہایت آسان ہیں اسی لئے حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ ۔ (مسند امام احمد: ۲۶۶/۵)

"میں آسان دین حنیف کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔"

نُور وضیاء اور عظمت مصطفیٰ ﷺ

مندرجہ بالا آیہ مقدسہ میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فلاح وکامرانی سے سرفراز ہونے والے لوگوں کا حال واضح فرمایا کہ وہ جو آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور تعظیم وتوقیر کا حق ادا کریں نیز اپنے مالوں اور جانوں سے آپ ﷺ کی مدد کریں اور اس نُور (قرآن) کی پیروی کریں جو ان کے ساتھ نازل ہوا تو کامیابی

ان کا مقدر بنے گی، نہ کہ ان لوگوں کی جو یہودیت یا عیسائیت پر ڈٹے رہے۔

بہرحال یہاں یہ امر لائقِ توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نُور کے نام سے موسوم کیا، اور اسی طرح دیگر چند آیات میں مذکور ہے۔ اور نُور اس روشنی اور چمک کو کہتے ہیں جس میں تپش نہ ہو کہ وہ جلا دے، جو قرآنِ مجید کی تعلیمات اور احکام کی نرمی اور آسانی کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا قرآن ایک ایسی روشنی ہے جو جلاتی نہیں جیسے چاند کی چاندنی

رہا تورات کا معاملہ تو اسے بھی اللہ تعالیٰ نے نُور کے نام سے موسوم کیا لیکن اس کے نور کی قسم کو واضح کر دیا، جیسا کہ سورۂ انبیاء میں ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ (الانبیاء: ۴۸)

"اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ دیا اور اُجالا اور پرہیزگاروں کو نصیحت۔"

لہٰذا تورات کو ضیاء کہا اور ضیاء اس روشنی اور چمک کو کہتے ہیں جس میں تپش ہو جو جلاتی ہو۔ تو یہ تورات کی تعلیمات کی شدت اور احکام کی سختی کی طرف اشارہ ہے۔ اس قاعدہ کی حقیقت اس وقت مزید واضح ہو جاتی ہے جب سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کی تلاوت کی جائے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا۔

"وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا۔"

مذکورہ قاعدہ کی رُو سے صاحبِ قرآن حضرت سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصافِ جمیلہ کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ تحمل، بردباری، دانائی، نرم برتاؤ، حسنِ کردار اور بلند نگاہی نیز دلنواز سخن اور رحمت و شفقت جیسی صفاتِ حمیدہ

کے کس قدر پیکر تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کو بھی نُور کے مبارک نام سے موسوم فرمایا ہے' جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۔

''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔'' (زاہد غفرلہٗ)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی ان بعض صفات کا ذکر کیا جو تورات و انجیل میں مذکور تھیں' اس کے بعد آپ ﷺ کی رسالت کا عموم بیان فرمایا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا نِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ کَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ۔

''تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کو ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرے اور مارے' تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی غلامی کرو کہ تم راہ پاؤ۔''

بعض مفسرین نے اس سے یہ اخذ کیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی ذات کی طرف بھی اللہ کے رسول ہیں' حالانکہ یہ آپ ﷺ کا خاصہ نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم

السلام کی رسالت ان کی اپنی ذات کو شامل ہے کیونکہ ہر نبی کی طرف جو وحی آتی ہے وہ اس پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کا مکلف ہے۔

اس آیہ کریمہ میں آپ ﷺ کے چند اسمائے گرامی ذکر کئے گئے یعنی رسول، نبی اور امی، اور یہ آخری اسمِ گرامی معجزہ مادیہ کی طرف اشارہ کرتا ہے، ہر نبی کا معجزہ اس سے کم تر ہے، کیونکہ ایک اُمّی ہستی کا ایسی کتاب لانا جو ثقلین (جن و انس) کو عاجز کر دے یقیناً ایک ایسا اِعجاز ہے جو انتہاء کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے، لہٰذا کوئی معجزہ نہ ہوا مگر اس سے کم تر۔ (باوجودیکہ آپ ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ عالم ہیں)۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر یوں عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں ؎

كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِي الْأُمِّيِّ مُعْجِزَةً
مِنَ النَّبِيِّ وَ بِالتَّأْدِيبِ فِي الْيُتُمِ

"نبی کریم ﷺ کا یہی معجزہ تجھ کو کافی ہے کہ آپ ﷺ اُمّی ہو کر علم و حکمت کے بادشاہ ہیں اور یتیم ہو کر آدابِ جمیلہ اور اخلاقِ حسنہ کے پیکر ہیں۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے ایک رات کوہِ صفا پہ کھڑے ہو کر اہلِ مکہ کے ہر قبیلے کو الگ الگ ندا دی، اے بنو فلاں، اے بنو فلاں اور ان کے حاضر ہونے پر آپ ﷺ نے انہیں ایمان کی دعوت دی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ تو وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ تمہارا صاحب دیوانہ ہو گیا ہے، یہ صبح تک یوں ہی چلاتا رہے گا (العیاذ باللہ)، تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی اور آپ ﷺ کا دِفاع فرمایا:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ (الاعراف: ۱۸۴)

''کیا سوچتے نہیں کہ ان کے صاحب کو جنون سے کچھ علاقہ
نہیں وہ تو صاف ڈر سنانے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے واضح فرما دیا کہ جو لوگ آپ ﷺ کو دیوانہ کہہ رہے ہیں، وہ آپ ﷺ کی کمال عقل و ذہانت سے بخوبی واقف ہیں۔ پس آپ (ﷺ) کا کام صرف ڈرانا ہے۔ تو یہ اللہ کریم جل جلالہٗ کی اپنے پیارے نبی ﷺ پر عظیم عنایت کی قوی دلیل ہے۔

۷۔ سورۃ الانفال

رمی حضور ﷺ کی

ا۔ میدانِ بدر میں

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے غزوۂ بدر میں اپنے پیارے نبی ﷺ کی مدد کیلئے فرشتے نازل فرمائے، جس کا ذکر سورۂ آلِ عمران میں گزر گیا، اور جو یہاں ذکر ہوا ....وہ سورۂ آلِ عمران میں وارد نہیں .... کہ میدانِ بدر میں حضور نبی کریم ﷺ نے جنگ شروع ہونے سے تھوڑا سا پہلے کنکریوں کی ایک مٹھی بھری اور کفار کے چہروں پر دے ماری، حالانکہ ان کی تعداد ایک ہزار تھی، پھر بھی یہ کنکریاں سب کی آنکھوں میں جا پہنچیں اور انہیں آنکھیں ملنے میں مصروف کر دیا۔ تو یقیناً یہ حضور پُرنور ﷺ کا معجزہ ہے کہ مٹھی بھر کنکریاں ایک دفعہ پھینکنے سے ہی بہت بڑے لشکر کی آنکھوں میں پہنچ گئیں، کیونکہ کسی بشر کے پھینکنے سے اس قدر ہنگامہ برپا ہونا ممکن

نہیں، لہٰذا لامحالہ یہ ایک معجزہ ہے جس سے اللہ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کی تائید کی اور قرآن مجید برہانِ رشید میں اس واقعہ کی یوں روئیداد بیان فرمائی:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔

"اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔"

اور امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کی یوں منظر کشی کی:

وَرَمٰى بِالْحَصٰى فَأَقْصَدَ جَيْشاً
مَا الْحَصٰى عِنْدَهٗ وَمَا الْإِلْقَاءُ

"اور حضور ﷺ نے کنکریاں پھینکی جو سارے لشکر کی آنکھوں میں جا پہنچیں، کیا کنکریاں تھیں جو آپ ﷺ کے پاس تھیں؟ اور کیا وہ پھینکنا تھا؟"

اور یہ آپ ﷺ کا ایک مادّی معجزہ ہے جو تقاضائے حال کے مطابق ظاہر ہوا، جیسا کہ ہم نے سورۂ انعام میں اس کی طرف اشارہ کیا، بلکہ میدانِ بدر میں ملائکہ کا قتال کرنا بھی آپ ﷺ کا معجزہ مادّیہ ہے، جس کے شاہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ خود مشرکین بھی ہیں، اور اس کے بارے انہوں نے بیان کیا۔

ضمیر واحد اور بلانا حضور ﷺ کا

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۔

"اے ایمان والو اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کیلئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔"

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ "دَعَاکُمْ" میں واحد کی ضمیر استعمال ہوئی ہے جیسا کہ اس سے قبل اس آیت میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۔ (الانفال:۲۰)

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سُن سنا کر اس سے نہ پھرو۔"

کہ یہاں بھی "عَنْهُ" میں ضمیر واحد کی ہے جو اللہ اور رسول کا دونوں کی طرف راجع ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی ہی فرمانبرداری ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا بلانا اللہ تعالیٰ ہی کا بلانا ہے۔ اور یہ طرزِ تکلم محض تاکید کیلئے ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اُبی بن کعب کے دروازے سے گذرے اور انہیں ندا دی درآنحالیکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے، تو انہوں نے جلدی سے نماز مکمل کی اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا مَنَعَكَ عَنْ اِجَابَتِیْ

"کس وجہ سے تم نے مجھے جواب نہ دیا۔"

تو وہ عرض گذار ہوئے کہ:

كُنتُ أُصَلِّيْ ۔

"آقا میں نماز پڑھ رہا تھا۔"

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أَلَمْ تُخْبَرْ فِيمَآ أُوحِيَ إِلَيَّ اِسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُولِ

"کیا تمہیں اس کی خبر نہیں جو میری طرف وحی ہوئی کہ اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ۔"

تو انہوں نے عرض کیا: کہ

لَا جَرَمَ لَا تَدْعُونِيْ إِلَّا أَجَبْتُكَ ۔

"اب آپ (ﷺ) جب بھی مجھے بلائیں گے تو میں ضرور جواب دوں گا۔"

تبصرہ

اس میں درج ذیل دو اقوال ہیں:

۱۔ یہ سیّدنا رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے۔

۲۔ یہ آپ ﷺ کا بلانا ایسے کام کیلئے تھا جس میں تاخیر کی گنجائش نہیں تھی' اور جب نمازی کیلئے اس طرح کا معاملہ پیش آئے تو اس کیلئے نماز چھوڑنا ہی ضروری ہے۔

میں (غماری) کہتا ہوں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مطلقاً حضور ﷺ کے بلانے پر جواب دینے کے وجوب کو مفید ہے' نہ یہ کہ کسی معاملہ میں خاص ہے کہ

اس وقت نماز کو جلدی ادا کرنے کو واجب کرے۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام بلقینی، سیوطی اور قسطلانی وغیرہ اجلّہ ائمہ نے اسے اپنی کتابوں میں خصائص کے تحت ذکر کیا اور اس سے یہ استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ کے بلانے پر نمازی کو واجب ہے کہ نماز ترک کر دے اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے اگرچہ وہ فرضی نماز ہی پڑھ رہا ہو اور مالکیہ اور شافعیہ کا یہی مذہب ہے اور علامہ زمخشری نے بھی اسی طرح ہی بیان کیا ہے اور وہ حنفی ہیں۔ پس حضور ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہے۔ ا۔ (مؤلف)

۲۔ ہجرت کے موقع پر

جونہی انصار نے اسلام قبول کیا تو قریش کو اندازہ ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کا سلسلۂ دعوت وارشاد بڑھتا جا رہا ہے اور لوگ دیوانہ وار ان کے دین میں داخل ہو رہے ہیں اور پرچمِ اسلام بلند سے بلند ہوتا جا رہا ہے، تو قریش کے رؤوسا اور زعماء کے علاوہ دیگر مشرکین مکہ کے ہر قبیلے سے اربابِ دانش دار الندوہ میں جمع ہوئے تاکہ حضور ﷺ کے بارے مشورہ کیا جائے، اور ان کے ساتھ ابلیس لعنۃ اللہ علیہ بھی شیخ نجدی کی صورت میں حاضر تھا، بہرحال ان حضرات نے تبادلہ خیال کیا اور طے پایا کہ آپ (ﷺ) کو قتل کر دیا جائے۔

تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ قوم کے باہمی

ا۔ (صحیح بخاری شریف میں سعید بن معلّٰی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے پکارا، میں نے جواب نہ دیا پھر میں نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا یارسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ اور رسول کے بُلانے پر حاضر ہو.............مترجم زاہد غفرلہٗ)۔

مشورے سے میرے حبیب ﷺ کو خبردار کردو اور یہ بھی کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہجرت کا حکم دیتا ہے' تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سُلا دیا اور انہیں کہا:

لَنْ یُّصِیْبَكَ اَذًی

''تمہیں ہرگز کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔''

بہرحال حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ تسلی دے کر آپ ﷺ گھر سے نکلے درآنحالیکہ مشرکین آپ (ﷺ) کے راہ پر نظریں جمائے کھڑے تھے' تو آپ ﷺ نے سورۂ یٰسٓ شروع سے پڑھنی شروع کر دی' حتیٰ کہ آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے:

فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ۔ (یٰسٓ:۹)

''اور ہم نے انہیں اوپر سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سُوجھتا۔''

اور مٹی کی مٹھی بھری اور وہ خاک ان پر پھینک دی اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا:

شَاهَتِ الْوُجُوْهُ۔

''تمہارے چہرے بدشکل ہوں۔''

تو ان کو نیند آ گئی اور آپ ﷺ اپنے رستے سے نکل گئے اور وہ دیکھ ہی نہ سکے اور نہ ہی انہیں احساس ہوا' دوسرے دِن جب انہیں اطلاع ملی کہ بے شک محمد (ﷺ) تو جا چکے ہیں اور وہ دیکھ بھی نہیں سکے نیز آپ ﷺ نے خاک کی مٹھی ان پر پھینک دی ہے تو وہ اپنے اپنے سَروں سے مٹی جھاڑنے لگے اور خائب و خاسر واپس لوٹے' اور آپ ﷺ کو کچھ اذیت نہ پہنچا سکے۔ (طبقات ابن سعد:۱/۲۲۷)

یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ مادّیہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا

ہے اور اپنے پیارے نبی ﷺ کو اپنی نعمت یاد دِلائی ہے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ۔ (الانفال:۳۰)

"اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کرلیں یا شہید کردیں یا نکال دیں اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔"

یعنی دار الندوہ میں کفار جب آپ آنحالیکہ مشرکین آپ (ﷺ) کے راہ پر نظریں جمائے کھڑے تھے' تو آپ ﷺ کو خوب اذیت پہنچانے کیلئے مشورہ کر رہے تھے کہ وہ تمہیں قید کردیں یا بایں طور تمہیں قتل کردیں کہ سب کی تلواریں بیک جنبش آپ پر پڑیں' تو اس طرح قبائلِ عرب میں ان کا خون بہا تقسیم ہو جائیگا اور بنو ہاشم بھی سب کے ساتھ لڑ نہیں سکیں گے اور تمہاری دیّت ہی قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے' جبکہ یہ رائے ابوجہل لعنۃ اللہ علیہ کی تھی جس کی تائید شیخ نجدی لعنۃ اللہ علیہ نے کی' یا یہ کہ تمہیں تیز رَو اونٹ پر بٹھا کر مکہ سے نکال دیں' اور تجھے یوں اپنے مکروفریب کا نشانہ بنائیں' تو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر نے ان کے سارے عزائم خاک میں مِلا کر رکھ دیئے اور تمہیں نجات بخشی اور انہیں رُسوا کیا' اور اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر قادر ہے۔

سُنّتِ الٰہیہ اور اکرامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنّتِ جاریہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے رسول کا مقابلہ کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے رسول کی حیاتِ ظاہری ہی میں ہلاک کر

دیتا ہے، تا کہ ان کی ہلاکت سے اللہ کے رسول کا سینہ ٹھنڈا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قومِ نوح کو طوفان سے، قومِ ہود کو چیخنے کے عذاب سے، قومِ صالح کو سخت ٹھنڈی ہوا سے، قومِ لوط کو سنگ باری سے، قومِ شعیب کو تنگ سایہ کے عذاب سے، فرعون کو غرق سے اور قارون کو خسف (زمین میں دھنسنا) سے ہلاک کر دیا اور ان کے علاوہ اور بھی قومیں اسی طرح کے عذاب سے دو چار ہوئیں۔

لیکن جب ہمارے نبی مکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے محض آپ ﷺ کی عزت افزائی کیلئے سنگ باری، شکلیں بگڑنا، زمین میں دھنسنا اور عذاب کی دیگر وہ ساری قسمیں اٹھا لیں یعنی ختم کر دیں جن سے پہلی اُمتوں کو عذاب دیا جاتا تھا، یہ محض آپ ﷺ کی عزت افزائی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے وجود مبارک کو نزولِ عذاب کیلئے مانع ٹھہرا دیا کہ آپ ﷺ کی اُمت پر ایسے عذاب نازل نہیں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار کے مطالبہ پر بھی اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل نہیں فرمایا۔

مطالبۂ کفّار اور مقصودِ خدا جل جلالہٗ

کفار کے مطالبہ کو قرآنِ حکیم نے واشگاف الفاظ میں بیان فرمایا:

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ (الانفال:۳۲)

"اور جب بولے کہ اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا کوئی دردناک عذاب ہم پہ لا۔"

یعنی کفارِ مکہ نے کہا کہ اگر یہ قرآن تیری طرف سے حق نازل ہوا ہے تو ہم پر خسف اور غرق جیسا عذاب نازل فرما' یہ ان کے بغض و عناد اور مقابلہ کرنے کی انتہاء تھی۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے عذاب نازل نہ کرنے کی حکمت سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا: کہ

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيهِمْ ۔

''اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔''

یعنی اے پیارے تمہارا وجود اس نزولِ عذاب کو مانع ہے جس کا کفار مطالبہ کرتے ہیں' کیونکہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں مہلت دی جائے تاکہ تمہارا مشن پورا ہو اور تمہارا دین غالب آئے۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں ایسا عذاب دے گا جس سے ان کا بالکلیہ خاتمہ نہیں ہو گا' اور اس کا ظہور یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد میں اپنے محبوب ﷺ کی ملائکہ سے مدد کی اور کفار کو ذِلت و رسوائی سے دوچار کیا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ (التوبۃ: ۱۴' ۱۵)

''تو ان سے لڑو اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں اور انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر مدد دے گا اور ایمان والوں کا جی ٹھنڈا کرے گا اور ان کے دِلوں کی گھٹن دُور فرمائے گا۔''

بہرحال اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا یہ فرمانِ عالیشان ہے: کہ

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔

"اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔"

تو یہ نزولِ عذاب کا دوسرا مانع ہے کہ وہ اپنے طواف میں کہتے ہیں کہ "غفرانك غفرانك" (تو بخش دے تو بخش دے) لہٰذا یہ امر بھی نزولِ عذاب کیلئے رکاوٹ ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حرم میں دورانِ طواف استغفار کرتے ہیں، لیکن یہ سبب دائمی نہیں ہے بلکہ اس وقت تک ہے جب تک یہ مکہ میں موجود رہیں اور طواف و استغفار کرتے رہیں، اور جب اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دینے کا ارادہ فرمائے گا تو انہیں بدر کی طرف نکال دے گا، جہاں انہیں ذِلت و رسوائی کے علاوہ قید اور قتل سے دوچار ہونا پڑے گا، پھر لگاتار ان پر مصیبتیں آتی رہیں یعنی آئے دِن غزوات میں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مکہ کو فتح کردے گا اور اسے شرک اور مشرکین سے پاک کردے گا۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ کفار کے استغفار کی جانب میں نفی مؤکد نہیں، اور نبی ﷺ کی جانب میں لامِ جحود ا۔ سے مؤکد ہے، جو اس بات کی اطلاع ہے کہ خسف، غرق اور مکمل تباہی جیسا کہ عذاب اُمت محمدیہ میں ہمیشہ کیلئے منع ہے۔ ہاں قربِ قیامت اس اُمت کے بعض افراد کیلئے مَسخ کا وقوع احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جو ان کے شراب، زنا اور بعض منکرات کو حلال قرار دینے کی وجہ سے ہوگا، جیسا کہ "سنن الترمذی، کتاب الفتن" میں ہے۔

جیسا کہ اِکّادُکّا ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن میں سے تین کو مَیں جانتا ہوں: (مؤلف)

ا۔ لامِ جحود پر وہ لام ہے جس سے پہلے "مَا کَانَ" یا "لَمْ یَکُنْ" ہو جیسا کہ اس شعر میں ہے:

i۔ ایک واقعہ کو میں نے اپنی کتاب "واضح البرھان علی تحریم الخمر فی القرآن" میں ذکر کیا ہے۔

ii۔ اور دوسرے کو علامہ ابو عبد اللہ محمد بن نعمان تلمسانی نے اپنی کتاب "مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الاغام فی الیقظۃ و المنام" میں ذکر کیا ہے۔

و کل لام قبلها ما کان

او لم یکن فللجحود بانا

iii۔ اور تیسرے کو امام شعرانی نے "المنن الکبریٰ" کے بارہویں (۱۲) باب میں ذکر کیا ہے۔ اور ان تینوں واقعات کا سبب ایک ہی ہے اور وہ شیخین (ابوبکر و عمر) رضی اللہ عنہما کو گالی دینا ہے۔

مالِ غنیمت

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۔ (الانفال:٦٨)

"تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال پاکیزہ۔"

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے تصریح فرما دی کہ اُمتِ محمدیہ کیلئے مالِ غنیمت حلال ہے، اور یہ بھی ہمارے نبی ﷺ کا خاصہ ہے جس سے آپ ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ ہم سے پہلی اُمتوں کو جب مالِ غنیمت ہاتھ آ جاتا تو اسے وہ ایک جگہ پر اکٹھا کرتے، تو آسمان سے آگ آتی اور اسے کھا جاتی۔ صحیحین کی حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے ایسے ہی بیان فرمایا ہے۔

۸۔ سُورۃ التَّوبَة

اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ سے وعدۂ نصرت

حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو غزوۂ تبوک کیلئے بلایا' درآنحالیکہ مسلمان سخت قحط سالی کا شکار تھے اور گرمی کی شدت تھی' تو ان پر جہاد کیلئے نکلنا گراں گزرا اور بیشتر لوگ سفرِ جہاد سے محروم رہے' تو اللہ تعالیٰ نے اس سستی پر انہیں سخت ملامت کی اور اُخروی نعمتوں کی طرف توجہ دلائی اور دنیاوی ساز و سامان کی حقارت بیان کی' نیز آئندہ انہیں ایسا کرنے پر دردناک عذاب کی وعید سنائی اور ان پر واضح کیا کہ اگر تم میرے محبوب ﷺ کے ساتھ جہاد کیلئے نہ بھی نکلو تو اسے کچھ نقصان نہیں ہوگا اور میری مدد اس کے شاملِ حال رہے گی اور یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کوئی اَور قوم لانے پر بھی قادر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ یاد دِلا کر ان پر واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے محبوب کو تنہا نہیں چھوڑتا جیسا کہ ہجرت کے موقع پر جب کفار نے آپ ﷺ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا' جبکہ انہوں نے دار الندوہ کی میٹنگ میں آپ ﷺ کے قتل کا پختہ عزم کر لیا' بالآخر آپ ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جبلِ ثور کی غار میں پناہ گزیں ہوئے' اور کفار غار کے دہانے پہ کھڑے ہو کر ان دونوں کے بارے گفتگو کر رہے تھے' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اگر ان میں کوئی اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو ہمیں دیکھ لے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے'

اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان پر اطمینان نازل فرمائے رکھا اور ملائکہ سے ان کی مدد کی۔لہٰذا اللہ تعالیٰ ایسے مشکل وقت میں بھی اپنے حبیب ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑا بلکہ خوب مدد فرمائی اور کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔

لہٰذا اے وہ مسلمانو جو غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے اگر تم آئندہ بھی نہ جاؤ تو میری مدد بہر حال نبی کریم ﷺ کے شاملِ حال ہے، اور تمہیں خسارہ اٹھانا پڑے گا۔تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ جب میرا رسول اللہ ﷺ تمہیں دعوتِ جہاد دے تو فوراً لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو جاؤ، اور کسی طرح کی ڈھٹائی کا مظاہرہ نہ کرو۔اور اس صورتِ حال کو قرآنِ حکیم نے ذکر کیا ہے۔چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا ۔

(التوبة:۳۸،۳۹،۴۰)

”اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے کہ خدا کی

راہ میں کوچ کرو تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو کیا تم
نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کر لی اور جیتی دنیا کا
اسباب آخرت کے سامنے نہیں مگر تھوڑا اگر نہ کوچ کرو گے تو
تمہیں سخت سزا دے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ لے آئے گا
اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔
اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی
جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا
صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے یار
سے فرماتے تھے غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ
نے اس پر اپنا سکینہ اتارا اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم
نے نہ دیکھیں۔"

بس اس سارے بیان میں امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حضور نبی کریم ﷺ سے تمام مواقع پہ مدد کرنے کا وعدہ ہے، جیسا کہ سورۂ نساء پر پہلے گذر گیا، اور یہ ہمارے آقا و مولیٰ رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے۔

منافقین کو اجازت دینے کی وجہ

حضور نبی کریم ﷺ نے جب غزوۂ تبوک کیلئے پختہ عزم کر لیا تو بعض منافقین نے آپ ﷺ سے جہاد کیلئے جانے سے معذرت کی اور کچھ عذر بھی ظاہر کئے، تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی، چنانچہ اجازت دینے کے درج ذیل دو اسباب تھے:

۱۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف اس بارے میں کوئی

امر فرمایا تھا نہ نہی۔

۲۔ اور یہ بھی وارد نہیں ہوا تھا کہ انہیں اپنے ساتھ نکلنے پر مجبور کیا جائے' کیونکہ کبھی کبھی ان کا بغیر رضا مندی کے نکلنا نقصان دِہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر واضح کر دیا کہ بہتر یہی ہے کہ آپ انہیں اجازت نہ دیا کریں' کیونکہ سچے اور جھوٹے کا انکشاف اسی امر پر مبنی ہے' اور وہ جو عذر پیش کریں انہیں قبول نہ کیا کرو تا کہ ان کا باطنی حال واضح ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۔ (التوبۃ:۴۳)

"اللہ تمہیں معاف کرلے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے۔"

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ کا صحیح مفہوم

عربوں کی عادت ہے کہ وہ کلام کا آغاز اس طرح کے جملوں یعنی عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ......' غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ...... اور جَعَلْتُ فِدَاكَ وغیرہ سے کیا کرتے ہیں' جس سے مقصود صرف مخاطب کی عزت و تکریم ہوتی ہے جبکہ وہ ایک عظیم القدر شخصیت ہو' نہ کہ وہ جملہ کے معنی وصفی کا قصد کرتے ہیں۔

لہٰذا مذکورہ آیہ کریمہ اسی اسلوبِ عربی کے مطابق محض نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم کا فائدہ دیتی ہے' نہ یہ کہ اس سے کوئی عتاب وغیرہ مراد ہے لہٰذا ایسا

خیال کرنا فقط غلط وہم ہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کسی امر کی مخالفت کی نہ نہی کی' لہٰذا ایسے معنی کا مستحق وہ واہم ہی ہو سکتا ہے۔

بقیہ آیہ مقدسہ میں واضح ہے کہ اے محبوب تم نے انہیں کیوں اذن دیا جب تک سچوں اور جھوٹوں کا انکشاف نہ ہوا تھا' تو یہ بیانِ مذکور کا محل اور مقصد ہے اور اذن نہ دینے کی فضیلت ہے اور وہ بھی سیاسۃً' دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ آیہ کریمہ کا اسلوب اس امر کو مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ان کی تعظیم کا لحاظ رکھا۔

منافقین کی ناشائستہ گفتگو اور قرآن

منافقین حضور نبی کریم ﷺ کے بارے ناشائستہ باتیں کیا کرتے تھے تو بعض نے کہا کہ اپنے اس کلام کو راز میں رکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری باتیں آپ تک پہنچ جائیں اور ہمارا بُرا ہو۔ تو جُلاس بن سوید نے کہا کہ ہم مرضی سے خوب باتیں کریں گے ہاں جب ان کے پاس جائیں گے تو مُکر جائیں گے اور قسم اٹھا دیں گے' کیونکہ محمد (ﷺ) تو محض کان ہیں کہ جو قسم کے ساتھ کہہ دیں گے وہ مان لیں گے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ' نے منافقین کو رُسوا کرتے ہوئے اور اپنے پیارے نبی ﷺ کا دِفاع کرتے ہوئے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

وَ مِنْهُمُ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ وَ یَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ یُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔

''اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ ان غیب کی خبریں دینے والے کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ تو کان ہیں۔ تم فرماؤ تمہارے بھلے کیلئے کان ہیں اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمانوں کی باتوں پر یقین کرتے ہیں اور جو تم میں مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں اور جو رسول اللہ کو ایذاء دیتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔''

منافقین کا حضور پُرنور شافع یوم النشور ﷺ کو ایذاء دینا یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے عیب تلاش کرتے' ان کی اس مذموم سعی سے بڑا رنج ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا وصفِ نبوت سے ذکر فرمایا جو آپ ﷺ کی عزت وتکریم پر دال ہے اور ان کی اذیت کی نہایت قباحت کی تصویر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کو اذیت دینا جمیع لوگوں کو اذیت دینے سے قبیح ہے' اس لئے کہ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کو اذیت دینا ہے۔

جب انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ گفتگو کو راز میں رکھا جائے جس پر جُلاس بن سوید نے کہا کہ وہ کان ہی ہیں یعنی جو بات سنتے ہیں قبول کر لیتے ہیں تو ہم بھی قسم اٹھا دیں گے کہ ہم نے ایسا نہیں کہا تو وہ ہماری تصدیق کر دیں گے' اس سے ان کا مقصود حضور ﷺ کو غفلت سے موصوف کرنا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رَد اور اپنے حبیب ﷺ کا دِفاع کیا اور فرمایا: اے پیارے فرما دو کہ وہ کان ہی ہیں لیکن بھلائی کو سننے والے ہیں اور شر سے اِعراض کرتے ہیں اور یہ اعراض محض تکرماً ہے' اور بلاشبہ وہ ایمان والوں کی خبر کی تصدیق کرتے ہیں نہ کہ منافقین کی' البتہ تمہارے ساتھ یہ نرمی برتتے ہیں کہ تمہاری راز کی باتوں کا انکشاف نہیں کرتے'

بہر حال تمہاری تصدیق نہیں کرتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین کو یہ وعید سنائی کہ جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے یہ وعید انہیں فرمائی ہے جو رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچائیں، اس آیہ کریمہ کا جب اس آیت سے موازنہ کریں جس میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کا ایذاء دینا مذکور ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حبیب اللہ کا رتبہ کلیم اللہ کے رتبہ سے کس قدر زائد ہے۔ چنانچہ وہ آیہ مقدسہ یہ ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِىْ وَ
قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ (الصف:۵)

"اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔"

علامہ زمخشری کی گفتگو

سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت کے تحت علامہ زمخشری رقمطراز ہیں کہ "اُذُن" اس شخص کو کہتے ہیں جو ہر سُنی ہوئی بات کی تصدیق کر دے اور ہر ایک کی بات قبول کر لے۔ اور یہ نام ہے اس عضو کا جو سماعت کا آلہ ہے لہٰذا کسی شخص کو اُذُن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ گویا اس کا سارا سراپا ہی سننے والا کان ہے۔ اس کی مثال شعراء کا ربیۂ کو عین (آنکھ) کہنا ہے۔ اور منافقین کا حضور ﷺ کو ایذاء دینا یہی ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو "اُذُن" کہا۔ اور "اُذُن خیر" کا مفہوم ایسے ہی ہے جیسے یہ

قول "رجل صدق" یعنی اس سے جودت اور صلاح مراد ہے گویا کہ جواباً کہا گیا کہ ہاں وہ اُذن ہیں لیکن بہت اچھے اُذن ہیں۔"

"پھر آپ ﷺ کے "اُذُن خیر" ہونے کی تفسیر کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے ہیں اور دلائل سے حجت قائم کرتے ہیں اور مخلص ایمان والوں کی بات قبول کرتے ہیں چاہے وہ مہاجرین ہوں یا انصار۔ اور تم میں سے جو مومن ہیں ان کیلئے وہ رحمت ہیں یعنی اے منافقو جو تم میں سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں، یعنی وہ تمہارا کلام سنتے ہیں اور تمہارے ظاہر ایمان کو قبول کر لیتے ہیں، تمہاری راز کی باتوں کا انکشاف نہیں فرماتے اور نہ ہی تمہیں رُسوا کرتے ہیں، اور تمہارے ساتھ مشرکین جیسا سلوک نہیں کرتے اور اس مصلحت کا لحاظ کرتے ہیں جو تمہارے باقی رکھنے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، بہر حال تمہارے قول کے مطابق وہ اُذن ہی ہیں لیکن بھلے کان ہیں بُرے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے ان کا قول تسلیم کر لیا مگر اس کی ایسی تفسیر کی جو آپ ﷺ کی مدح و ثناء کی آئینہ دار ہے، اگر چہ اس سے ان کا مقصود آپ ﷺ مذمت و تقصیر تھا۔ پس اللہ کریم جل شانہ، نے واضح کر دیا کہ یقیناً آپ ﷺ سلیم القلب اور عظیم المرتبت ہیں۔" یہ تفسیر نفیس ہے۔ (مؤلف)

نبی کریم ﷺ میں عیب کفر ہے

منافقین کے اس کلمہ ایذاء کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہ، نے فرمایا:

وَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا۔ (التوبۃ: ۷۴)

"اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بے شک ضرور
انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آ کر کافر ہو گئے اور وہ
چاہا تھا جو انہیں نہ ملا۔"

اللہ تعالیٰ جل مجدۂ الکریم نے واضح فرمایا کہ وہ تو قسمیں اٹھاتے ہیں کہ ہم نے آپ پر طعن نہیں کیا اور نہ ہی کوئی عیب جوئی کی ہے' یہ جو تمہارے تک خبر پہنچی اس سے ہم بری ہیں۔ لیکن بلاشبہ انہوں نے کفر کی بات کہی ہے' وہ یہ ہے کہ جُلاس نے کہا کہ اگر محمد (ﷺ) اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ہم گدھے سے بھی بُرے ہیں' اور عبداللہ بن ابی بن سَلول نے کہا کہ اگر ہم مدینہ واپس پہنچ گئے تو ضرور عزت والا مدینہ سے ذِلت والے کو نکال دے گا۔ لہٰذا آیت کا مفاد یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ میں عیب کفر ہے اور سورۂ نساء میں بھی یہ گذر گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے یعنی اسلام لانے کے بعد کفر کا اظہار کر دیا (اور وہ کفر "نبی کریم ﷺ میں عیب کا بیان کرنا ہے")۔ کیونکہ وہ منافقین ہیں اور نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کا پروگرام انہوں نے تبوک سے واپسی پر لیلۃ العقبۃ کو بنایا اور یہ بارہ افراد تھے جنہوں نے یہ ناپاک منصوبہ بنایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس منصوبے سے اپنے پیارے نبی ﷺ کو آگاہ کر دیا' جس سے ان کی ساری سازش خاک میں مل کر رہ گئی۔

اور یہ ایسا امر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مختص فرمایا کہ آپ کو دشمنوں کی تدابیر اور مکروفریب سے آگاہ فرما دیتا ہے' جس کی وجہ سے وہ اپنے مقصود تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور خائب وخاسر ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔ جبکہ کثیر انبیاء علیہم السلام اپنے دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوئے' جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ كَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۔ (آلِ عمران: ۱۴۶)

قَاتَلَ کو مبنی للمجہول پڑھنے کی صورت میں " کتنے ہی نبی شہید کئے گئے۔"

مذکورہ آیت سے فعل کی بناء للمجھول کی تقدیر پر استدلال کیا گیا کہ کثیر انبیاء علیہم السلام کو دشمنوں نے شہید کیا' جبکہ صریح آیات اس امر پر شاہد ہیں مثلاً:

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ (البقرۃ:۹۱)

" تم فرماؤ کہ پھر اگلے انبیاء کو کیوں شہید کیا اگر تمہیں اپنی کتاب پر ایمان تھا۔"

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۔ (البقرۃ:۶۱)

" یہ بدلہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے۔"

وغیرھما .... مترجم زاہد غفرلہٗ)۔

مدحِ رسول اللہ ﷺ کا ایک انداز

منافقین کا حضور ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا (العیاذ باللہ) اور طرح طرح کی ہرزہ سرائی کرنا قرآنِ حکیم نے بیان کیا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے " تاکید المدح بمایشبہ الذم" کے اسلوب سے حضور ﷺ کا بے عیب ہونا بیان فرمایا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ (التوبۃ:۷۴)

"اور انہیں کیا بُرا لگا یہی نہ کہ اللہ و رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔"

یعنی اللہ اور اس کے رسول نے انہیں مالِ غنیمت سے تونگر کر دیا جبکہ وہ سخت مفلسی اور فاقہ کا شکار تھے' لہٰذا نبی کریم ﷺ نے انہیں کچھ نہیں دیا سوا تونگری کے' اور بلاشبہ تونگری بہر حال محبوب ہوتی ہے۔ تو یہ آیت "تاکید المدح بما یشبہ الذم" کے قبیل سے ہوئی جو بلاغت کی ایک مشہور قسم ہے' گویا کہ یوں کہا گیا کہ نبی کریم ﷺ میں کوئی عیب نہیں سوا اس کے کہ آپ ﷺ نے انہیں فاقہ و تنگدستی کے بعد دولت مند کر دیا۔ اور در حقیقت یہ کوئی عیب نہیں بلکہ کرم نوازی ہے' لہٰذا حضور نبی کریم ﷺ میں کوئی عیب نہیں۔

رحمتِ باری تعالیٰ کی آغوش میں

قبیلہ مزینہ اور جہینہ کے لوگ مسلمان تھے جو اپنے مال جہاد وغیرہ میں خُوب خرچ کرتے تھے محض اس نیت سے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ثواب اور نبی کریم ﷺ سے دُعائیں حاصل ہوں' تو ان کے حق میں اللہ تعالیٰ جل شانہ' نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبۃ:۹۹)

"اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے
ہیں اور جو خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے
دُعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں ہاں ہاں وہ ان کیلئے باعث قرب
ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل کرلے گا بے شک اللہ
بخشنے والا مہربان ہے۔"

معلوم ہوا کہ اس نیت سے خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت یعنی جنت میں داخل فرماتا ہے۔ نیز آیت کا مفاد یہ ہوا کہ فرمانبرداری کے عمل سے نبی کریم ﷺ کی دعا حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربت کا ایسا ذریعہ ہے جو اس کی رضا کا موجب ہے، اور اس مفہوم کی تاکید اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ عالیشان سے ہوتی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ
بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ
اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ (التوبۃ: ۱۰۳)

"اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم
انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دُعائے خیر کردو بے
شک تمہاری دُعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔"

بے شک حضور ﷺ کی دعا دلوں کا چین ہے اور رحمت کا مژدہ ہے۔
بہرحال آخری جملہ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعا کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سماعتِ قبولیت حاصل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنی جانوں پر ترجیح دینا واجب ہے

جو ایمان والے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے ان کی توبہ قبول کرنے کی خبر دینے کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا:

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ (التوبۃ:۱۲۰)

"مدینہ والوں اور ان کے گرد دیہات والوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ سے پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ اُن کی جان سے اپنی جان پیاری سمجھیں۔"

یعنی ان کیلئے جائز نہیں، یہ نہی ہے خبر کی صورت میں، جو اس امر کی تاکید اور ثبوت پر دال ہے۔ اور اس سے اخذ ہوتا ہے کہ ایمان والوں پر واجب ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو اپنی جانوں پر ترجیح دیں، کیونکہ یہ ذات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں برگزیدہ ہے۔

مصطفی ﷺ جانِ رحمت

اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کا ارشادِ گرامی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبۃ:۱۲۸)

"بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے

نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔"

حسین [1] بن فضل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کیلئے اپنے اسماء میں سے دو نام جمع نہیں کئے سوا حضور نبی کریم ﷺ کے' کہ ان کا نام "رَءُوف رَحِیمٌ" رکھا' جبکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں وارد ہے: کہ

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔ (الحج:۶۵)

"بے شک اللہ آدمیوں پر بڑی مہر والا مہربان ہے۔"

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نام "نُور" بھی رکھا جیسا کہ پہلے گذر گیا' جبکہ قرآنِ حکیم میں وارد ہے: کہ

اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (النور:۳۵)

"اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔"

اسی طرح آپ ﷺ کا نام کریم بھی ہے جیسا کہ سورہ الحاقّۃ میں ہے: کہ

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۔ (الحاقّۃ:۴۰)

"بے شک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں۔"

جبکہ کریم اسمائے حُسنیٰ میں سے ہے۔اور اسی طرح سورۃ الدّخان میں آپ ﷺ کا نام "مُبِین" بیان ہوا' چنانچہ آیہ مقدسہ یہ ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ۔ (الدُّخان:۱۳)

"حالانکہ ان کے پاس صاف بیان فرمانے والا تشریف لا چکا۔"

1۔ حسین بن فضل بن عمیر' ابو علی بجلی کوفی ہیں' جو لُغت کے امام ہونے کے علاوہ عظیم محدث اور مفسر بھی ہیں' نیز معانی القرآن میں اپنے دَور کے امام تھے۔اور ۲۸۲ھ ہجری کو نیشاپور میں ان کی وفات ہوئی۔حوالہ کیلئے (سیر اَعلام النبلاءَ: ۱۳ / ۴۱۴) دیکھئے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: کہ

وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ۔ (النور:۲۵)

"اور جان لیں گے کہ اللہ ہی صریح حق ہے۔"

۹۔ سُورۃ یُونس

قرآن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معجزہ ہے

مشرکین نے قرآن کریم کی تکذیب کی اور اسے اِفتراء سمجھا تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے ان کے رَد میں یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (یونس:۳۷،۳۸)

"اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنا لے اللہ کے اتارے ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں ہے پروردگارِ عالم کی طرف سے ہے کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے بنا لیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی کوئی ایک سورت لے آؤ

اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

قرآن عظیم کی یہ شان ہے کہ کوئی بشر اس جیسا کلام نہیں بنا سکتا خواہ وہ جمیع لوگوں سے بڑھ کر فصیح و بلیغ ہو اور قرآن اللہ تعالیٰ کے احکام' غیوب' اخبار اور حقائقِ علوم کو بیان کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل دعویٰ کی تصریح فرمائی کہ ان کا کہنا ہے کہ یہ محمد (ﷺ) کا خود ساختہ ہے' تو اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں چیلنج دیا کہ ایک ایسی سورت پیش کرو جو قرآن کی طرح فصاحتِ تراکیب' بلاغتِ اسالیب' احکامِ مبانی اور علوِ معانی پر مشتمل ہو اور اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو یعنی یہ کر دکھاؤ اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ یہ قرآن محمد (ﷺ) کا خود ساختہ ہے۔ یقیناً وہ ایسا نہ کر پائے اور نہ ہی قیامت تک کر سکتے ہیں' کیونکہ قرآن قدرتِ بشر سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف انواع سے قرآن کی مثل لانے کا چیلنج دیا اور انہیں عاجز کر دکھایا' مثلاً پہلے پورے قرآن کی مثل پیش کرنے کا اعلان فرمایا اور ان کے عجز کا بھی فیصلہ فرما دیا' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۔ (الاسرآئ:۸۸)

"تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن جیسی دس سورتوں کا مطالبہ کیا اور فرمایا:

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ ۔ (ھود:۱۳)

''تم فرماؤ کہ تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ۔''

ان کی اس پسپائی کے بعد فرمایا چلو اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ جیسا کہ مذکورۃ الصدر آیہ مقدسہ میں مذکور ہے۔اور یہ چیلنج چھوٹی سی سورت کو بھی شامل ہے جیسے سورۂ کوثر۔ بالآخر انہیں اس جیسی ایک بات ہی بنا لانے کا چیلنج کیا' جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ۔ (الطور: ۳۴)

''تو اس جیسی ایک بات تو لے آئیں۔''

یہ دعویٰ قرآنِ حکیم کے کثیر اور قلیل سب کو شامل ہے اور یہ سورت اور قرآن کے چیلنج سے عام ہے۔

اور یہ سب کچھ حضور نبی کریم ﷺ کی فضیلت کے اظہار کیلئے ہے۔کیونکہ قرآن حضور ﷺ کے جمیع معجزات سے بڑا معجزہ ہے اور یہ ہمیشہ باقی رہے گا جب تک زمین و آسمان کی بقاء ہے۔

۱۰۔ سورۃ الرعد

نکاح کرنا زُہد کے منافی نہیں

اہلِ کتاب نے حضور نبی کریم ﷺ کو کثرتِ زوجات کا عیب لگایا اور کہا کہ اگر یہ نبی ہوتے تو عورتوں سے درگذر کرتے اور زاہدانہ زندگی بسر کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مقدسہ سے ان کا رد فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ

اَزْوَاجاً وَّذُرِّيَّةً۔ (الرعد:۳۸)

”اور بے شک ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور ان کیلئے بی بیاں اور بچے کئے۔“

جیسے حضرت ابراہیم' یعقوب' داؤد اور سلیمان علیہم السلام۔ تو نبی کریم ﷺ کا یہ عمل کوئی انوکھا نہیں جو پہلے انبیاء علیہم السلام سے واقع نہ ہوا ہو۔ اور نکاح کرنا زُہد کے منافی نہیں۔ البتہ کھانے پینے کی جائز اشیاء وغیرہ میں زیادہ وسعت کرنا زُہد کے منافی ہے۔

اور حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی تو کفایت شعاری اور قناعت پسندی کی آئینہ دار ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی سیرت سے واضح ہے۔ آپ ﷺ کے ایک ایک دو دو مہینے ایسے گذر جاتے کہ گھر میں کچھ پکانے کیلئے آگ نہ جلتی' سوا کھجور اور پانی کے کچھ میسر نہ ہوتا' جیسا کہ صحیح بخاری ”الرقاق“ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور صحیح مسلم ”الزہد“ میں بھی مروی ہے۔ اور حضور ﷺ کے پاس جو غنیمت وغیرہ کے اموال آیا کرتے تھے تو آپ ﷺ انہیں تقسیم فرما دیتے اور خود بھوک کی حالت میں رات بسر کرتے۔ اور جب کوئی سائل آتا اور گھر میں اسے دینے کیلئے کچھ نہ پاتے تو اسے فرماتے کہ میرے کھاتے سے قرض لے لو' جیسا کہ امام ترمذی نے ”الشمائل“ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور بغوی نے ”الانوار“ میں اور حافظ ہیثمی نے (مجمع الزوائد: ۱۰/ ۲۴۴) میں نقل کیا اور اسے ”بزار“ کی طرف منسوب کیا۔

بہر حال آپ ﷺ کی بھوک پر دال کثیر احادیث ہیں جن میں سے ایک ہدیہ قارئین ہے' اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ يَبِيْتُ اللَّيَالِي الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا وَّاَهْلُهٗ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً ۔

(رواه الترمذی فی الزهد)

"رسول اللہ ﷺ مسلسل کئی راتیں بھوک میں گزار دیتے اور آپ ﷺ کے اہلِ خانہ کے پاس رات کا کھانا نہ ہوتا۔"

اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے"

اور حضور پُرنور شافع یوم النشور ﷺ اس حالت میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے کہ آپ ﷺ کا کوئی مکان نہ تھا سوائے اس گھر کے جس میں رہتے تھے اور نہ ہی کوئی دینار چھوڑا اور نہ ہی درہم۔ جیسا کہ صحیح بخاری کے کتاب الوصایا اور کتاب الجہاد میں عمرو بن حارث خزاعی کی حدیث سے واضح ہے۔

حضور ﷺ کا اضطراب

آپ ﷺ کے احوال مبارکہ میں سے عجیب تر ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں کچھ اموال آئے تو آپ ﷺ نے انہیں تقسیم کر دیا۔ اور کچھ دراہم جو دس سے کم تھے باقی رہ گئے اور تقسیم نہ کر سکے' تو اس رات آپ ﷺ مسلسل بے چین رہے اور عائشہ سے کہا کہ (مَالِی؟) مجھے کیا ہے؟ حتیٰ کہ آپ ﷺ کو وہ باقی رہنے والے دراہم یاد آئے' تو آپ ﷺ نے اسی وقت وہ کسی مستحق کی طرف بھیج دیئے' اور فرمایا:

مَا كَانَ ظَنُّ مُحَمَّدٍ بِرَبِّهٖ اَنْ يَّنَامَ وَفِيْ بَيْتِهٖ هٰذِهِ الدَّرَاهِمُ ۔

"محمد (ﷺ) کا اپنے ربّ کے ہاں یہ مقام نہیں کہ وہ سو جائے اور یہ دراہم اس کے گھر میں ہوں۔"

(امام احمد نے "المسند: ۸۶/۴" میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسے روایت کیا، اور اس کے سب رجال ثقہ ہیں، اور البانی نے "الصحیحہ ص ۱۰۱۴" میں اس کی تصحیح کی۔)

بہرحال وہ دراہم مستحق کو دے دینے کے بعد آپ ﷺ گہری نیند سو گئے۔ حضرات! اب وہ کونسا زُہد ہے جو اس کے مساوی ہو سکے یا قریب تر؟

کفار و مشرکین کے مزید دعاوی

کفار و مشرکین نے آپ ﷺ کے نبی نہ ہونے پر مختلف دعاوی کئے جیسا کہ پہلے گذر گیا کہ اگر آپ ﷺ نبی ہوتے تو شادی نہ کرتے جس کا اللہ کریم جل شانہٗ نے خوب رَد فرمایا۔ اسی طرح انہوں نے اور بھی اعتراضات کئے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ ﷺ واقعی رسول ہیں تو وہ نشانیاں لے آئیں جن کا ہم مطالبہ کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا اس فرمانِ ذیشان سے رَد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّأْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔

(الرعد: ۳۸)

"اور کسی رسول کا کام نہیں کہ کوئی نشانی لے آئے مگر اللہ کے حکم سے۔"

کیونکہ رُسل کرام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے ارادہ کے علاوہ

کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے۔

۲۔ نیز انہوں نے کہا کہ اگر آپ ﷺ سچے رسول ہیں تو ہم پر وہ عذاب آئے جس کا ہم سے اس کی تکذیب کے بدلے وعدہ کیا گیا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے اس فرمان کے ساتھ ان کا رد فرمایا:

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۔ (الرعد:۳۸)

''ہر وعدہ کی ایک لکھت ہے۔''

یعنی وہ عذاب مقررّہ مدت کی انتہاء پر نازل ہوگا جس کا ان سے وعدہ کیا ہوا ہے۔اور غزوۂ بدر وخیبر وغیرہ میں اس کا حصول ہوا۔

۳۔ اسی طرح انہوں نے یہ اعتراض بھی کیا کہ وہ احکام منسوخ کیوں ہوئے جو تورات وانجیل میں موجود تھے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں فرمایا:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَ عِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ ۔ (الرعد:۳۹)

''اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے۔''

یعنی ان پر واضح فرمایا کہ اُمّ الکتاب یعنی لوحِ محفوظ اللہ تعالیٰ کے پاس جو مذکورہ کتابوں پر مشتمل ہے اور ان کے منسوخ اور ثابت احکام اس میں درج ہیں' اور یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے چاہے منسوخ کرے چاہے ثابت رکھے' کسی کو اس میں بحالِ مقال نہیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ

"بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے لوحِ محفوظ میں۔"

پس ان چار آیات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کفار کے شُبہ اور دعاوی کی تردید فرمائی، اس کے بعد ان کا ایک پانچواں دعویٰ ذکر کیا اور اس کا رد فرمایا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۔ (الرعد:۴۳)

"اور کافر کہتے ہیں تم رسول نہیں تم فرماؤ اللہ گواہ کافی ہے مجھ میں اور تم میں اور وہ جسے کتاب کا علم ہے۔"

یعنی یہود و نصاریٰ میں سے کتاب جاننے والے منصفین بھی آپ ﷺ کی رسالت کے گواہ ہیں۔ اس سے خوب معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی ﷺ پر کس قدر عنایت ہے کہ وہ آپ ﷺ پر وارد ہونے والے دعووں اور شبہات کی خود تردید فرماتا ہے۔ اور لامحالہ ایسی شان آپ ﷺ سے قبل کسی نبی کو حاصل ہے نہ رسول کو۔

۱۱۔ سُورۃ الحجر

قرآن و سُنّت کی حفاظت

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۹)

"بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اس مبارک کتاب کی حفاظت اپنے ذمہ لی' کہ اس میں کوئی تبدیل وتحریف اور زیادتی ونقصان واقع نہ ہو اور زمانے کی بقاء تک باقی رہے اور تا قیامت مصدرِ سعادت اور چشمۂ عرفان رہے نیز ہر گمراہ و پریشان کو ہدایت بخشتی رہے۔ اور اس میں ہمارے نبی مکرم ﷺ کی تکریم کا پہلو اجاگر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ معجزہ دائمی ہے اور شریعت بھی ہمیشہ باقی ہے۔ جبکہ تورات کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے یہود کے پادریوں کے سپرد کی' جیسا کہ سورۃ المائدۃ میں ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَٱلرَّبَّانِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ۔ (المائدۃ: ۴۴)

"بے شک ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے ہمارے فرمانبردار نبی اور عالم اور فقیہہ کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت چاہی گئی تھی اور وہ اس پر گواہ تھے تو لوگوں سے خوف نہ کرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلے ذلیل قیمت نہ لو اور جو اللہ کے

اُتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔"

یعنی انہوں نے اس کے بیشمار احکام میں تحریف وتغییر کر دی، اور اسی طرح ہی انجیل کے ساتھ ہوا (بلکہ انجیل لکھی ہی نہیں گئی جیسا کہ ابتدائے تعلیقات میں ہم نے اس پر تنبیہ کی .... مؤلف) پس قرآن کریم کے علاوہ تحریف سے محفوظ کوئی سماوی کتاب موجود نہیں۔

علّامہ زمخشری کی تقریر

علّامہ زمخشری کہتے ہیں کہ "اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ" کفار ومشرکین کے اس انکار واستہزاء کا رد ہے جو وہ کہتے تھے جس کی حکایت قرآن کریم نے یوں کی:

يَآ اَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ ۔ (الحجر:٦)

"اے وہ جن پر قرآن اترا۔"

اور اسی طرح "اِنَّا نَحۡنُ" سے ان پر تاکید بیان کی کہ بے شک یہ قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے۔ اور اسے حضرت محمد ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام لے کر آئے ہیں اور آگے پیچھے سے اس کی مکمل حفاظت ہوتی ہے حتیٰ کہ یہ قرآن جمیع شیاطین سے محفوظ نازل ہوا اور پہنچا، اور اللہ تعالیٰ ہر وقت اس میں کمی و بیشی ہونے سے اس کی حفاظت فرماتا ہے اور تبدیل وتحریف نہیں ہونے دیتا، بخلاف پہلی کتابوں کے، کیونکہ ان کی حفاظت کا وہ متولی نہیں بلکہ ان کی حفاظت یہود ونصاریٰ کے اکابر جوگیوں اور پادریوں کے سپرد کی، اور ان کا آپس میں بھی اختلاف ہو گیا جس کی وجہ محض بغاوت تھی، لہٰذا اس طرح ان میں تحریف واقع ہوئی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت غیر کے سپرد نہیں کی۔

ایک شبہ کا ازالہ

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ اگر تو کہے کہ جب ارشاد "اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ" ان کے انکار اور استہزاء کا مسکت جواب ہو گیا تو اس کے متصل "وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ" کے قول کا کیا فائدہ؟ تو میں (زمخشری) اس کے جواب میں کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس امر پر دلیل بنایا کہ پہلی آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل ہوئی ہے کیونکہ اگر یہ کسی بشر کا قول ہوتا یا آیت نہ ہوتی تو اس میں کمی وبیشی کا اِجراء ہو جاتا جیسا کہ قرآن کے علاوہ ہر کلام پر ہو جاتا ہے۔"

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ یہ آیت "دفاع اللہ تعالیٰ عن نبیّه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے قبیل سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے نبی ﷺ کا دِفاع فرمایا۔

حافظ ابن حزم کا استدلال

حافظ ابن حزم مذکورہ آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اسی طرح سُنّت بھی تبدیل وضیاع سے محفوظ ہے۔ اور یہ استدلال ظاہر ہے کیونکہ سُنّت بھی قرآن کی طرح وحی ہی ہے مگر یہ وحی غیر متلو ہے۔ اور اس لئے بھی کہ سُنّت احکام ومعانی کا بیان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ ۔ (النحل: ۴۴)

"اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اُتاری کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو ان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔"

لٰهٰذامُبَیَّن کی طرح بیان کا بھی محفوظ ہونا ضروری ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے سُنّت کی حفاظت کیلئے کچھ لوگوں کا انتخاب فرما دیا جنہوں نے حفاظت وضبط کا حق ادا کر دیا' اور وہ کسی حدیث پہ اس وقت تک صحت کا حکم نہیں لگاتے جب تک وہ تحقیق وتفتیش کے چند مراحل سے گذر نہ لیں' پہلے وہ ایک ایک راوی کو اس کی عدالت وثقاہت کے حوالے سے پرکھتے ہیں اور اس کی اپنے شیخ سے بالمشافہ سماعت پر مطلع ہوتے ہیں' پھر متن حدیث کی طرف نظر کرتے ہیں کہ اس کا معنی نکارت سے اور لفظ شذوذ و ادراج سے محفوظ ہو۔ اگر انہیں اس بارے ادنیٰ شبہ بھی ہو جائے تو وہ اس شبہ کی قوت وضعف کے پیش نظر حدیث پر ضعف' نکارت یا وضع کا حکم لگاتے ہیں۔ جس کی دو مثالیں درج ذیل ہیں:

ا۔ البتہ ایسے لوگوں کی انتہائی تحقیق وتفتیش کے بعد حدیث شریف کا کوئی ایک کلمہ ایسا نکلتا ہے جس پر وضع کا حکم لگاتے ہیں مثلاً یہ حدیث ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ۔

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔"

تو ان ناقدین محدثین نے اس حدیث کے کلمہ "مسلمة" پر وضع کا حکم لگایا ہے کیونکہ وہ اس کی بحث وتفتیش میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ کلمہ (مسلمة) نہیں کہا۔

تخریجِ حدیث

امام طبرانی نے اپنی معاجم میں اس حدیث کو نقل کیا ہے جیسا کہ مجمع

الزوائد (۱/۱۲۰-۱۱۹) وغیرہ میں ہے۔اور امام سیوطی نے ایک خاص رسالہ اس موضوع پر لکھا جس میں انہوں نے اس حدیث کے جمیع طُرُق کو جمع کیا پھر حدیث کو بیان کیا' لیکن ان میں سے کسی ایک طریق میں بھی کلمہ (مسلمة) کا ذکر نہیں۔اس حدیث کے حوالے سے امام سیوطی کے جمع کردہ طُرُق کی تعداد تقریباً پچاس ہے اور خود کہتے ہیں کہ میں اتنے ہی طُرُق پر مطلع ہو سکا۔

حافظ سخاوی مقاصد حسنہ (ص ۲۷۷) میں رقمطراز ہیں کہ اس حدیث کے طُرُق میں کہیں بھی اس کلمہ (مسلمة) کا ذکر نہیں اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے۔

بہر حال اس سلسلے میں دو رسالے قابلِ مطالعہ ہیں ایک ابوالفیض احمد بن صدیق کا رسالہ جس کا نام "المسهم فی طرق حدیث طلب العلم فریضة علی کل مسلم" ہے اور دوسرا امام سیوطی کا رسالہ جو علی حسن علی عبد الحمید کی تحقیق سے شائع ہوا۔۔۔۔مؤلف غفرلہٗ)۔

۲۔ اور اسی طرح درج ذیل حدیث میں کلمہ "ثلاث" کا حکم ہے' چنانچہ حدیث شریف یہ ہے:

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ اَلطِّیْبُ وَ النِّسَآءُ وَ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ۔

"تمہاری دنیا سے مجھے تین چیزیں محبوب ہیں' خوشبو' بیویاں اور نماز میں تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔"

ناقدین محدثین نے اس کے کلمہ (ثلاث) پر بھی سبب مذکور کے پیش نظر وضع کا حکم لگایا ہے۔

تخریج حدیث

امام نسائی نے اسے عشرۃ النسآء ' باب حب النسآء (۷/۶۱) میں، امام احمد نے مسند (۳/۱۲۸) میں، امام حاکم نے مستدرک (۲/۱۶۰) میں اور ابوالشیخ نے ''الاخلاق'' میں اسے نقل کیا، اور امام حاکم نے اسے شرطِ مسلم پر صحیح کہا اور امام ذہبی نے اسے برقرار رکھا۔ اور حافظ سخاوی مقاصدِ حسنہ (ص ۱۸۰) میں اس اضافے (ثلاث) کے بارے کہتے ہیں کہ مزید تفتیش کے بعد بھی اس حدیث کے جمیع طرق سے مجھے یہ اضافہ نہیں ملا، نیز کہتے ہیں کہ علامہ زرکشی نے بھی یہی تصریح کی ہے اور ولی عراقی سے بھی اسی طرح منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ اضافہ معنی کو فاسد کرتا ہے کیونکہ نماز امورِ دنیا سے نہیں .... مؤلف غفرلہٗ)

بہرحال ایسی کئی مثالیں مل سکتی ہیں لیکن ان کا اِدراک وہی کرسکتا ہے جو سُنّتِ مطہرہ کے علوم میں گہری نظر رکھتا ہو، اور سُنّتِ مبارکہ کے خادمین میں سے ہو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی انہیں میں درج فرمائے۔

اے پیارے تیری زندگی کی قسم

اللہ تبارک وتعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا:

لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ (الحجر:۷۲)

''اے محبوب تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔''

''لَعَمۡرُكَ'' کلمہ قسم ہے یعنی تیری زندگی کی قسم۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے

پیارے نبی ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی، جبکہ نہ کسی اور نبی کی زندگی کی قسم کھائی، نہ ہی کسی رسول کی اور نہ ہی کسی فرشتے کو یہ شرف بخشا۔ لہٰذا یہ ایک بہت بڑا شرف جو آپ ﷺ کا ہی نصیبہ ہے اور محتاجِ بیان نہیں۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ "لَعَمْرُکَ" کا معنی کرتے ہیں:

وَحَيَاتِكَ يَا مُحَمَّدُ۔

"اے محمد (ﷺ) تیری زندگی کی قسم۔"

نیز فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ہستی ایسی پیدا نہیں کی جو حضرت محمد ﷺ سے بڑھ کر اس کو عزیز ہو اور آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے علاوہ اس نے کسی کو زندگی کی قسم نہیں کھائی۔

بعض مفسّرین کی لغزش پر تنبیہ

بعض مفسّرین نے کہا کہ اس آیت میں حذف ہے تقدیر عبارت یوں ہے "قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لَعَمْرُكَ........" اور روئے سخن حضرت لوط علیہ السلام کی طرف ہے، مطلب یہ ہوا کہ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی زندگی کی قسم کھائی اس بات پر کہ ان کی قوم بھٹکتی پھرتی ہے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے، امام ابن قیم نے "التبیان فی اقسام القرآن (ص ۲۶۹)" میں اس کا دلائل سے رد کیا ہے۔

اس کے ضعف کی تائید میں ایک امر یہ ہے کہ یہ مفہوم تقدیر عبارت کا محتاج ہے اور عدمِ تقدیر اَولیٰ ہے کیونکہ یہ اصل ہے، نیز یہ کہ جب قرآنِ حکیم میں کلام محتمل ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا فرشتوں سے حکایت ہے یا کسی نبی سے، تو کلام کو پہلی صورت پر محمول کرنا واجب ہے، اور کسی قوی دلیل کے بغیر دوسرا احتمال صحیح نہیں ہوگا۔

نیز مناسب بھی ہے کہ قسم اللہ تعالیٰ کے انشاء سے ہو جس کے ساتھ اس نے افضل المخلوقات کی اپنے ہاں عزت و عظمت ظاہر کی جیسا کہ اس نے دیگر بعض مخلوقات کی قسم کھائی، جس میں ان کی تعظیم ہے یا ان میں پنہاں فوائد اور حکمتوں پر تنبیہ ہے۔

اور نیز یہ کہ آیت کو اس مفہوم پر حمل کرنے سے معنی حُرمت و کراہت کے درمیان دائر ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے غیر کے ساتھ قسم کھانا ہے۔ اگرچہ یہ جائز بھی ہو کہ ملائکہ نے حضرت لوط علیہ السلام کی زندگی کی قسم کھائی، لیکن یہ منقول نہیں۔ علاوہ ازیں ملائکہ علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے زیادہ عارف ہیں تو پھر کس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اَور کے ساتھ حلف اُٹھا سکتے ہیں؟

ایک سوال کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جب شمس و قمر، نجم و ضحیٰ اور لیل و نہار وغیرہ کی قسم کھائی ہے، تو کیا آیت مذکورہ میں اس سے قسم کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مذکورہ اشیاء اور ان کے معنی میں آنے والے بعض ماکولات، بلاد یا عصر کی قسم کھائی تا کہ وہ اس کی عظیم قدرت اور کبیر فضل و اِحسان پر دال ہو اس لئے کہ یہ مخلوقات ہمارے منافع کیلئے مسخر ہیں اور ان کی ایجاد ہماری مصلحت کی خاطر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهٖ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهٰرَ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۔

(ابراہیم: ۳۲، ۳۳)

"اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا کہ اس کے حکم سے دریا میں چلے اور تمہارے لئے ندیاں مسخر کیں اور تمہارے سورج اور چاند مسخر کئے جو برابر چل رہے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن مسخر کئے۔"

اور اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۔ (الجاثیۃ: ۱۳)

"اور تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں اپنے حکم سے۔"

پس ان کے ساتھ قسم کھانے میں یہ تذکیر مقصود ہے کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر انعام فرمایا ہے۔

البتہ قسم کا تقاضا جب مَقسم بہ کی تعظیم ہو تو ایسی قسم صرف اللہ کے ساتھ ہوگی یا اس کی کسی صفت کے ساتھ، جیسے قرآنِ حکیم میں ہے:

قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ۔ (التغابن: ۷)

"تم فرماؤ کیوں نہیں میرے ربّ کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔"

اور دوسرے مقام پر:

قٓ ۚ وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۔ (قٓ: ۱)

"عزت والے قرآن کی قسم۔"

اور یہاں یہی مراد ہے۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی تعظیم کیلئے ان کی زندگی کی قسم کھائی جو خیرات و برکات کی آئینہ دار ہے، اور اس زندگی والے نے جہان کو جہالت وحماقت اور شرک وظلم کی تاریکیوں سے نکال کر علم

وتوحید اور عدل و نظام کے نور کی طرف ہدایت دی' اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور دعوت کا حق ادا کر دیا۔ گویا کہ وہ لوگوں کے مُربّی' قبائل کے مُنشی' نفوس کے مہذب اور اخلاق کے معلّم ہیں۔ تو ضروری ہے کہ ان کا پروردگار انہیں اس تکریم سے خاص فرمائے۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے استنباط کیا ہے کہ حلف بالنبی ﷺ منعقد ہو جائیگا' اور کفارہ لازم ہوگا' حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ''الا کلیل فی استنباط التنزیل (ص ۱۳۷)'' میں نقل کیا ہے۔

سبع مثانی کی فضیلت

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے نبی ﷺ پر احسان جتاتے ہوئے فرمایا:

وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۔ (الحجر:۸۷)

''اور بے شک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔''

پہلے انبیاء علیہم السلام کو جو کچھ دیا گیا اس سے زائد اس میں تشریف ہے جیسا کہ مقدمہ میں مذکور ہوا۔ اور سورۂ فاتحہ کو الگ ذکر سے خاص کیا باوجود اس کے کہ یہ قرآن میں داخل ہے' تو لامحالہ یہ اس کی عظمت شان پر تنبیہ ہے' محض اس حیثیت سے کہ اس کا الگ ذکر کرنا ہی اس کی تعظیم و تشریف پر دلیل کافی ہے' یہ تشریف (عزت بخشنا) اس لئے ہے کہ یہ اجمالی طور پر قرآن کے معانی پر مشتمل ہے' اس موضوع پر تفصیلاً گفتگو ہم نے ''جواہر البیان فی تناسب سُور القرآن'' میں کر دی ہے۔

دعوتِ اسلام پر استہزاء کا انجام

حضور نبی کریم ﷺ شروع میں خُفیہ طور پر اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے، اور ایمان لانے والے کو بھی اپنا ایمان مخفی رکھنے کی تلقین فرماتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ، نے آپ ﷺ کو یوں اِعلانیہ دعوت دینے کا ارشاد فرمایا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۔

(الحجر: ۹۴)

"تو اعلانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔"

تو نبی کریم ﷺ نے اعلانیہ دعوت کا کام شروع کر دیا جس پر بعض مشرکین استہزاء یعنی ٹھٹھہ کرنے لگے، اور ایسا کرنے والوں میں ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، حُرّ بن قیس، اسود بن مطلب اور اسود بن عبد یغوث کا نام سرفہرست ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ ۔ (الحجر: ۹۵)

"بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔"

اور ان کا انجام یہ ہوا کہ ان میں سے ہر ایک کو ذِلّت آمیز موت نے آلیا اور بُرے طریقے سے مرے، اور یہ سب پے دَر پے قریب قریب اوقات میں ہی ہلاک ہوئے۔

یہ بھی ایک ایسا امر ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کو خاص فرمایا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

وَكَفَاهُ الْمُسْتَهْزِئِينَ وَكَمْ سَآءَ نَبِيًّا مِّنْ قَوْمِهِ اسْتِهْزَاءُ

"اللہ تعالیٰ ان ہنسنے والوں پر نبی ﷺ کو کفایت کرتا ہے اور نبی ﷺ کے ساتھ ان کی قوم کا اِستہزاء کرنا کتنا ہی برا ہے۔"

۱۲۔ سُورۃ النحل

قرآن اور حُجّیتِ حدیث

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۔ (النحل:۴۴)

"اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو ان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔"

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے قرآن کی وضاحت اپنے نبی ﷺ کے سپرد کی ہے، گویا کہ قرآنی احکام کی تشریح، مجمل معانی کی توضیح اور اشارات کی تفسیر حضور نبی کریم ﷺ کے سپرد ہے۔

یہ آیہ مقدسہ ان مبتدعین کی اس جسارت کو باطل کرتی ہے جو قرآن کے بعض مبہمات کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ سے صحیح وارد حدیث کا رد کر دیتے ہیں، اور حدیث واردہ کو قبول نہیں کرتے، جیسا کہ وہ نزول عیسیٰ علیہ السلام میں واردہ

احادیث کو قبول نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں ہیں:

وَ اِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ۔ (النسآئ:۱۵۹)

"کوئی کتابی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان لائے۔"

اسی طرح وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام کے تعین میں واردہ احادیث کو قبول نہیں کرتے۔ اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰى عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰى۔ (النجم: ۱۳، ۱۴)

"اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبار دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس"

کی تفسیر میں وارد ہونے والی صریح احادیث کو قبول کرتے ہیں، حالانکہ نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ یہ رؤیت شبِ معراج سدرۃ المنتہیٰ کے پاس حالتِ بیداری میں ہوئی نہ کہ خواب میں والیٰ غیر ذٰلک۔ باوجودیکہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن کا تفصیلی بیان نبی کریم ﷺ کے سپرد نہ بھی کرتا تو پھر بھی آپ ﷺ کے بیان کردہ معانی کی پیروی واجب ہوتی، کیونکہ آپ ﷺ اس کے معانی سب سے زیادہ جانتے ہیں جو آپ ﷺ کی طرف نازل ہوا۔ بلکہ علماء کا ضابطہ ہے کہ تفسیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع واجب ہے، اور سبب یہ قرار دیا کہ صحابہ نزولِ قرآن کے شاہد ہیں اور اس کی مراد کے عارف ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمۡ

الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ (النحل: ٦٤)

"اور ہم نے تم پر یہ کتاب نہ اتاری مگر اس لئے کہ تم لوگوں پر روشن کر دو جس بات میں اختلاف کریں اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کیلئے ہے۔"

یہ آیہ مبارکہ پہلی آیت کی تائید و تاکید کرتی ہے۔ بہر حال یہ دونوں آیات بیّنات اس امر کو مفید ہیں کہ امورِ دین اور اس کے اصول و فروع میں نبی کریم ﷺ کی طرف رجوع واجب ہے، اور اسی پر اجماعِ اُمت ہے۔

کفار کے بہتان کا رد

کفار نے ایک شبہ ظاہر کیا کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ موجود ہے لہٰذا یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ اِفتراء ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرماتے ہوئے ان کی جہالت کو یوں بیان فرمایا:

وَ اِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَةً مَّکَانَ اٰیَةٍ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (النحل: ١٠١)

"اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اُتارتا ہے کافر کہیں تم تو دِل سے بنا لیتے ہو بلکہ ان میں اکثر کو علم نہیں۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نسخ یا انزالِ دیگر سے آیت بدل دیتا، اور "واللّٰہ اعلم بما

ینزّل" جملہ معترضہ ہے شرط اور جوابِ شرط میں، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی کیلئے کفّار کے قول کی حکایت کی اور ان کا حقیقت قرآن سے جاہل ہونا بیان کیا، اور در پردہ نسخ کے فائدہ سے ان کی غفلت کو واضح کیا کہ نسخ تو دراصل مکلف کی مصلحت کیلئے ہی ہے کہ اگر سخت حکم آسان حکم سے منسوخ ہو جائے تو یہ مکلف پر نرمی ہے، اور اگر آسان حکم کی جگہ سخت حکم آ جائے تو اس میں مکلف کیلئے ثواب کی کثرت ہے، اور اس سے مقصود مکلف کا امتحان ہے کہ وہ کس عزم سے وہ کام کرتا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا۔

اور یہ جملہ "بل اکثر ھم لا یعلمون" اس امر کو مفید ہے کہ ان میں سے تھوڑے لوگ قرآن کی حقیقت کو تو سمجھتے ہیں لیکن عناداً وہ بھی اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ پس وہ کھلے جاہل اور منکر ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کے باطل ہونے کی تصریح کی اور فرمایا:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ (النحل:۱۰۲)

"تم فرماؤ اسے پاکیزگی کی روح (جبریل علیہ السلام) نے اتارا تمہارے ربّ کی طرف سے ٹھیک کہ اس سے ایمان لانے والوں کو ثابت قدم کرے اور ہدایت اور بشارت مسلمانوں کو۔"

اس آیت میں یہ تعریض ہے کہ قرآن مسلمانوں کیلئے ہی ہدایت و بشارت رکھتا ہے جبکہ دوسروں کیلئے دنیا و آخرت میں خسارہ ہی خسارہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۔

"اور ہم قرآن میں اُتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کیلئے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے۔"

اِبطالِ قرآن میں کفار کا ایک دعویٰ یہ بھی تھا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ حداّد رُومی سے سیکھا ہے، جو کہ نصرانی ہے اور نبی کریم ﷺ اس کے پاس جایا کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس دعویٰ کا بطلان ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ ۔ (النحل: ۱۰۳)

"اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں یہ تو کوئی آدمی سکھاتا ہے جس کی طرف ڈھالتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ روشن عربی زبان ہے۔"

پس اللہ تعالیٰ نے اس طرح ان کے دعوے کا صریح رد فرمایا کہ تم جس آدمی کی طرف منسوب کرتے ہو وہ تو عجمی زبان رکھتا اور قرآن فصیح عربی زبان کا حامل ہے، تو ایک عجمی شخص اس کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے؟

مذکورہ آیت میں لفظ "قَدْ" سے اس دعویٰ کے قائلین کی قلت کی طرف اشارہ ہے اور یہ آیت ہمارے سابقہ موضوع کی تائید کرتی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے دفاع کو اپنے ذمہ لیا ہے، تبھی تو آپ ﷺ پر وارد ہونے والے تمام اعتراضات کا خود رد فرماتا ہے اور یہ حضور ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی

خاص عنایت ہے جبکہ دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں۔

اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے اس فرمانِ ذیشان سے ان کا تعاقب فرمایا:

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۔ (النحل:۱۰۵)

"جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی جھوٹے ہیں۔"

یعنی قرآن کو بشر کا قول کہہ کر ایمان نہیں لاتے اور یہ عویٰ کرتے ہیں کہ یہ قرآن نبی ﷺ کو بشر نے سکھایا۔لیکن وہ اس دعوے میں جھوٹے ہیں۔ان دو جملوں میں چند تاکیدات ہیں، جو ذیل میں درج ہیں:

۱۔ "اِنَّمَا" کا کلمہ اِس امر کو مفید ہے کہ اس افتراء کا انہیں میں حصہ ہے۔

۲۔ جملہ ثانیہ معرفۃ الطرفین ہے یعنی اس کی دونوں طرفین (مبتداء و خبر) معرفہ ہیں۔

۳۔ درمیان میں ضمیر فصل ہے۔

۴۔ مسندالیہ اسمِ اشارہ بعید کیلئے ہے جو ان کی حقارت کو بیان کرتا ہے۔

پس یہ ساری تاکیدات ان کے سابقہ دعویٰ کی تردید کیلئے ہیں جو انہوں نے کہا تھا: "اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ" (تم خود بنا لیتے ہو)۔

حضور ﷺ اور ملّتِ ابراہیم کی پیروی

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

حَنِيفاً۔ (النحل: ۱۲۳)

"پھر ہم نے تمہیں وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو جو ہر باطل سے الگ تھا۔"

اس آیت کی تفسیر میں علامہ زمخشری لفظ "ثُمَّ" کے بارے رقمطراز ہیں کہ اس میں سیّدنا رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبہ کی تعظیم و جلالت ہے، اور اس امر کی اطلاع ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جو بھی عزت و نعمت حاصل ہے اس سے افضل ترین یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ملت کی پیروی کی۔ اور یہ آیت اس امر پر دال ہے کہ یہ وصف مرتبہ میں دیگر تمام ان اوصاف سے بالاتر ہے جن کے ساتھ اللہ نے آپ (ابراہیم) کو متصف کیا۔

علامہ ابن منیر اس پر تعلیقاً کہتے ہیں کہ بے شک کلمہ "ثُمَّ" اسی مفہوم کو مفید ہے کیونکہ یہ اپنی اصل وضع میں معطوف کی معطوف علیہ سے زمانے میں تراخی کیلئے آتا ہے، پھر یہ معطوف کی معطوف علیہ سے عُلُو مرتبہ میں تراخی کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جبکہ معطوف رُتبہ میں اعلیٰ ہو اور مقام میں بالا ہو یعنی معطوف علیہ سے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مناقب شمار کرنے کے بعد یہ ارشاد (مذکورہ آیت) فرمایا کہ وہ کونسا وصف ہے جو سب سے عظیم قدر و منزلت اور بلند مقام و مرتبہ کا حامل ہے، اور یقیناً وہ سیّد البشر نبی اُمّی ﷺ ہی ہیں جو ملت ابراہیم کے پیروکار ہیں اور وحی کے ذریعے انہیں اس کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور یہ امر قرآنِ عظیم میں موجود ہے۔ لہٰذا اس آیہ مقدسہ میں دونوں (خلیل و حبیب علیہما السلام) کی تعظیم ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کا اس تعظیم سے حصّہ غالب اور اکثر ہے جو ہماری تمہید سے ظاہر ہے .... مؤلف غفرلہٗ)۔

۱۳۔ سُورۃ الاِسراء

معراج النبی ﷺ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بیشمار معجزات سے عزت بخشی، اور معراج النبی ﷺ تمام معجزات سے اہم ہے جس کا تذکرہ بڑی شان وشوکت سے اللہ کریم جل شانہٗ نے قرآنِ حکیم میں فرمایا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ۔ (الاسرا:۱)

"پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو لفظ "عبد" سے تعبیر فرمایا، جو آپ ﷺ کے جسم مادی پر دال ہے۔ اور کلمہ "لَیۡلًا" ظرفیت کی بناء پر منصوب ہے جو قلت وقت پر دال ہے اور اس کی صراحت ہے کہ اِسراء رات کو ہوا۔ مسجد حرام مکہ مکرمہ میں ہے اور مسجد اقصیٰ شام میں، باوجود کافی مسافت کے حضور ﷺ نے یہ طویل سفر رات کے تھوڑے سے حصے میں طے کیا اور وہ بھی سَیر کے انداز میں۔ اور مسجد اقصیٰ کے ماحول میں نہروں اور پھلوں کی برکتیں ہے، اور

نشانیوں سے مراد قدرتِ الٰہیہ کے عجائبات ہیں' نیز اس میں ان تمام عجائبات کی طرف اشارہ ہے جو آپ ﷺ نے شبِ اسریٰ کو دیکھیں جن کا ثبوت احادیث متواترہ میں ہے۔ "اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" میں یہ دلیل ہے کہ یہ سیر حالت بیداری میں حقیقتاً ہوئی' نہ محض روحانی تھی اور نہ ہی خواب میں۔

اب اس واقعہ کی چند وجوہات ملاحظہ ہوں:

۱۔ اس واقعہ کو لفظ "سُبْحَانَ" سے شروع کیا گیا ہے اور یہ کلمہ خوارقِ عادت عجیب وغریب اور عظیم امور کے وقت کہا جاتا ہے' تو اس میں قدرتِ الٰہیہ کی عظمت اور اس کی مشیت کے نفاذ کا اعتراف ہے۔

۲۔ "اَسْریٰ" کا لفظ انتقالِ جسمی میں نص ہے یعنی مادی جسم مبارک منتقل ہوا' اور اگر یہ سَیر روحی ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: "اَرٰی عَبْدَهٗ" جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ (الفتح:۲۷)

"بے شک اللہ نے سچ کر دکھایا اپنے رسول کا سچا خواب۔"

یعنی جو خواب نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کی طرف جانے سے قبل مدینہ منورہ میں دیکھا کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے' طواف کیا اور سر مبارک کا حلق کروایا......الخ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے "رُؤیا" کا نام دیا ہے نہ کہ "اِسرا' کا' کیونکہ یہ حالت خواب کا واقعہ ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے بارے میں فرمایا:

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۔ (الانفال:۴۳)

"جب کہ اے محبوب اللہ تمہیں کافروں کو تمہاری خواب میں تھوڑا دکھاتا تھا۔"

تو جب اللہ تعالیٰ نے واقعہ اِسراء کو "اَسْرٰی" کے لفظ سے تعبیر فرمایا تو ہمیں جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود اس کا صریح مدلول ہے۔

۳۔ "بِعَبْدِہٖ" کا لفظ دلیل ہے کہ مراد وہ شخص جسمی ہے جس کا نام نامی اسمِ گرامی محمد بن عبداللہ ﷺ ہے۔

۴۔ "لَیْلًا" کا لفظ لایا گیا تا کہ معنی معجزہ کی تحقیق پر دلالت کرے، کیونکہ مکہ مکرمہ اور بیت المقدس میں مسافت بعیدہ ہے، اسی لئے "مسجد اقصیٰ" کہا گیا۔ اہل مکہ یہ سفر اونٹ پر ایک مہینے میں طے کرتے تھے۔ اور جب نبی کریم ﷺ نے یہ طویل سفررات کے تھوڑے سے حصے میں اپنے جسم مادی کے ساتھ طے کیا تو یہ ایک عظیم معجزہ ہوا، جو عظمت وفضیلت کا مستحق ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا" حالت بیداری میں حقیقی رؤیت پر دال ہے کیونکہ روحانی رؤیت کے بارے میں بغیر کسی قید کے یہ نہیں کہا جاتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِذْ یُرِیْکَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ۔

"جب کہ اے محبوب اللہ تمہیں کافروں کو تمہاری خواب میں تھوڑا دکھاتا تھا۔"

۶۔ آیت کا اختتام اس فرمان ذیشان پر ہے "اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ"، اگر یہ ضمیر مشہور قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے تو اس جملہ پر اختتام کا فائدہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اس خارقِ عادت سفر میں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل تھی۔ اور یہ سفر ابتدائے خلق سے لے کر آج تک لوگوں میں متعارف ہے لیکن یہ سفر انوکھا ہی ہے۔ اور

سماعت و بصارت کی دونوں صنعتوں کا اختیار کرنا کمال عنایت اور انتہائی تائید ورعایت کو مفید ہے۔اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کیلئے فرمایا جب انہوں نے فرعون کی سرکشی سے خوف ظاہر کیا: کہ

لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ۔ (طٰہٰ:۴۶)

"ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا۔"

اور اگر ضمیر ایک قول کے مطابق نبی کریم ﷺ کی طرف عائد ہو تو اس کا فائدہ واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ پر اس بات کے سننے والے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کی طرف اِلقاء فرمائے' اور ہر اس نشانی کو دیکھنے والے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دکھائیں' کہ نہ آپ ﷺ کی عقل زائل ہوتی نہ نظر ٹیڑھی ہوئی۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے معراج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۔ (النجم:۱۷)

"آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔"

۷۔ بلاشبہ اہلِ مکہ بڑے فصیح عرب ہیں' انہوں نے اِسراء کا وہ متعارف معنی ہی سمجھا جو ان کی لغت میں تھا' اسی لئے انہوں نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی جب آپ ﷺ نے انہیں اِسراء کی خبر دی اور ان کے خیال میں یہ ایک ایسی بات تھی جو بہرصورت نا قابلِ قبول ہے' یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے امتحاناً دریافت کیا کہ بیت المقدس کی نشانیاں بیان کرو' کیونکہ انہیں علم تھا کہ آپ ﷺ قبل ازیں اس سفر پر نہیں گئے' بلکہ یہاں تک کہ بعض ضعیف العقیدہ مسلمان مرتد ہو گئے جب انہوں نے

یہ معجزہ سنا' کیونکہ ان کی عقلیں ابھی اسے قبول کرنے سے عاری تھیں۔

۸۔ بے شک نبی کریم ﷺ نے تکذیب کرنے والے اور مرتد ہو جانے والے اہلِ مکہ کو یہ نہیں کہا کہ اِسراء خواب کا واقعہ ہے یا فقط روحانی' کہ وہ تکذیب کی جسارت اور ارتداد کے جرم سے بچ جاتے' بلکہ آپ ﷺ نے ان کی سوچ اور سمجھ بحال رکھا اور بیت المقدس کے اوصاف ان کے سامنے پیش کئے جبکہ انہوں نے اس کے بارے سوال کیا تھا۔

حدیثِ عائشہ کی تحقیق

اُم المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا جسدِ انور مفقود نہیں پایا' تو یہ باطل اور مکذوب ہے کیونکہ اُم المؤمنین کی عمر اس وقت چار برس تھی اور بالغہ نہیں تھی۔ بلکہ سیرت وحدیث کی کتب سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ اس رات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ اُمّ ہانی کے گھر تھے اور انہوں نے آپ ﷺ کو مفقود پایا اور پوری رات بے چینی میں بسر کی کہ کہیں آپ ﷺ کسی دھوکے کا شکار نہ ہو گئے ہوں' اور جب آپ ﷺ فجر کے وقت واپس تشریف لائے اور اپنے سفر کی خبر دی تو انہیں اطمینان ہوا' نیز وہ آپ ﷺ سے التجاء کرتی ہیں کہ اس واقعہ کی خبر قریش کو نہ دینا تاکہ وہ آپ ﷺ کی تکذیب نہ کریں۔ (اسے امام طبرانی نے الکبیر میں نقل کیا ہے' جیسا کہ "مجمع الزوائد" (۱/۷۵) میں ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔)

کیا واقعہ اِسراء خواب میں پیش آیا

بعض عقل وفہم سے عاری حضرات کا خیال ہے کہ اِسراء خواب کا واقعہ

ہے جس کا نازیبا استدلال قرآن حکیم کی اس آیت سے کرتے ہیں:

وَ مَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ۔

(الاسرا:۶۰)

"اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو اور وہ پیڑ جس پر قرآن میں لعنت ہے۔"

لیکن یہ استدلال صحیح نہیں بلکہ یہ آیت اس کی نقیض یعنی حالت بیداری میں رؤیت بصری پر دلیل ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ معاجم اللغة میں ہے کہ "رؤیا" رؤیت بصریہ (آنکھ سے دیکھنا) کی ایک مصدر ہے، اور رؤیت منامیہ (خواب میں دیکھنا) میں بھی استعمال ہوتی ہے، جس کی وجہ اشتراک لفظی ہے، اور مشترک میں قاعدہ یہ ہے کہ کسی قرینہ و دلیل کے بغیر کسی ایک معنی کا تعین نہیں ہوسکتا۔ اور یہاں رؤیت بصریہ کے تعین پر قرینہ موجود ہے اور وہ سابقہ آیت ہے جو اس معنی کے تعین کا تقاضا کرتی ہے، اور دوسرا قرینہ و دلیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فِتْنَةً لِّلنَّاس" یعنی اہلِ مکہ فتنہ کا شکار ہوئے کہ انہوں نے واقعہ اِسراء کو واضح جھٹلا دیا اور کہنے لگے کہ ہم بیت المقدس تک کا سفر ایک مہینے میں طے کرتے ہیں اور محمد (ﷺ) کا خیال ہے کہ وہ ایک رات میں ہی گئے اور واپس آئے!!

اگر رؤیت منامی ہوتی تو ان کا جھٹلانا اور فتنہ میں مبتلا ہونا بے جا ہے کیونکہ اس کا انہیں علم ہے کہ خواب میں ایسا ہونا ممکن ہے بلکہ اس سے بڑھ کر بھی

واقعہ پیش آسکتا ہے' کیونکہ جب کبھی ان کا کوئی آدمی اپنا خواب بیان کرتا کہ وہ شام' حبشہ یا فارس گیا ہے اور بسا اوقات وہ اس کی تعبیر کا بھی التماس کرتا' لیکن انہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی "وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ" اس سے مراد زقوم کا درخت ہے (جو جہنم میں پیدا ہوتا ہے)' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ. اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الصّٰفّٰت: ۶۲' ۶۳)

"تو یہ مہمانی بھلی یا تھوہڑ کا پیڑ بے شک ہم نے اسے ظالموں کی جانچ کیا ہے۔"

اور کفار کے آزمائش میں پڑنے کی وجہ ان کی یہ فکر تھی کہ جب آگ درخت کو جلا دیتی ہے تو درخت اس میں کیونکر اُگ سکتا ہے؟!! بالکل اسی طرح وہ واقعہ اسراء کی آزمائش میں مبتلا ہوئے اور بے ساختہ کہہ دیا کہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ عقلاً یہ ممکن نہیں۔

پس سیاق وسباق کا تقاضا یہی ہے کہ رؤیت بصری ہے جو کہ واضح ہے۔

زبور میں حضور ﷺ کی فضیلت

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان رسول اللہ ﷺ کی تفضیل پر دال ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔ (الاسراء: ۵۵)

"اور بے شک ہم نے نبیوں میں ایک کو ایک پر بڑائی دی اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔"

نیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا" سے آپ ﷺ کی فضیلت کی وجہ پر دلالت ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کی امت دوسری امتوں سے بہتر ہے کیونکہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں لکھا ہوا ہے۔ اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیا: ۱۰۵)

"اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔"

اس آیت میں نیک بندوں سے مراد حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت ہے..........(علامہ زمخشری)۔

ثقیف کا وفد حضور ﷺ کی بارگاہ میں

ثقیف کا ایک وفد حضور سیّد عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر آپ ہمیں کچھ چیزوں کا اعزاز بخشیں تو ہم آپ کے دین میں داخل ہو جاتے ہیں، اور وہ گذارشات یہ ہیں کہ ہم نہ زکوٰۃ دیں گے اور نہ جہاد کیلئے نکلیں گے اور نہ ہی نماز میں رکوع و سجود کریں گے، ہمارا جتنا سُود ہے وہ برقرار رہے اور جو ہمارے ذمہ ہے وہ ختم ہو جائے، نیز یہ کہ ہم ایک سال لات (بت) سے فائدہ حاصل کریں گے کہ جو نذرانے اور چڑھاوے وہاں آئیں گے وہ لیں گے پس اس کے بعد ہم

اسے توڑ دیں گے اور حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے' نیز جیسے آپ (ﷺ) نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا ہے ہماری وادی کو بھی حرم بنا دو۔ ہماری یہ باتیں منظور کر لو تا کہ ہم عربوں پر فخر کریں۔ اگر عرب آپ (ﷺ) سے دریافت کریں کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ کہ انہیں ایسا اعزاز دیا جو دوسروں کو نہ ملا تو کہہ دیجئے کہ اللہ نے مجھے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو اس ساری گفتگو پر حضور ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا اور وہ جواب کے منتظر تھے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَ اِذًا لَّا تَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا۝ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا (الاسراء: ۷۳، ۷۵)

"اور وہ تو قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے ہماری وحی سے جو ہم نے تم کو بھیجی کہ تم ہماری طرف کچھ اور نسبت کر دو اور ایسا ہوتا تو وہ تم کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے پھر تم ہمارے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پاتے۔"

تو اس آیہ مبارکہ کا مفاد یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ان کی طرف جھکے اور نہ ہی قریب ہوئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ثابت قدمی عطا

فرمائی یعنی معصوم کر کے۔ پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بہر حال معصوم ہیں اور جمیع امور و مقاصد میں ان کی تائید کی جاتی ہے۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تمہارا ادھر میلان ہوتا تو تم پر تشدید لازم تھی کیونکہ تمہارا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے اگر چہ فی الواقع یہ گناہ نہیں۔ تو اس میں حضور پُرنور شافع یوم النشور ﷺ کی قصد مخالفت سے انتہائی برأت مطلوب ہے۔

مقامِ محمود حضور ﷺ کا خاصہ ہے

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۔ (الاسرا: ۷۸، ۷۹)

"نماز قائم رکھو سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری تک اور صبح کا قرآن بے شک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور رات کے کچھ حصہ میں تہجد کرو یہ خاص تمہارے لئے زیادہ ہے قریب ہے کہ تمہیں تمہارا ربّ ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔"

زوال سے ظلمت شب چھا جانے تک کا وقت ظہر، عصر، مغرب اور عشاء چار نمازوں کو شامل ہے، اور قرآن الفجر سے مراد صبح کی نماز ہے اور اس نماز کے

وقت رات اور دن دونوں کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔اس سے نمازِ فجر کی فضیلت اُجاگر ہوتی ہے اور ملائکہ ہمارے ساتھ عبادتِ نماز میں حاضر ہوتے ہیں۔اور یہ اس اُمت کا ہی خاصہ ہے۔اور نمازِ تہجد خاص حضور ﷺ پر فرض ہے (نمازِ تہجد آپ ﷺ پر فرض تھی پھر یہ فرضیت منسوخ ہوگئی اور استحباباً آپ ﷺ سے اس نماز کی طلب باقی ہے .... مؤلف غفرلہٗ)۔اور مقامِ محمود وہ جگہ ہے جہاں حضور ﷺ جلوہ فرما ہوں گے اور ساری مخلوقات آپ ﷺ کی حمد کرے گی' اور یہی مقامِ شفاعت ہے۔اور کلمہ "عسٰی" کا فائدہ یہ ہے کہ اس مقام کا واقع ہونا واجب ہے' لہٰذا مقامِ محمود ہمارے نبی مکرم ﷺ کیلئے ثابت ہے (اس موضوع پر صحیحین وغیرہما میں احادیث کثرت سے موجود اور مشہور ہیں ...... مؤلف غفرلہٗ) اور یہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے جو دیگر انبیاء علیہم السلام کو حاصل نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی ﷺ کو اِحسان جتانا

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے نبی ﷺ پہ احسان جتاتے ہوئے فرمایا:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا وَكِيْلًا إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ إِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا۔

"اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اُسے لے جاتے پھر تم کوئی نہ پاتے کہ تمہارے لئے ہمارے حضور اس پر وکالت کرتا مگر تمہارے ربّ کی رحمت بے شک تم پر اس کا بڑا فضل ہے۔"

یعنی ہم اگر چاہیں تو قرآن سینوں اور مصاحف سے مٹا دیں' اور اس پر ہمارے مقابل تمہارا کوئی کارساز بھی نہ ہوگا لیکن ہم اسے باقی رکھنا چاہتے ہیں' اور یہ محض تمہارے رب کی رحمت ہے اور قرآن کا نازل کرنا اور تبدیل و تحریف سے اس کی حفاظت کرنا' یہ تم پر اللہ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے' نیز مقامِ محمود وغیرہ ایسے خصائص ہیں جو آپ ﷺ ہی کیلئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ ثقلین یعنی جن و انس کو قرآن کی مثل لانے کا چیلنج کردو' اور یہ ہمارے نبی ﷺ کی قدر و منزلت پر دلیل ہے کہ آپ ﷺ کا معجزہ ثقلین کو للکارتا ہے کیونکہ آپ ﷺ ان سب کی طرف رسول ہیں' بخلاف دیگر جمیع انبیاء علیہم السلام کے کیونکہ ان کے معجزات اپنی قوم کی حدود سے متجاوز نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۔ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا۔ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا۔ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا

"اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اُتارا کہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اتارا تم فرماؤ کہ تم لوگ اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ بے شک وہ جنہیں اس کے اترنے سے پہلے علم ملا جب ان پر پڑھا جاتا ہے تھوڑی

کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں پاکی ہے
ہمارے ربّ کو بے شک ہمارے ربّ کا وعدہ پورا ہونا تھا اور
ٹھوڑی کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے
دِل کا جھکنا بڑھاتا ہے۔''

اس آیت کے ابتدائی کلمہ ''قُرْاٰنًا'' کی تنوین برائے تنکیر ہے جو اس کی عظمت و برتری پر دال ہے۔اور یہ بھی واضح فرمایا کہ اس کا نزول تدریجاً ہے تاکہ میرا پیارا حبیب ﷺ لوگوں کے مقتضیات اور اسباب کے مطابق تھوڑا تھوڑا پڑھ کر انہیں سنائے۔نیز کفارِ مکہ کی تہدید کیلئے فرمایا کہ محبوب اعلان کردو کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ' لیکن اہلِ کتاب میں سے ایمان والوں پر جب یہ قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں۔اور اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار کا وعدہ یعنی نزولِ قرآن اور بعثت نبوی ﷺ ہو کر ہی رہنا تھا' اور قرآن ان کی قلبی انکساری کو اور زیادہ کرتا ہے' گویا اس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کی بعثت اور نزولِ قرآن کتب سابقہ میں مرقوم ہے' اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تاکید میں ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ
مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ۔ (آلِ عمران:۸۱)

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم
کو کتاب اور حکمت دوں۔''

لطیف علمی نکتہ

قرآن پاک میں "اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" کی عبارت مطلق ہو تو مدح پر دلالت کرتی ہے، اور ایسے ہی "اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتَابَ" کی عبارت۔ بخلاف اس عبارت "اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ" کے، یہ اکثر ذم کیلئے آتی ہے اور کبھی کبھی محض معرفت کیلئے، جیسے "طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ۔" اور "یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ" کی عبارت کبھی مدح کیلئے آتی ہے اور کبھی ذم کیلئے

۱۴۔ سُورۃ الکہف

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۔ (الکہف:۱)

"سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب اُتار دی اور اس میں اصلاً کجی نہ رکھی۔"

لفظ "لَهٗ" میں لام بمعنی فِیْ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمانے میں کوئی کجی نہیں رکھی، یہ قرآن کے نعمت عظیمہ ہونے پر دلیل ہے نیز یہ کہ قرآن دیگر کتب سماویہ سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اور مخفی نہیں کہ اس میں ہمارے پیارے نبی ﷺ کی قدر و عظمت کا اظہار ہے۔

۱۵۔ سورۃ مریم

اس سورت میں درج ذیل آیہ مبارکہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رفعت و عظمت پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلاَّ بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۔ (مریم: ۶۴)

"(اور جبریل نے عرض کی) ہم فرشتے نہیں اترتے مگر حضور کے ربّ کے حکم سے اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے اور جو اس کے درمیان ہے اور حضور کا ربّ بھولنے والا نہیں۔"

اس آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کے حضور نبی کریم ﷺ سے معذرت کرنے کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا، جبکہ آپ ﷺ کے بطورِ عتاب حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا تھا کہ:

مَا يَمْنَعُكَ اَنْ تَزُوْرَنَا اَكْثَرَ مِمَّا تَزُوْرُنَا؟

"جس قدر تم ہماری ملاقات کو آتے ہو اس سے زیادہ ہمارے پاس آنے سے تمہیں کیا چیز روکتی ہے؟"

جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سورہ مریم کی تفسیر میں وارد ہے۔

(مندرجہ بالا آیت میں بھی وہ امر ملحوظ رکھا گیا جس پر کلام سورۃ نساء کی آیت (رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا) کے تحت گذر گیا' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے مبارک نام کی اضافت حضرت محمد ﷺ کی طرف کی اور زکریا کی اضافت اپنی طرف کی' تا کہ لوگوں کو دونوں مراتب میں فرق معلوم ہو جائے اور رتبوں کا تفاوت واضح ہو جائے ....مؤلف غفرلہٗ)

اس واقعہ میں ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی قدرو منزلت درج ذیل چند وجوہ سے واضح ہوتی ہے:

۱۔ آپ ﷺ کا جبریل علیہ السلام پر عتاب۔

۲۔ جبریل علیہ السلام کا آپ ﷺ سے معذرت کرنا۔

۳۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا اپنی کتاب میں اسے درج فرمانا۔

اور آپ ﷺ کے علاوہ کوئی رسول بھی اس عظیم مرتبہ پہ فائز نہیں ہوا اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ ۔ (مریم:۶۸)

''تو تمہارے ربّ کی قسم ہم انہیں گھیر لائیں گے۔''

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نام کی قسم اُٹھانا اس کے اسماء مبارکہ کی تقدیس پر دلالت ہے اور اسم مبارک کا رسول اللہ ﷺ کی طرف مضاف ہونا آپ ﷺ کی رفعتِ شان پر دال ہے۔

۱۶۔ سُورۃ طٰہٰ

۱۔ حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ نزولِ قرآن کے بعد بہت مشقت اٹھاتے کہ رات کی نماز میں بہت لمبا قیام کرتے اور نازل شدہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے' تو اللہ سبحانہ' وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو یوں مخاطب فرمایا:

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۔ (طٰہٰ:۲)

''اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو۔''

یعنی اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالو بلکہ تخفیف اختیار کرو۔اور یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ رات کے کچھ حصے میں آرام فرماتے اور کچھ حصے میں قیام۔

اور یہ معنی بھی منقول ہیں کہ اے محبوب تم کفر کرنے والے کے کفر کے سبب افسوس کی مشقت نہ اٹھاؤ بلکہ اپنے آپ کو ایسے غم سے آزاد رکھو کیونکہ آپ ﷺ کے ذمہ محض تبلیغ ہے۔پس آیہ مبارکہ مذکورہ احتمالات کی روشنی میں اس امر کو مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی ذات پر تخفیف کرنے کا حکم دیا' جبکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی سے اپنی ذات پر تخفیف طلب نہیں کی۔

نیز یہ معنی بھی منقول ہیں کہ جب کفار نے آپ ﷺ کی عبادت اور تلاوتِ قرآن کی کثرت دیکھی تو انہوں نے آپ سے کہا کہ یقیناً تم ہمارے دین کو چھوڑ کر مشقت میں پڑ گئے ہو' اور قرآن تم پر اسی لئے نازل ہوا ہے کہ تم مشقت میں پڑو۔تو اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں ان کی اِس ہرزہ سرائی کا رد کیا۔اور بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی ﷺ پر خوب عنایت کی دلیل ہے۔

۲۔ حضور نبی کریم ﷺ پر جب قرآن نازل ہوتا تو آپ ﷺ وحی کے اختتام سے قبل ہی اس کی قرأت میں جلدی کرتے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو انتظار کا حکم دیتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّقۡضٰۤی اِلَیۡکَ وَحۡیُهٗ وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا۔ (طٰہٰ:۱۱۴)

"اور قرآن میں جلدی نہ کرو جب تک اس کی وحی تمہیں پوری نہ ہولے اور عرض کرو کہ اے میرے ربّ مجھے علم زیادہ دے۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مقدسہ میں آپ ﷺ کو یہ دعا کرنے کا حکم دیا کہ "اے میرے ربّ مجھے علم زیادہ دے" یعنی قرآن کا اور اللہ تعالیٰ کے مقام و مرتبہ کا .... اور ضروری ہے کہ آپ ﷺ دعا فرمائیں اور وہ قبول ہو۔ لہٰذا آپ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ اللہ اور کتاب اللہ کے عالم ہیں، اور صحیحین کی یہ حدیث اسی معنی کو واضح کر رہی ہے، جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَنَا اَعۡلَمُکُمۡ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّکُمۡ لَهٗ خَشۡیَةً۔

(بخاری، کتاب النکاح/مسلم، باب استحباب النکاح)

"میں تم سے زیادہ اللہ کا عالم ہوں اور تم سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہوں۔"

۳۔ اللہ تعالیٰ وجل شانہٗ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو یوں مخاطب فرمایا:

وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ۚ وَمِنۡ اٰنَآیِٔ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّکَ تَرۡضٰی۔ (طٰہٰ:۱۳۰)

"اور اپنے ربّ کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو سورج چمکنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اور رات کی گھڑیوں میں اس کی پاکی بولو اور دن کے کناروں پر اس اُمید پر کہ تم راضی ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا کیونکہ نماز تسبیح و تحمید پر ہی مشتمل ہوتی ہے' سورج چمکنے سے پہلے کی تسبیح سے مراد نمازِ صبح اور غروبِ آفتاب سے پہلے نمازِ عصر اور رات کی گھڑیوں میں تسبیح سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے جبکہ دن کے کناروں پر تسبیح سے مراد نمازِ ظہر ہے' کیونکہ یہ سورج ڈھلنے کا وقت ہے اور وہ دن کے نصف اوّل کا آخری کنارہ ہے اور نصف ثانی کا ابتدائی کنارہ۔ اور جمع کے صیغہ کا اطلاق یہاں ایک سے زائد پر ہے۔

"تا کہ تم راضی ہو جاؤ" یعنی اللہ تعالیٰ کے انعامات و عطیات پر راضی ہو جاؤ۔ علامہ صاوی کہتے ہیں کہ اس لطیف خطاب پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ ربّ العالمین کے حبیب ہیں اور جمیع مخلوق سے افضل ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کیلئے فرمایا "کہ تم راضی ہو جاؤ" اور یہ نہیں فرمایا "کہ میں تجھ پر راضی ہو جاؤں" وغیرہ۔

اور حضور ﷺ کا اِرشادِ گرامی ہے:

وَ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ ۔

"آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔"

اور اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ سے عرض کرتی ہیں: کہ

مَا اَرٰی رَبَّكَ اِلَّا يُسَارِعُ فِيْ هَوَاَ ۔ (بخاری و مسلم)

"میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا ربّ آپ کی تمنا پوری کرنے میں جلدی فرماتا ہے۔"

لہٰذا آپ ﷺ کو جو نماز کا حکم دیا گیا وہ محض اس لئے کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں' نہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے آپ ﷺ کی خطائیں مٹا دے گا اور نہ ہی اس لئے کہ اللہ آپ پر راضی ہو جائے۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ نماز پڑھنے میں آپ ﷺ کو کوئی مشقت نہیں ہے کیونکہ نماز کی حالت میں آپ ﷺ اپنے ربّ کی بارگاہ میں حاضری کا لطف حاصل کرتے ہیں جو کہ آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

محدثِ کبیر علامہ عبداللہ بن صدیق غماری رحمۃ اللہ علیہ یہاں تعلیقاً عظمت قرآن کے حوالے سے حضور نبی مکرم ﷺ کے خاصۂ نبوت پر استدلال کرتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ۔ (طٰہٰ: ۱۳۳)

"اور کافر بولے یہ اپنے ربّ کے پاس سے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے اور کیا انہیں اس کا بیان نہ آیا جو اگلے صحیفوں میں ہے۔"

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ کفار نے حسب عادت حضور ﷺ سے دعویٰ نبوت پہ دلیل طلب کی' تو اس پر یہ کہا گیا کہ کیا تمہارے پاس وہ نشانی نہیں آئی جو تمام نشانیوں کی اصل ہے' اور اعجاز کے حوالے سے سب سے عظیم ہے یعنی قرآن حکیم۔ کیونکہ قرآن مجید تمام کتب منزلہ کے جمیع ارشادات کی بُرہان ہے۔ اور اس کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ معجزہ ہے جبکہ دیگر کتب ایسی نہیں لہٰذا وہ اپنے اندرون احکام کی صحت پر شہادت کی محتاج ہیں جبکہ قرآن خود حُجّت ہے۔

علامہ بیضاوی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ قرآن جس طرح آپ ﷺ کی نبوت پر دال ہے اسی طرح وہ کتب سابقہ کیلئے

برہان ہے کیونکہ قرآن حکیم خود معجز ہے اور وہ ایسی نہیں بلکہ اپنی صحت پر شہادت کی محتاج ہیں۔ اور یہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے کہ آپ ﷺ کا معجزہ (قرآن) پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتب میں واردہ احکام کی صحت پر دلیل ہے۔

۱۷۔ سورۃ الانبیاء

عرب کے قبائل خزاعہ، ہذیل، جہینہ اور بنو سلمہ ملائکہ کے بارے یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور واضح فرمایا کہ ذاتِ حق تعالیٰ اس معاملہ سے پاک اور منزہ ہے، اور ملائکہ اس کے برگزیدہ بندے ہیں۔ تاکہ ان کیلئے یہ سمجھنا آسان ہو جائے کہ بندہ ہونا بیٹا ہونے کے منافی ہے، یعنی عبودیت (غلامی) اور بنوت (بیٹا ہونا) ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایک آدمی اپنے غلام بیٹے کو خرید لے تو وہ محض خریدنے سے ہی آزاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ۔ (الانبیا:۲۶)

"اور بولے رحمن نے بیٹا اختیار کیا۔ پاک ہے وہ بلکہ بندے ہیں عزت والے۔"

نیز فرمایا:

لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ۔

"بات میں اُس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں۔"

یعنی ملائکہ نہ اس سے بات میں سبقت کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ اگر ملائکہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتے تو ممکن تھا کہ وہ بات میں اس سے سبقت کر جائیں اور اس کے حکم کی مخالفت کریں کیونکہ عموماً اولاد سے باپ کے حق میں ایسے اُمور سرزد ہوتے رہتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ وہ ملائکہ کے گذشتہ اور آئندہ اعمال کو خوب جانتا ہے نیز ان کی شفاعت، ذاتی کیفیت اور تجاوز کی صورت میں سزا کا مثردہ واضح فرمایا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ۔

"وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔اور شفاعت نہیں کرتے مگر اس کیلئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستمگاروں کو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارسال الی الملائکۃ

اس مذکورہ بالا آیہ مبارکہ میں ملائکہ کو ڈر سنایا گیا لہٰذا حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کیلئے بھی نذیر ہوئے۔اور یہ دوسری آیہ مقدسہ بھی اسی امر کی شاہد ہے کہ:

وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ۔ (الانعام:۱۹)

''اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے۔''

پس ان دونوں آیات سے ماخوذ ہے کہ نبی کریم ﷺ ملائکہ کے بھی رسول ہیں۔یہ استنباط امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الارائک فی ارسال النبی ﷺ الملائک'' میں ذکر کیا جو ان کی مشہورِ زمانہ کتاب (الحاوی للفتاوی: ۲/۱۴۷-۱۳۹) میں ایک رسالہ ہے۔بہرحال یہ استنباط بہت حسین ہے' اور کچھ واقعات بھی اس موقف کی تائید کرتے ہیں مثلاً ملائکہ کا آپ ﷺ کے ہمراہ غزوہ بدر میں قتال کرنا' جس کا تفصیلاً ذکر پہلے ہو چکا ہے اور اسی طرح سورہ اسراء میں گذرا ہے کہ ملائکہ ہمارے ساتھ نماز میں حاضر ہوتے ہیں' اور صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ ملائکہ خطبہ جمعہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام مسلم ''باب فضل التہجیر یوم الجمعۃ'' میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ كَانَ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مِّنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ مَلَائِكَةٌ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ فَاِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ طَوَوُا الصُّحُفَ وَ جَآءُوْا يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ ۔ (صحیح مسلم)

''جمعہ کے روز مسجد کے ہر دروازے پر ملائکہ موجود ہوتے ہیں جو ہر آنے والے کو ترتیب وار لکھتے ہیں۔اور جب امام (خطبہ

کیلئے) بیٹھتا ہے تو وہ بیاضیں بند کر لیتے ہیں اور وعظ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔"

اسی حدیث میں آگے ہے کہ پہلے آنے والے کو گائے صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے جبکہ دوسرے کو مینڈھا اور اس سے بعد والے کو مرغی پھر اس سے بعد والے کو انڈہ صدقہ و خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے۔"

بہر حال ہماری گفتگو اس امر میں ہے کہ ملائکہ عبادت میں ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہیں، اور نمازِ جمعہ میں بھی ہمارے ساتھ حاضر ہوتے ہیں نیز جب امام "ولا الضالین" کہتا ہے تو وہ آمین کہتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جس کی آمین ان کی آمین سے مل گئی تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

"(اور صحیح بخاری میں حضرت رفاعہ بن رافع زُرقی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ اہلِ بدر کے بارے کیا خیال کرتے ہو، آپ ﷺ نے فرمایا وہ "افضل المسلمین" ہیں، یا اس طرح کا کوئی کلمہ فرمایا، تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ ایسے ہی ملائکہ میں سے ان کی فضیلت ہے جو بدر میں شریک ہوئے ....مؤلف)۔"

صحیح ثابت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ تم اہلِ بدر کو کیسے سمجھتے ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "خیارنا یا من خیارنا" یعنی ہمارے بہتر لوگ۔ تو جبریل علیہ السلام نے کہا اسی طرح ہی ہم میں سے بھی اہلِ بدر کا مقام ہے۔

پس اس طرح کے اور بھی کئی شواہد ملتے ہیں کہ ہماری شریعت سے جو امور ملائکہ کے مناسب ہیں وہ ان کو بجا لاتے ہیں، اور لامحالہ یہ امر ہمارے نبی

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ایک ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف پر ایک نظر

امام رازی بیان کرتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ ملائکہ کی طرف مرسل نہیں ہیں۔ لیکن یہ اجماع محل نظر ہے کیونکہ رازی سے پہلے اجماع کے ناقلین میں سے کسی نے یہ بیان نہیں کیا مثلاً ابن منذر، ابن عبدالبر اور ابن حزم۔ اور ممکن ہے کہ رازی نے اس بناء پر بیان کیا ہو کہ یہ مسئلہ اکثر علماء کے ذہن میں آیا تھا کہ ملائکہ معصوم ہیں اور تسبیح وتحمید پر مامور ہیں لہٰذا وہ مکلف نہیں ہیں، لیکن یہ غلط ہے، اور صحیح یہ ہے کہ ملائکہ مکلف ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے فرماتے ہیں:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ (التحریم:٦)

"(ملائکہ) اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔"

نیز ہماری مذکورہ بحث بھی اس کی تائید میں ہے نیز یہ کہ وہ نبی کریم ﷺ پر درود کی عبادت بجالاتے ہیں اور دیگر بیشمار عبادات کے پابند ہیں۔

(جو ائمہ نبی کریم ﷺ کے ارسال الی الملائکہ کے قائل ہیں وہ یہ ہیں امام تقی سبکی، امام مازری اور امام سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ، اور بعض متاخرین اشعریہ نے دونوں اقوال کے درمیان درمیان موقف اختیار کرتے ہوئے کہا کہ حضور ﷺ کا ملائکہ کی طرف ارسال تشریفاً ہے نہ کہ تکلیفاً، لیکن یہ توجیہ بے معنی اور بے سود ہے۔ (مؤلف رحمۃ اللہ علیہ)

صالحین ارضِ جنت کے وارث ہیں

اللہ تعالیٰ وسبحانہ، کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیا:۱۰۵)

"اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہونگے۔"

الزبور بمعنی الکتاب ہے جو تمام کتب منزلہ کو شامل ہے اور الذکر سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ اور معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس امر میں اپنے نامِ اقدس کی قسم اٹھاتا ہے کہ اس نے لوحِ محفوظ اور تمام کتب سماویہ میں یہ لکھ دیا ہے کہ ارضِ جنت کے وارث ایمان والے نیک لوگ ہوں گے۔ اور اہلِ جنت کے بارے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۔

"اور وہ کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا کہ ہم جنت میں رہیں جہاں چاہیں۔"

اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۔ (مریم:۶۳)

"یہ وہ باغ ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اسے کریں گے جو پرہیزگار ہے۔"

نیز اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کا فرمان عالیشان ہے:

وَ نُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ (الاعراف:۴۳)

"اور ندا ہوئی کہ یہ جنت تمہیں میراث ملی صلہ تمہارے اعمال کا۔"

یہاں ایک معاصر نے عجب تفسیر کی ہے کہ یہاں ارض سے مراد دنیا ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ نیک بندے اس کے وارث ہیں یعنی اس دنیا کو آباد کرنے والے ہیں۔ اور بلاشبہ اس آیت کا یہ مفہوم لینا قرآن میں بے دینی اور کفر' اللہ تعالیٰ پر جھوٹ' دین اسلام کی مخالفت اور فریضۂ جہاد کو باطل کرنا ہے' اور ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تفسیر اور صاحب تفسیر سے بری ہیں۔

سورۂ اسراء میں اس آیت کے تحت علامہ زمخشری کی تفسیر گزری ہے کہ "اس سے مراد حضرت محمد ﷺ اور آپ کی اُمت ہے' اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار کی شکست کے بعد ان کی زمین کا وارث مسلمانوں کو بنا دے گا' اور یہی ہوا کہ انہیں شام' ایران' ہند' عراق' مصر اور شمالی افریقہ کے علاوہ دیگر کئی ممالک اور ریاستوں پر فتح وغلبہ عطا فرما دیا۔"

اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے:

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۔ (الرعد:۴۱)

"کیا انہیں نہیں سوجھتا کہ ہم ہر طرف سے ان کی آبادی گھٹاتے آرہے ہیں۔"

(یعنی ہم کفار کے ممالک پر مسلمانوں کو فتح دے کر دار الحرب کی زمین گھٹاتے ہیں اور دار الاسلام میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ اور یہ نصرت وغلبہ کی آیات سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اوّلین حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کیلئے ممالک کو فتح کرنا اور انہیں اسلام کے پرچم تلے داخل کرنا اتنا آسان کر رکھا تھا کہ تاریخ بشر میں اسے معجزہ شمار کیا گیا' جب سے اللہ تعالیٰ نے کُرہ ارضی پر اس کا وجود بنایا ہے...... مؤلف رحمۃ اللہ علیہ)۔

حضور ﷺ رحمتِ عالم ہیں

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیآ: ۱۰۶، ۱۰۷)

"بے شک یہ قرآن کافی ہے عبادت والوں کو اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے۔"

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں یہ واضح فرمایا کہ ارضِ جنت کی وراثت اس قوم کیلئے ہے جو قرآن پاک کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنے پیارے رسول ﷺ کی رحمت عامہ کا ذکر فرمایا۔ اور آپ ﷺ کے رحمت ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ کو رحمت کیلئے بھیجا' یا یہ حال واقع ہے کہ آپ بہر حال سارے جہانوں کیلئے رحمت ہیں۔ اور آپ ﷺ کی رحمت ملائکہ اور انس و جن سب کو عام ہے۔ ملائکہ کیلئے یوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب میں ان کی مدح سرائی کی ہے جو آپ ﷺ کا معجزہ ہے' اور ثقلین یعنی جن و انس کیلئے یوں کہ ان میں سے ایمان والے آپ ﷺ کی اتباع سے ابدی سعادتوں کے مستحق ہوئے اور بروزِ قیامت دائمی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ اور کفار کیلئے یوں کہ ان سے خسف' مسخ اور قذف جیسی انواعِ عذاب کو اٹھا لیا گیا جن سے پہلی قوموں کو عذاب دیا جاتا رہا۔ بہر حال یہ امر آپ ﷺ کے دین میں آسانی' تعلیمات میں شائستگی' معاملات میں نرمی اور عفو و درگزر کی وسعت پر دلیل ہے۔ اور یہ مقام و مرتبہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی نبی اور رسول کو حاصل نہیں

۱۸۔ سورۃ الحج

امتیازاتِ مصطفی ﷺ

اللہ سبحانہ' وتعالیٰ نے اس اُمت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں دین اسلام کیلئے پسند کیا گیا ہے اور تمہیں ہی اُمت وسط ہونے کا شرف بخشا ....جیسا کہ پہلے مذکور ہوا' اور واضح کیا کہ تمہارے دین میں تنگی اور سختی نہیں رکھی گئی بلکہ اسے آسان بنایا تاکہ تم آسانی سے اس پر عمل پیرا ہوسکو' جیسا کہ حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

بُعِثْتُ بِالْحَنِیْفِیَّةِ السَّمْحَةِ۔

''میں سیدھے اور نرم دین کے ساتھ مبعوث ہوا۔''

(امام سخاوی نے اس حدیث کو مقاصدِ حسنہ (ص:۱۰۹) میں دیلمی کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے عبدالرحمن بن ابی الزماد عن ابیہ عن عائشہ' لفظ **انی** ......الخ سے روایت کیا ہے۔ اور اپنی مسند (۲۶۶/۵) میں امام احمد کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو حسن کہا ہے)۔

اور ہمارے دین کو دین ابراہیم سے تشبیہہ دی ہے یعنی توحید اور سہولت میں۔ نیز یہ بھی واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں ہی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کیلئے دین اسلام کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا جیسا کہ فرمایا ''وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا'' اور یہ بھی واضح فرمایا کہ بروزِ قیامت رسول اکرم ﷺ اس امر پر گواہ ہونگے کہ انہوں نے تمہیں تبلیغ کی' اور تم

دیگر اُمتوں پر گواہ ہو گے کہ ان کے رسولوں نے انہیں تبلیغ کی ہے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ (الحج:۷۸)

”اس نے تمہیں پسند کیا اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی تمہارے باپ ابراہیم کا دین اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تاکہ رسول تمہارا نگہبان و گواہ ہو اور تم اَور لوگوں پر گواہی دو۔“

اس آیہ مقدسہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے چند امتیازات مذکور ہیں:

i۔ آپ ﷺ کے دین کا آسان ہونا۔

ii۔ آپ ﷺ کی اُمت کا تمام اُمتوں سے برگزیدہ ہونا۔

iii۔ بروزِ قیامت اس اُمت کا رسولوں کیلئے گواہی دینا کہ انہوں نے اپنی قوموں کو تبلیغ کی ہے۔

iv۔ اور حضور ﷺ کا اس اُمت پر گواہ ہونا کہ آپ نے ان کو تبلیغ کی ہے اور فقط حضور ﷺ کی ہی وہ ذات ہے جو اپنے لئے کسی اور گواہ کی محتاج نہیں۔

۱۹۔ سُورۃ المؤمنون

دفاعِ رسول کا نیا اُسلوب

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَفَلَمۡ یَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَہُمۡ مَّا لَمۡ یَاۡتِ اٰبَآءَہُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ اَمۡ لَمۡ یَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَہُمۡ فَہُمۡ لَہٗ مُنۡکِرُوۡنَ ۔ (المؤمنون:۶۹)

"کیا انہوں نے بات کو سوچا نہیں یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے باپ دادا کے پاس نہ آیا تھا یا انہوں نے اپنے رسول کو نہ پہچانا تو وہ اسے بیگانہ سمجھ رہے ہیں۔"

آیت مقدسہ میں قول سے مراد قرآن ہے، یعنی کیا کفارِ قریش نے اس قرآن میں تدبر نہیں کیا جو نبی کریم ﷺ کے سچا ہونے پر دلیل ہے؟ اور بطورِ استفہام یہ فرمانا:

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ بِہٖ جِنَّۃٌ ۔ (۷۰)

"یا کہتے ہیں اُسے سودا ہے۔"

یہ استفہام حق بات کے تقرّر کیلئے ہے جو کہ نبی کریم ﷺ کا سچا نبی ہونا ہے، اور سابقہ اُمتوں کی طرف رسولوں کا آنا ہے، جسے یوں تعبیر کیا گیا کہ کیا ان کے باپ دادا کے پاس نہ آیا تھا؟ نیز یہ کہ وہ اپنے رسول کو صدق و امانت کے ساتھ پہچانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ جنوں سے پاک ہیں، لہٰذا استفہام تقریری کا

معنی یہ ہوا کہ مذکورہ حق باتوں کا اقرار کرو اور اپنے نبی (ﷺ) کا انکار نہ کرو۔

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ نے اپنے نبی (ﷺ) کا ایسے اسلوب کے ساتھ دفاع کیا ہے جو اس امر پر واضح دلیل ہے کہ کفار کا نبی کریم ﷺ کا انکار اور تکذیب کرنا' ان کی ذاتی معلومات اور عقلی رجحان کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ آپ ﷺ کے صدق و امانت سے بخوبی واقف ہیں۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کو ان کی طرف مضاف کیا کیونکہ وہ خوب ان کی معرفت رکھتے ہیں' پھر اس کے بعد آپ ﷺ کا انکار کیوں کرتے ہیں؟!!

اور اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

بَلْ جَآءَ هُمْ بِالْحَقِّ وَ اَ كْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۔ (۷۰)

"بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لائے اور ان میں اکثر کو حق بُرا لگتا ہے۔"

یہاں کلمہ "بَلْ" انتقال کیلئے ہے یعنی استفہام تقریری سے صریح رد کی طرف آنا ہے۔اور "الحق" سے مراد قرآن ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس قرآن کو لانے والے سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو ناپسند کرتے ہیں۔

۲۰۔ سورۃ النور

براءتِ عائشہ اور قرآن

ماہِ شعبان ۵ ہجری میں غزوہ بنی مُصطَلِق ہوا ہے جس کو غزوہ مُرَیسِیع بھی کہتے ہیں۔ مصطلق خزیمہ بن کعب کا لقب ہے اور وہ لوگ خزاعہ کا قبیلہ ہیں' اور مریسیع' میم کے ضمہ' راء کے فتح' یاء کے سکون اور سین کے کسرہ کے ساتھ بنوخزاعہ کا پانی ہے۔ دیکھئے ابو شبھۃ کی السیرۃ النبویۃ (۲/۵۲)۔

چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ غزوہ بنو مصطلق کیلئے روانہ ہوئے اور ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی لے لیا' اور انہیں ایک با پردہ ہودج میں اُٹھانے کا اہتمام کیا گیا ....(ہودج ایک ایسا محمل یا پلان ہے جس کو باریک لکڑیوں سے قبہ وغیرہ کی شکل پر بنایا جاتا ہے' پھر اسے اُونٹ پر کس کر باندھ دیا جاتا ہے جس میں عورتیں سوار ہوتی ہیں۔ ملاحظہ ہو علامہ ابن منظور کی (اللسان: ۲/۳۸۹)' مؤلف رحمۃ اللہ علیہ)۔

اور یہ واقعہ پردہ فرض ہونے کے بعد کا ہے۔

ہوا یوں کہ جب غزوہ سے لوگ واپس ہوئے تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئیں جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ قضائے حاجت کیلئے گئیں اور اپنا ہار گم کر بیٹھیں جس کی تلاش میں کچھ تاخیر ہوگئی' اور اِدھر لشکر روانہ ہوگیا اور انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کا ہودج بھی اٹھا لیا' ان کا خیال تھا کہ آپ اس میں موجود ہیں حالانکہ آپ اس میں نہیں تھی۔

اُدھر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنا ہار مل گیا تو وہ اپنے ہودج کی طرف

واپس لوٹیں تو ہودج وہاں نہیں تھا۔ البتہ آپ رضی اللہ عنہا وہیں اس امید پر سو گئیں کہ جب وہ انہیں مفقود پائیں گے تو ضرور ان کی طرف واپس مڑیں گے۔

بہر حال حضرت صفوان بن معطّل رضی اللہ عنہ' جو کہ لشکر کی روانگی کے بعد کچھ دیر وہیں رُکا کرتے تھے اور لشکر کی باقی ماندہ چیزوں کو اُٹھا کر ان تک پہنچانے کا فریضہ ادا کرتے تھے' وہ جب ادھر آئے تو انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہاں سوتے ہوئے دیکھا اور پہچان لیا' کیونکہ انہوں نے پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہیں دیکھا ہوا تھا' تو انہوں نے باآواز ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھا' حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہا جاگ اٹھیں' تو انہوں نے اونٹنی بٹھائی اور اپنی پیٹھ پھیر لی' حتیٰ کہ وہ سوار ہو گئیں' اور یوں وہ لشکر میں آ ملے۔

عبد اللہ بن ابی بن سلول' جو رئیس المنافقین تھا' اس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا دی' اور بعض صحابہ بھی اس کے دامن فریب میں آ گئے کیونکہ وہ اس کی اندرونی خباثت سے ناواقف تھے' اور لامحالہ رسول اللہ ﷺ بھی اس کے تہمت زدہ ہوئے کیونکہ تہمت آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ پر لگی تھی۔

تو اللہ تعالیٰ وسبحانہ' نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں دس سے زائد آیات نازل فرمائیں' جن کا آغاز اس ارشاد پاک سے ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ۔

(النور:۱۱)

''بے شک وہ کہ یہ بڑا بہتان لائے ہیں تمہیں میں کی ایک جماعت ہے۔''

اور اختتام اس کلام پاک پر ہوا:

أُولٰئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ (النور:٢٦)

"وہ پاک ہیں ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں ان کیلئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔"

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے اپنے نبی (ﷺ) کے ساتھ انتہائی عنایت فرمانے پر دلیل ہے، جس کے چند مناظر درج ذیل ہیں:

١۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زوجہ کو اس قرآن کے ذریعے بری کیا جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور اس پر اکتفاء نہ کیا کہ انہیں خواب کے ذریعے بری فرما دیتا، اگرچہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں جس سے شریعت ثابت ہوتی ہے۔

٢۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ پر لگائی ہوئی تہمت کو اِفک کا نام دیا، جو بدترین جھوٹ ہے۔

٣۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ہوا دینے والے یعنی عبداللہ بن ابی بن سلول کو عذابِ عظیم کی وعید فرمائی، اور جو اس واقعہ میں غور وفکر کرنے لگے اور جنہوں نے اس کو آگے بڑھایا، ان پر اللہ کریم نے اس سوچ اور ترویج کا گناہ واقع کیا۔

٤۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں غور وخوض سے کام لینے والوں کو متعدد بار سخت توبیخ فرمائی، اور وہ زجر وتوبیخ والی آیات یہ ہیں:

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ.........

"کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا" ....

لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ....

''اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے'' ....

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ ....

''اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی'' ....

اِذْ تَلَقَّوْنَه بِاَلْسِنَتِكُمْ ....

''جب تم ایسی بات اپنی زبانوں پر سُن کر لائے تھے''

وَلَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ....

''اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا'' ....

يَعِظُكُمُ اللهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ اَبَداً ....

''اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا'' ......

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ ......

''وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بُرا چرچا پھیلے'' ......

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ ....

''اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی'' ....

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ...

''اے ایمان والو شیطان کے قدموں پر نہ چلو'' ....

.... وَاللهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ (النور: ۱۲ تا ۲۱)

.... ''اور اللہ سنتا جانتا ہے۔''

۵۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ پر کان دھرنے والوں سے متعلق خبر دی کہ وہ

اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹے ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۔ (النور: ۱۳)

''تو جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔''

یہ آیہ کریمہ یہاں ان کے جھوٹ کی بناء پر قطع کو مفید ہے۔ جبکہ کسی بھی پاکدامنہ مسلمہ کو تہمت لگانے والا جب گواہ نہ پیش کر سکے تو وہ ظاہری طور پر جھوٹا تو ہے لیکن اس کے جھوٹ کی وجہ سے قطع لازم نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ واقع میں سچا ہو اور گواہ پیش نہ کر سکتا ہو۔

۶۔ بے شک اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ نے اُمہات المؤمنین میں سے کسی کو بھی تہمت لگانے والے پر لعنت اور عذاب کو واجب ٹھہرایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ....

''بے شک وہ جو عیب لگاتے ہیں انجان پارسا ایمان والیوں کو ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے

... وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ۔

(النور: ۲۳تا۲۵)

......''اور جان لیں گے کہ اللہ ہی صریح حق ہے۔''

۷۔ علامہ قرطبی بعض اہلِ تحقیق کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت

یوسف علیہ السلام کو جب فاحشہ کی تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے پنگھوڑے میں لیٹے بچے کی زبان سے ان کی برأت کا اِعلان کروا دیا' اور جب مریم سلام اللہ علیہا پر بے حیائی کا بہتان باندھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان کی برأت کا اظہار کرا دیا' اور جب عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول سے ان کی برأت کا اِعلان فرمایا .... گویا کہ ان کی برأت کیلئے بچے کا اعلان پسند کیا نہ نبی کا' بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے تہمت اور بہتان سے ان کی برأت کا اِعلان فرمایا۔

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی بیوی ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طریقہ سے بری فرمایا تو یہ محض اس کی اپنے نبی پر شدت عنایت کا اظہار ہے اور جو موازنہ مذکور ہوا وہ درحقیقت حضرت یوسف' عیسیٰ اور ہمارے نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ہے اور ہمارے نبی ﷺ کی ان دونوں پر فضیلت ظاہر ہے۔

علامہ زمخشری ''الکشاف'' میں کہتے ہیں کہ ''اگر تو سارے قرآن پر تدبّر کرے اور اس کے معانی و غرائب کا استخراج کرے' خصوصاً ان مقامات کی تفتیش کرے جہاں اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کو وعید فرمائی ہے تو تُو کسی معاملہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی اتنی سخت وعید نہیں پائے گا جتنی کہ اس نے سیدہ عائشہ رضوان اللہ علیہا کے بہتان کے بارے میں فرمائی ہے' اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی موقع پر اس قدر جھنجھوڑنے والی آیات نازل ہوئی ہیں جو سخت وعید' زبردست عتاب' جگر شکن جھڑک اور توبیخ کے مختلف اسلوب اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے

ہر ایک اپنے باب میں کافی ہے، حتیٰ کہ علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چار کو چار سے بری فرمایا: یعنی

i۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو شاہد (گواہ) کی زبان سے بری فرمایا جیسا کہ فرمایا:

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا۔ (یوسف:۲۶)

"اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی۔"

ii۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے قول سے جو وہ آپ کے بارے کہتے تھے اس پتھر کے ذریعے بری فرمایا جو آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا "یہ واقعہ یوں ہے کہ یہود ننگے نہایا کرتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حیادار اور ستر رکھنے والے تھے جب آپ غسل کا ارادہ فرماتے تو ان سے دور کہیں الگ مکان میں تنہا ہو جاتے تا کہ وہ آپ کا ستر نہ دیکھ سکیں، اس پر وہ یہ کہتے کہ کوئی بھی ہم سے منفرد ہو کر غسل نہیں کرتا مگر وہی جو "آدر" ہو۔ آدر وہ ہوتا ہے جس کے دونوں خصیے پھولے ہوئے یا کوئی ایک۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عیب سے بری کر دے جو کہ وہ آپ کے بارے سوچتے ہیں، تو ہوا یوں کہ آپ ایک مرتبہ حسبِ عادت الگ تھلگ غسل کرنے کیلئے تشریف لے گئے، اپنے کپڑے اتارے اور ایک پتھر پر رکھ دیئے اور خود غسل کیلئے پانی میں اتر گئے۔ جب غسل سے فارغ ہوئے اور کپڑے زیب تن کا ارادہ کیا تو وہ پتھر دوڑ پڑا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ننگے اس کے پیچھے یوں پکارتے ہوئے دوڑ پڑے:

ثَوْبِی یَا حَجَرُ ثَوْبِی یَا حَجَرُ۔

''اے پتھر میرے کپڑے' اے پتھر میرے کپڑے۔''

حتیٰ کہ وہ پتھر بنواسرائیل کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا' تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ننگے دیکھ لیا کہ انہیں کوئی بیماری نہیں ہے اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ایسے ہی ان پر جھوٹی تہمت لگاتے تھے' پھر پتھر رُک گیا اور آپ نے اپنے کپڑے لئے اور اسے اپنے عصا (ڈنڈا) سے مارا یہاں تک کہ اس میں مارنے کا نشان پڑ گیا' جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا۔ (حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ)

(البخاری فی الغسل' باب من اغتسل عریانا: ۱/۷۵' اور مسلم فی الحیض' باب جواز الاغتسال عریانا فی الخلوۃ)۔

iii۔ اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو ان کے بیٹے کی آواز سے بری کیا جبکہ اس نے آپ کی گود میں ندا دی تھی:

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ (میں اللہ کا بندہ ہوں)۔

پس غور کر کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان مذکور ہستیوں کی برأت میں کتنا فرق ہے؟ اور یہ سب کچھ فقط رسول اللہ ﷺ کے عِلو مرتبت کے اظہار کیلئے ہے' اور سید اولادِ آدم' اوّلین و آخرین کے برگزیدہ اور حجۃ اللہ علی العالمین کے مقام و منصب کی رفعت و بلندی پر تنبیہ ہے۔ اور جو آپ ﷺ کی عظمت شان اور تقدم و تحفظ کے نظارے دیکھنا چاہتا ہے وہ ان آیاتِ اِفک کا بغور مطالعہ کرے اور تدبر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حُرمت کے سلسلہ میں کس قدر غضب فرمایا؟!!

اور کس قدر اس تہمت کی نفی میں مبالغہ فرمایا؟!

انتباہ:

مستشرقین اور متعصبین واقعہ اِفک کی آڑ میں اندھا دھند جو نبی کریم ﷺ پر عیب لگاتے ہیں یعنی ان کی بیوی پر تہمت اور عزت پر حملہ کی وجہ سے' تو لامحالہ وہ اس مسئلہ میں خودغرض اور حاسد ہیں۔اور استاذ عقّاد نے اپنی کتاب "الصِدّیق   ۃبنت الصِدّیق" میں ان کا خوب رد کیا ہے۔

اور میں (مؤلف) نے ایک قدیم کتاب میں پڑھا کہ ایک بہت بڑے پادری نے ایک مسلمان عالم سے مسائل دینیہ میں مناظرہ کیا' اور کلام کو حدیث اِفک کی طرف موڑتے ہوئے پادری نے نبی کریم ﷺ پر طعن کیا اور طعن کا سارا دارومدار اسی واقعہ اِفک پر تھا' تو مسلمان عالم نے کہا کہ بفرضِ محال تہمت صحیح بھی ہوتو عائشہ ایک بیوی ہے' طلاق کے ذریعے اس سے علیحدگی ممکن ہے' لیکن اس عورت (حضرت مریم سلام اللہ علیہا) کے بارے تیری کیا رائے ہے جو اپنی قوم کے پاس اپنا بچہ اٹھا کر لے آئی ؟!!! تو پادری خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

............(میرے خیال میں وہ مسلمان عالم باقلانی ہے بلکہ ابن باقلانی ہے جو امام علامہ' متکلم قاضی ابوبکر عمر بن طیب بن محمد بصری بغدادی' صاحب تصانیف کثیرہ ہیں' اور جو اپنے فہم و ذکاء میں ضرب المثل تھے اور ان کی وفات (۴۰۳ھ) میں ہے' اور اس قصہ کو امام ذہبی نے (السیر: ۱۷/ ۱۹۲) میں ان ہی کے ترجمہ کے تحت اختصار سے ذکر کیا ہے..............مؤلف رحمۃ اللہ علیہ)۔

رَسُولُ اللہ ﷺ کے فیصلے قطعی ہیں

اللہ ربّ العزّت جل مجدہٗ الکریم نے منافقین کے بارے میں فرمایا ہے

کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں فیصلے کروانے سے کتراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ و رسول کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ بہرحال جو رسول اللہ ﷺ کے مبارک فیصلے سے روگرداں ہوئے ان کا اللہ تعالیٰ نے حال واضح فرمایا کہ یہ حقیقۃً ایمان سے خالی ہیں' کیونکہ اگر ان میں ایمان ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے سے اِعراض نہ کرتے سبحان اللہ! کیا شان ہے حضرت رسول اللہ ﷺ کے مبارک فیصلوں کی' کہ جن کو تسلیم کرنا اللہ تعالیٰ نے ایمان کا معیار ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے انہیں واضح طور پر ظالم کہا ہے' جس کا سبب فقط یہی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے فیصلہ سے اِعراض کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا ارشاد پاک ہے:

۱۔ وَ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ مَاۤ اُولٰٓىٕكَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَ اِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْۤا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ

(النور: ۴۷ تا ۴۹)

"اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور رسول پر اور حکم مانا پھر کچھ ان میں کے اس کے بعد پھر جاتے ہیں اور وہ مسلمان نہیں اور جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے تو جبھی ان کا ایک فریق منہ پھیر جاتا ہے اور اگر ان کی ڈگری ہو تو اس کی طرف آئیں مانتے ہوئے۔"

یہ آیت اس امر پر واضح ثبوت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ فیصلے میں خطا

نہیں کرتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے فیصلے کو اپنا فیصلہ قرار دیا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے حق میں خطا محال ہے۔

اس دور میں بعض اہل بدعت کا جو یہ خیال ہے کہ حضور ﷺ سے بعض فیصلوں میں خطا ہوئی' تو یہ کھلی گمراہی ہے جو جہالت پر مبنی ہے۔اور ان میں سے بعض کی جہالت و گمراہی یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعض فیصلوں کی مخالفت کو جائز ٹھہرایا جبکہ کوئی مصلحت اس کا تقاضا کرتی ہو' مجھے (مؤلف) کو معلوم نہیں کہ ان پر یہ آیت کیسے مخفی رہی؟ نیز سورہ نسآء کی یہ آیہ مقدسہ کیوں یاد نہ آئی؟!!

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔

"تو اے محبوب تمہارے ربّ کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔"

اور کون سی وہ مصلحت ہے جو آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت کا تقاضا کرتی ہے؟ اور قرآن آپ ﷺ کے فیصلے بدل و جان تسلیم نہ کرنے والے سے ایمان کی نفی کرتا ہے؟!!

۲۔ اور اللہ تعالیٰ و سبحانہ' کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ

رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (النور:۵۱)

"مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے کہ عرض کریں ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔"

اس آیت کے کلمہ "لِيَحْكُمَ" میں ضمیر مفرد ہے جو اللہ اور رسول کی طرف راجع ہے، جس کا مفاد یہ ہے کہ اللہ اور رسول کا حکم ایک ہی ہے۔ اور مسلمانوں کا یہ قول ہے کہ ہم نے سنا اور مانا، نہ کہ انہوں نے کسی مصلحت وغیرہ سے مشروط کیا۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا مژدہ جانفزا سنایا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت پر برانگیختہ کیا اور اس کا حکم دیا اور یہ امر واضح کیا کہ ہدایت صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ہے۔

نیز یہ بحث ہماری اس گفتگو کی تاکید کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذکر کو اپنے ذکر سے ملا کر رکھا، جو آپ ﷺ کی تکریم وتشریف پر دلیل ہے، اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی اطاعت کی طرف معاملہ کو متوجہ کرنے کی تولیت فرماتا ہے جس طرح کہ اس نے آپ ﷺ سے دفاع کی ذمہ داری اپنے ذمہ کرم میں لی۔

اذنِ رسول ﷺ کی اہمیت اور قرآن

جب مشرکین نے آپ ﷺ پر مدینہ منورہ میں حملہ آور ہونے کا پختہ عزم کر لیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے مشرکین سے مقابلہ کی تیاری میں خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اس موقعہ پر منافقین کام میں سستی کا مظاہرہ کر رہے تھے اور

جب انہیں موقعہ ملا تو بغیر اجازت لئے گھروں کو واپس ہوئے، جبکہ نبی کریم ﷺ کے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم بڑی مشقت سے مصروفِ عمل رہے اور ان میں سے کوئی بھی بلا عذر واپس نہیں لوٹا اور اگر عذر بھی ہوا تو آپ ﷺ سے اجازت لے کر واپس ہوا یا کام کی تکمیل کے لیے گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس تناظر میں قرآن پاک کی یہ آیات نازل فرمائیں جو صحابہ کرام کی مدح اور منافقین کی مذمت پر مشتمل ہیں، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَ إِذَا كَانُوا مَعَهٗ عَلٰٓى أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتّٰى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَ رَسُولِهٖ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (النور: ٦٢)

''ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے جس کیلئے جمع کئے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں وہ جو تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کیلئے تو ان میں جسے تم چاہو اجازت دے دو اور ان کیلئے اللہ سے معافی مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیہ مقدسہ میں "اَمْرٍ جَامِعٍ" سے مراد خندق کھودنا یا خطبہ جمعہ ہے' اور صحابہ کی بے حد مدح ہے اور منافقین کی سخت مذمت۔ اور "فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ" (جسے چاہو اجازت دے دو) میں معاملہ حضور ﷺ کے سپرد کیا گیا ہے' اور یہ علم اصول کی مبحث اجتہاد میں مذکور مسئلہ تفویض کی دلیل ہے۔ اور ان کیلئے اللہ سے معافی مانگنے کا جو آپ ﷺ کو حکم ہوا' وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے معافی مانگنے کی بدولت وہ معاوضہ عطا فرمائے جو وہ تمہاری معیت کے شرف کو ضائع کر بیٹھے تھے۔

علامہ زمخشری اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ ان پر واضح کرے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے بغیر اجازت چلے جانے کا کتنا بڑا گناہ ہے۔ جبکہ اللہ کریم نے بلا اجازت نہ جانے کو ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کا تیسرا رکن قرار دیا' بلکہ ان دونوں کو اس کا سبب ٹھہرایا اور اس کے ذکر کیلئے تمہید بنایا۔ اور وہ یوں کہ جملہ کو "اِنَّمَا" سے شروع فرمایا اور مومنین کو بطور مبتدا واقع کیا جس کی وہ موصول لایا جس کا صلہ اِیمانین (ایمان باللہ اور ایمان بالرسول) کو محیط ہے' پھر اس کی تاکید وتشدید میں اضافہ یوں کیا کہ اسی مضمون کا دوسرے اُسلوب پر اِعادہ فرمایا' اور وہ یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اور اس کے ساتھ ایک اور چیز کو شامل فرمایا' وہ یہ کہ طلب اذن کو اِیمانین کی صحت کا مصداق ٹھہرایا' اور منافقین کے حال اور ان کے چپکے سے کھسک جانے کو واضح کیا' گویا کہ ان کا یہی رویہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایمانین میں سچے نہیں ہیں۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ان کے طلب اذن کے بعد اللہ تعالیٰ نے معاملہ

کو آپ ﷺ کی مشیّت و اذن کے ساتھ کس طرح معلّق کیا کہ وہ چاہیں تو اِذن دیں، گویا کہ یہ معاملہ آپ ﷺ کی صوابدید پر موقوف ہے۔

ندائے یا رسول اللہ ﷺ

بعض مسلمان حضور نبی کریم ﷺ کو صرف نام مبارک یا کنیت سے یوں ندا دیتے تھے کہ "یامحمد" یا "یاابا القاسم" تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس روش سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضاً۔ (النور:٦٣)

"رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔"

یعنی جس طرح تمہارے بعض بعض کو "یافلاں" کہہ کر پکارتے ہیں، ایسا نہ کہو بلکہ یوں عرض کرو "یارسول اللہ، یا نبی اللہ" وغیرہما دیگر وہ الفاظ جو آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم پر دال ہیں، جن میں سے ایک لفظ "سیدی" بھی ہے اور بعض جلیل القدر صحابہ اس کلمہ سے آپ ﷺ کو ندا کرتے، جیسا کہ "سنن ابی داؤد کتاب الادب" میں ثابت ہے اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

جو لوگ آپ ﷺ کو محض نام مبارک سے ہی یاد کرنے کے رسیا ہیں وہ قرآن کریم کے مخالف اور ذوقِ سلیم سے قطعاً بیگانے ہیں نیز وہ ایسے عظیم رسول ﷺ کے حق میں ادنیٰ ادب سے بھی عاری ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے یہ ایسی خصوصیت بخشی ہے جو دیگر انبیاء علیہم السلام کو نصیب نہیں ہوئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے بیان فرمایا ہے کہ ان کی قومیں انہیں فقط نام سے پکارتی تھیں' جیسے قرآن حکیم میں وارد ہے:

۱۔ وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ۔

۲۔ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ۔

اور بلقیس کا مقولہ:

۳۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننا واجب ہے

پھر اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ نے منافقین کی مذمت کا صراحت سے اعادہ کیا' چنانچہ پروردگار عالم کا ارشادِ گرامی ہے:

قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔

(النور:۶۳)

"بے شک اللہ جانتا ہے جو تم میں چپکے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لے کر تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔"

یعنی خصوصاً ان منافقین کی بات ہے جو خطبہ جمعہ کے دوران چھپ چھپا کر نکل جاتے تھے۔ بہرحال اس کلام سے یہ ماخوذ ہے کہ یہاں امر وجوب کیلئے ہے اور اس بات پر واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اِتباع واجب ہے۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو کسی کام کیلئے تمہیں جمع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو تمہیں بلاتے ہیں' لہٰذا تم بلا اجازت وہاں سے چلے نہ جایا کرو' اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کے بلانے کو ایسا سمجھو کہ جیسے تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو اور پھر بلانے والے کی اجازت کے بغیر تم مجمع سے لوٹ آتے ہو' یا تم آپ ﷺ کے نام لینے اور ندا کرنے کو ایسا نہ بنالو جیسے تم ایک دوسرے کو فقط اس نام سے ندا کر دیتے ہو جو اس کے والدین نے اس کا نام رکھا ہوتا ہے' لہٰذا ایسا نہ کہو یعنی "یا محمد" بلکہ یوں کہو "یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ" اور یاد رہے کہ الفاظ میں تعظیم و توقیر ہو' آواز پست اور لہجہ عاجزانہ ہو۔

میں (شیخ غماری) کہتا ہوں کہ یہ آیت دونوں معنوں کے مجموعہ پر مشتمل ہے' کیونکہ فعل سیاقِ نہی میں واقع ہے لہٰذا عام ہے۔

۲۱۔ سورۃ الفرقان

حضور ﷺ کی رسالتِ عامہ کا نفیس استدلال

اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ نے فرمایا:

تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔ (الفرقان:۱)

"بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔"

اس آیہ مبارکہ کا مفاد یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ جن وانس اور ملائکہ' سب کی طرف مُرسَل ہیں' کیونکہ "**العٰلمین**" کا لفظ ان تمام کو شامل ہے' نیز اس

لئے بھی کہ سورۂ انبیاء میں آپ ﷺ کا ان سب کو ڈرسنانا ثابت ہے جو گذر گیا۔

مفسرین میں سے جس نے لفظ عالمین کو فقط ثقلین (جن وانس) پر محمول کیا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ ملائکہ معصوم ہیں' تو یہ محض اس کا وہم ہے کیونکہ عصمت تکلیف کے منافی نہیں یعنی جو معصوم ہے وہ احکام کا پابند نہیں' اور نہ ہی یہ ڈرسنانے کو مانع ہے' کیونکہ معصوم کو بھی صیغہ شرط کے ساتھ ڈرسنانا ثابت ہے' جیسا کہ سورۂ انبیاء میں گذرا۔ اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے اس ارشاد پاک میں بھی ایسا ہی ہے:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (الزمر:٦٥)

''اور بے شک وحی کی گئی تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف کہ اے سننے والے اگر تو نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور تیرا کیا دھرا اکارت جائیگا اور ضرور تو ہار میں رہے گا۔''

دیکھئے یہاں بھی صیغۂ شرط کے ساتھ ڈرایا گیا ہے باوجودیکہ انبیاء علیہم السلام بھی معصوم ہیں' اس میں حکمت یہ ہے کہ ان کی عبادت قرب کے درجات میں زیادتی کرتی ہے' نیز اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ ان سے اپنی عصمت اور علو مرتبت کے باوجود بفرض محال اگر مخالفت واقع ہو جائے تو انہیں بھی عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تو ایسی صورت میں ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ایسے نہیں ہیں؟ یعنی معصوم نہیں۔

بتدریج نزولِ قرآن کی حکمت

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کا ارشاد ہے:

وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اِفْکُ نِ افْتَرَاہُ وَاَعَانَہٗ عَلَیْہِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (الفرقان:۴)

"اور کافر بولے یہ تو نہیں مگر ایک بہتان جو انہوں نے بنا لیا ہے اور اس پر اور لوگوں نے انہیں مدد دی ہے۔"

اسی طرح اس آیت کا مابعد بھی تہمت و شبہ پر مشتمل ہے جو کفار نے آپ ﷺ کے بارے زبان درازی کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہات کا ایسا جواب دیا جو ان کے بطلان کو واضح کرتا ہے۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا یَأْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا۔ (الفرقان:۳۳)

"اور وہ کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔"

اس آیہ مبارکہ کا ایک مفاد تو اس مضمون کی تائید ہے جو ہم نے سورۂ بقرہ کے تحت بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (ﷺ) کا دِفاع اپنے ذمہ کرم میں لے رکھا ہے اور کفار کی جانب سے جو تہمت و بہتان اور شبہات وارد کئے جاتے ہیں، اللہ کریم خود ان کے جواب نازل فرماتا ہے۔

علامہ صاوی کہتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار جب کوئی شبہ وارد کرتے ہیں یا کوئی عجیب وغریب سوال لے آتے ہیں، تو ہم اس کا ایسا بہتر جواب دیتے ہیں جو ان کی مکمل تردید کا حق ادا کرے، تاکہ آپ ﷺ پر اس سلسلے میں کوئی کلفت نہ ہو۔ لہٰذا اگر سارا قرآن ایک ہی مرتبہ اکٹھا نازل کر دیا جاتا تو نبی کریم ﷺ کو اس

شبہ کے ردّ کیلئے قرآن میں غور کرنا پڑتا' جس طرح ایک عالم مسائل کا جواب دینے کیلئے کتب میں غور وخوض کرتا ہے اور خاصی محنت کے بعد کوئی شافی جواب پاتا ہے' تو یوں معاملہ آپ ﷺ کے سپرد ہوتا اور آپ ﷺ پر یہ دشواری ہوتی۔ اور جب یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے تو لامحالہ یہ بندہ کے سپرد ہونے سے کہیں اتم اور اکمل ہے' اور اس میں معاندین کی ذلت ورُسوائی ہے۔

حضور ﷺ کی رسالت عام ہونے کی وجہ

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْراً ۔

اس آیہ مقدسہ کا مفاد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہر ایک بستی میں الگ الگ رسول بھیجنا چاہتا تو بھیج دیتا اور یوں ہمارے نبی ﷺ کی رسالت بھی اپنی قوم کے ساتھ خاص ہوتی جیسا کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت۔ لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے نبی (ﷺ) کو سارے جہان کیلئے رسول بنایا' تاکہ آپ ﷺ کا اجر و ثواب عظیم ہو' ذکر بلند ہو اور قدر و منزلت نہایت بڑھ جائے۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ "اگر ہم چاہتے تو آپ (ﷺ) سے ساری بستیوں کو ڈرانے کا بوجھ ہلکا کر دیتے اور ہم ہر بستی میں ایک الگ الگ نبی بھیج دیتے جو انہیں ڈرائے۔ لیکن ہم نے نذارت صرف آپ ہی کے سپرد کی ہے اور اس سے تمہیں عظمت و جلالت بخشی ہے اور یوں ہم نے آپ کو سارے رسولوں پر فضیلت دی ہے' لہٰذا (اے محبوب) اس عظیم کام کو محنت سے نبھاؤ اور صبر سے کام لو۔"

۲۲۔ سُورۃ الشعرآء

اے پیارے! کبیدۂ خاطر نہ ہو

جب اہل مکہ ایمان نہ لائے اور انہوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی تو ان کی ایمان سے محرومی آپ ﷺ پر شاق ہوئی' تو اللہ ربّ العزت نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور اپنے آپ پر شفقت کرنے کا حکم فرمایا: لامحالہ یہ ایک ایسی عنایت ہے جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو میسر نہیں ہوئی۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ (الشعرآ: ۳'۴)

"کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر کوئی نشانی اتاریں کہ ان کے اُونچے اُونچے اُس کے حضور جھکے رہ جائیں۔"

سبحان اللہ' کیا کمال عنایت ہے کہ کفار ایمان نہیں لاتے تو نہ لائیں' اے پیارے تم اس کا غم کیوں کرتے ہو' پس تم اپنی ذات پر شفقت کرو اور کبیدۂ خاطر نہ ہو۔

قرآن کی شان

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم فرماتے ہیں:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (الشعرآئ: ۱۹۲)

"اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اُتارا ہوا ہے۔"

یہ آیہ مبارکہ اور اس کا مابعد قرآن کی مدح کے علاوہ' اس کو نازل کرنے والے اور وہ جس پر یہ نازل کیا گیا اس فرمائش پر مشتمل ہے' اور اس بات کا بیان ہے کہ بنو اسرائیل کے علماء خوب جانتے ہیں کہ یہ حق ہے اور اس کی شہادت دیتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَ مَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۔ (الشعراء: ۲۱۰' ۲۱۱)

"اور اس قرآن کو لے کر شیطان نہ اترے اور وہ اس قابل نہیں اور نہ وہ ایسا کرتے ہیں۔"

اس آیہ مقدسہ سے لے کر اس ارشادِ خداوندی تک:

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۔ (الشعراء: ۲۲۱' ۲۲۲)

"کیا میں تمہیں بتا دوں کہ کس پر اترتے ہیں شیطان اترتے ہیں ہر بڑے بہتان والے گناہ گار پر۔"

یہ سارا مضمون مشرکین کے اس قول کا رد ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی ﷺ پر وارد کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عادتِ کریمہ کے مطابق ان کی ناقابل زوال تردید فرما دی' تو یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے پیارے نبی ﷺ پر ایسی عنایت ہے' جو آپ ﷺ سے پہلے کسی رسول کو حاصل نہیں۔

۲۳۔ سورۃ النمل

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ۔

(النمل:٦)

''اور بے شک تم قرآن سکھائے جاتے ہو حکمت والے علم والے کی طرف سے۔''

مشرکین نے جب آپ ﷺ اور قرآن پر اعتراض وارد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید میں یہ آیہ مبارکہ نازل فرمائی' یہی وجہ ہے کہ اسے اِنَّ اور لام کے ساتھ مؤکد کیا ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ یہ آیت انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے تذکرہ کی تمہید بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ' کا ارشادِ گرامی ہے:

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ۔ (النمل:٧٠)

''اور تم ان پر غم نہ کھاؤ اور ان کے مکر سے دل تنگ نہ ہو۔''

اس آیہ مقدسہ میں آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ تم ان کے مکروفریب سے پریشان نہ ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی کفالت کرے گا کہ آپ کو ان کے خلاف مدد و نصرت سے نوازے گا۔

۲۴۔ سورۃ القصص

اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ فرماتے ہیں:

وَ مَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ۔ (القصص:۴۴)

"اور تم طور کی جانب مغرب میں نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ کو رسالت کا حکم بھیجا۔"

یہ آیت اور اس کا بعد بھی دفاع کی ایک نوع ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جھٹلانے والوں پر حجت قائم کر کے آپ ﷺ کا دِفاع فرمایا۔

اور جب حضور نبی کریم ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت کیلئے نکلے اور مقامِ جُحفہ تک پہنچے تو اپنے شہر کا اشتیاق ہوا اور مکہ کے راستے کی تعریف کی کیونکہ وہ بنسبت دیگر راستوں کے آسان تھا' بہرحال آپ ﷺ کا اشتیاق بڑھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا' جس میں یہ وعدہ تھا کہ ہم آپ کو آپ کے شہر کی طرف لوٹا دیں گے' چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ۔ (القصص:۸۵)

"بے شک جس نے تم پر قرآن فرض کیا وہ تمہیں پھیر لے جائیگا جہاں پھرنا چاہتے ہو۔"

یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے نبی ﷺ پر عنایت فرمانے کی عظیم دلیل ہے۔

علامہ زمخشری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیک

الْقُرْاٰنَ'' یعنی آپ پر اس قرآن کی تلاوت و تبلیغ اور اس کے احکام پر عمل فرض کیا گیا۔ بے شک وہ ذات جس نے آپ کو اس تکلیف کا مکلف بنایا ہے وہ تمہیں اس پر اتنا اجر و ثواب عطا فرمائے گی کہ کوئی وصف اس کا احاطہ نہیں کر پائے گا۔ اور ''لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ'' کا مطلب ہے کہ بعد از وصال آپ کو وہ مقام دیا جائیگا جو کسی اور بشر کے لائق نہیں ہوگا

میں کہتا ہوں کہ وہ مقامِ محمود ہے۔ اور لفظ مَعَادٍ کی تنکیر اسی لئے ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو فتح مکہ کے دِن وہاں لوٹایا گیا اور اب تنکیر کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ معاد اس دِن بڑی شان والا ہے اور آپ ﷺ کا مشہور مرجع ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان پر غلبہ و قہر نصیب ہوا اور اسلام اور اہلِ اسلام کا اقتدار مسلّط ہوا جبکہ شرک اور اہلِ شرک کی ذلت و رسوائی ہوئی۔

اور یہ سورہ مکیہ ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے اس وقت وعدہ کیا جب آپ مکہ میں تکلیفوں کا شکار تھے اور اہل مکہ کی اذیتوں کا ہدف تھے کہ اے محبوب! آپ کو یہاں سے ہجرت کرائی جائے گی اور پھر یہاں آپ کو غالب اور فاتح کی حیثیت سے لوٹا دیا جائیگا۔ اور منقول ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ اپنے سفر ہجرت پر پہنچ چکے تھے، تو آپ ﷺ کو اپنی اور اپنے آباء و اجداد کی جگہ کا اشتیاق ہوا اور حرمِ ابراہیم کی یاد نے ستایا تو حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور دریافت کیا کہ:

اَتَشْتَاقُ اِلٰی مَکَّۃَ؟

''کیا تم مکہ کا اشتیاق رکھتے ہو؟'' تو حضور ﷺ نے فرمایا:

نَعَمْ ''ہاں''

تو اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم نے آپ ﷺ کی طرف یہ وحی نازل فرمائی۔

(حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ)

۲۵۔ سورۃ العنکبوت

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ مَا كُنتَ تَتلُوا مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنۡ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيۡنِكَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ۔

(العنکبوت:۴۸)

"اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان یہود پر حجت قائم کی ہے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار کیا' اور لامحالہ یہ بھی کمال دِفاع ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی جناب سے ایسی نوازشات کا میسر آنا فقط ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کا ہی نصیبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ مَا كُنتَ تَتلُوا مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنۡ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيۡنِكَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ۔

(العنکبوت:۴۸)

"اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے۔"

یہود و نصاریٰ نے آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے آپ ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے ان پر یہ حجت قائم کی۔

۲۶۔ سورۃ الاحزاب

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ ۔ (الاحزاب:۱)

''اے غیب کی خبریں بتانے والے اللہ کا یونہی خوف رکھنا۔''

یہاں آپ ﷺ کو وصفِ نبوت سے ندا کی گئی' اور ہم نے سورۂ مائدہ میں اس پر تنبیہ کی ہے اور اس آیت مبارکہ پر ہم نے علامہ زمخشری کا کلام نقل کیا ہے۔

ہر امر میں نبی کریم ﷺ کو اپنی جان پر مقدم رکھنا لازم ہے

اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ کا فرمان ذیشان ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْ
وَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ۔ (الاحزاب:۶)

''نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔''

اس آیت مبارکہ کے پہلے حصہ کا مفاد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو مقدم رکھنا لازم ہے لہٰذا ہر مومن پر یہ لازم ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی ذات کو اپنی جان پر مقدم رکھے اور اسے ہر حال میں ترجیح دے یعنی ذاتی تمنا پر آپ ﷺ کی فرمانبرداری کو ترجیح دے۔

شاعرِ رسول حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

فَاِنَّ اَبِیْ وَ وَالِدَهٗ وَ عِرْضِیْ
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَآءٌ

"بے شک میرا باپ، دادا اور میری عزت حضور ﷺ کی
عزت و آبرو کے تحفظ کیلئے ڈھال ہے۔"

علامہ زمخشری اس آیت کے تحت رقمطراز ہیں کہ "ہر امر میں حضور نبی کریم ﷺ کو مقدم رکھنا واجب ہے چاہے معاملہ دین کا ہو یا دنیا کا۔ اور یہی وجہ ہے کہ "مِنْ اَنْفُسِهِمْ" کو مطلق رکھا گیا ہے مقید نہیں کیا۔ لہٰذا ایمان والوں پر واجب ہے کہ حضور ﷺ انہیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہوں، اور ان کا حکم ان پر نفس کے حکم سے زیادہ نافذ ہو اور یہ کہ وہ اپنے حقوق سے آپ ﷺ کے حق کو ترجیح دیں، نیز اپنی ذات پر شفقت سے بڑھ کر آپ ﷺ کے حکم پر متوجہ رہنا واجب ہے اور یہ کہ وہ مشکل ترین گھڑی میں بھی اپنی جان کو آپ ﷺ پر فدا کر دیں، اور دورانِ جنگ اپنی جان کو آپ ﷺ کیلئے ڈھال بنا دیں۔ نیز ایمان والوں پر واجب ہے کہ وہ نفس کی ترغیبات اور ترہیبات کی پیروی نہ کریں اور فقط اس امر کی بجا آوری کریں جس کی دعوت رسول اللہ ﷺ نے دی ہو، اور جس سے آپ ﷺ نے منع کیا ہو اس سے مکمل اجتناب کریں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جس امر کی بھی دعوت دی ہے وہ ایمان والوں کیلئے دونوں جہاں میں نجات اور کامیابی حاصل کرنے کی راہ ہے، اور جس جس امر سے آپ ﷺ نے انہیں منع کیا ہے وہ ممانعت انہیں فقط اس بات سے بچانے کیلئے ہے کہ کہیں وہ ان امور میں پڑ کر شقاوت اور عذاب جہنم مول نہ لے لیں۔"

اور ارشادِ باری تعالیٰ کے اس دوسرے حصہ "وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ" کا مفاد یہ ہے کہ حضور سیدِ دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعظیم و احترام ایسے ہی واجب ہے جیسے اپنی ماؤں کا، اور ان سے نکاح حرام ہے جیسا کہ اس ذکر کے بعد اس کی تصریح آتی ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ تعالیٰ وسبحانہ فرماتے ہیں:

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا (الاحزاب:۷)

"اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا۔"

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ "اگر تو کہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت نوح اور دیگر بعد الذکر انبیاء علیہم السلام سے مقدم کیوں رکھا؟ تو میں (زمخشری) جواباً کہوں گا کہ یہ عطف محض انبیاء کی فضیلت کے بیان کیلئے ہے، اسی لئے صرف مشاہیر انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا لہٰذا جب حضرت محمد ﷺ ان تمام صاحب فضیلت انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں تو ان کا ذکر اسی لئے مقدم رکھا گیا تا کہ ان کی فضیلت پر دلیل ہو، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو جس نبی کا زمانہ مقدم ہے اسی کا ذکر مقدم ہوتا۔"

اور اگر تو کہے کہ اسی طرح ایک دوسری آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کو مقدم رکھا گیا یعنی اس آیہ کریمہ میں:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ۔ (الشوریٰ:۱۳)

"تمہارے لئے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی۔"

پھر دیگر انبیائے (علیہم السلام) کا ذکر کیا؟

تو میں (زمخشری) کہوں گا کہ اس آیت کا مورد اس طریقہ پر نہیں جو اس آیت کا تھا، اور وہ مورد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو دین اسلام کے وصف کے بیان میں وارد کیا کہ یہی وہ دین ہے جو اصالت اور استقامت سے موصوف ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے لئے اس اصل دین کی راہ ڈالی جس پر قدیم زمانہ میں نوح کو مبعوث کیا گیا، اور اس موجودہ زمانہ میں اسی دین پر حضرت محمد خاتم الانبیاء ﷺ مبعوث ہوئے اور درمیان میں بھی جو انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث ہوئے اسی دین پر تھے۔"

نصرتِ خداوندی

اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ فرماتا ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ (الاحزاب:۹)

"اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر کچھ لشکر آئے، تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے۔"

یہ غزوہ خندق کا منظر ہے جب کچھ جماعتیں مسلمانوں سے ٹکرانے آئیں یعنی قریش غطفان اور یہود بنی قریظہ و بنی نضیر وغیرہم۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی یوں مدد فرمائی کہ اس نے زبردست آندھی بھیجی اور نظر نہ آنے والے ملائکہ کے لشکر روانہ فرمائے، نتیجہ یہ ہوا کہ آندھی نے کفار کے خیموں کو اُکھاڑ

دیا یعنی طنابیں، رسے، کھونٹے اور چادریں پھٹتی، ٹوٹتی، ایک دوسرے سے بجتی افراتفری کا شکار ہو گئیں، اور مٹی اڑ کر کفار کے چہروں پر بجنے لگی نیز کفار کی آگ اور روشنیاں وغیرہ سب کچھ خاک میں مل کر رہ گئیں، اور ملائکہ ان کے اطراف میں نعرہ ہائے تکبیر میں مصروف تھے۔

انہی حالات میں طلیحہ بن خویلد اسدی نے کہا کہ اے لوگو محمد نے تم پر جادو شروع کر دیا ہے، پس اب نجات کا راستہ تلاش کرو فقط نجات کا، اور یوں وہ بغیر کسی قتال کے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اُسوۂ رسول ﷺ

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔

(الاحزاب:۲۱)

"بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے جو بھی قول اور عمل صادر ہو، ایمان والوں کیلئے اسی کی پیروی کرنا بہتر ہے، کیونکہ حضور ﷺ ہوائے نفس سے کوئی بات کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی عمل، بلکہ وہ وحی کی پیروی کرتے ہیں چاہے وحی ظاہر ہو یا خفی۔ کسی بزرگ نے کہا ہے ؎

وَ خَصَّكَ بِالْهُدٰى فِيْ كُلِّ اَمْرٍ
فَلَسْتَ تَشَآءُ اِلَّا مَايَشَآءُ

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر معاملہ میں ہدایت کے ساتھ مختص کیا

ہے اور تم کچھ نہیں چاہتے مگر وہی جو وہ چاہے۔"

اور وہ معاملات جن میں آپ ﷺ کی اقتداء کی جاتی ہے' ان میں ایک یہ ہے کہ میدانِ جہاد میں ثابت قدم رہو۔ اور نزولِ آیت کا سبب بھی یہی ہے' اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی "لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ" اس شخص کیلئے بیان ہے جس کیلئے اسوہ حسنہ ثابت ہے' یعنی جو شخص رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والا ہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت کے خوف سے متصف ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثیر کرے گا' اور اسی سے یہ مسئلہ بھی ماخوذ ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی اقتداء ایک ایسا شرف ہے جس کو کما حقہ' صرف بلند پایہ اور خواص مومنین ہی حاصل کر سکے .... مؤلف رحمۃ اللہ علیہ)۔"

ازواجِ مطہرات کا امتیاز

ایک مرتبہ سیّدنا رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ہمارے نان ونفقہ اور لباس میں وسعت ہونی چاہیے' تو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۔ (الاحزاب: ۲۸)

"اے غیب بتانے والے اپنی بیویوں سے فرما دے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں۔"

اُمہات المؤمنین کو اختیار دیا گیا کہ چاہو تو اللہ و رسول کو پسند کر لو اور چاہو تو دنیاوی زندگی و آرائش لے لو اور یہ خبر دی گئی ہے کہ دیگر عورتوں کی نسبت ان پر عقاب زیادہ ہے اور ایسے ہی ان کے ثواب کی نسبت ہے' نیز اس امر سے آگاہ کیا گیا کہ یہ دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہیں' اور انہیں "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ" سے نداء کرنے کا مفاد یہ ہے کہ ان کو یہ عزت و تکریم محض حضور ﷺ کی وجہ سے حاصل ہے۔

تعلیق مؤلف

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ مَنۡ یَّقۡنُتۡ مِنۡکُنَّ لِلّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ تَعۡمَلۡ صَالِحًا نُّؤۡتِہَاۤ اَجۡرَہَا مَرَّتَیۡنِ وَ اَعۡتَدۡنَا لَہَا رِزۡقًا کَرِیۡمًا۔ (الاحزاب:۳۱)

"اور جو تم میں فرمانبردار رہے اللہ اور رسول کی اور اچھا کام کرے ہم اسے اَوروں سے دونا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کیلئے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔"

یعنی دونے ثواب سے مراد یہ ہے کہ ایک مرتبہ اس کی اطاعت پر ثواب ملے گا اور ایک مرتبہ اس پر کہ جو اس نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں خدمت کی اور بعد از وصال اپنی ذات کو عقدِ ثانی سے باز رکھا اسی طرح جب کتابی اسلام قبول کرتا ہے تو اسے بھی دوگنا اجر دیا جاتا ہے۔ ایک اس کے اپنی کتاب پر ایمان کی وجہ سے اور دوسرا قرآن پر ایمان کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے:

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِہٖ ہُمۡ بِہٖ

يُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْآ اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ۔ (القصص: ۵۲، ۵۳)

"جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر یہ آیتیں پڑھی جاتی ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہی حق ہے ہمارے رب کے پاس سے ہم اس سے پہلے ہی گردن رکھ چکے تھے' ان کو ان کا اجر دوبالا دیا جائے گا۔"

مذکورہ بالا آیہ مقدسہ میں بھی اجر کے دوگنے ہونے کا ثبوت ہے۔ اور مزید برآں کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔

"تین آدمی ایسے ہیں جن کیلئے دو دو اجر ہیں' ایک وہ شخص جس کی باندی ہو اور وہ اسے خوب آداب سکھائے پھر اسے آزاد کر دے اور اس سے نکاح کرلے تو اس شخص کیلئے دو اجر ہیں' اور دوسرا وہ کتابی شخص جو اپنے نبی پر ایمان رکھتا ہو پھر اس نے حضور نبی کریم ﷺ کا دور پایا ہو اور آپ ﷺ پر ایمان لے آیا ہو تو اس کیلئے بھی دو اجر ہیں' اور تیسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے آقا کا بھی' تو اس کیلئے بھی دو اجر ہیں۔" (مؤلف رحمۃ اللہ علیہ)

مندرجہ بالا حدیث کی تخریج امام بخاری نے "کتاب العلم" (باب بیان تعلیم الرجل امتہ واھلہٗ) میں' اور امام مسلم نے کتاب الایمان' (باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد ﷺ الی جمیع الناس) میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کی۔

عظمت آلِ نبی ﷺ

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً ۔ (الاحزاب: ۳۳)

"اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے۔"

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی اہل بیت نبوت کی طہارت کو مفید ہے اور وہ حدیث صحیح کے مطابق علی، فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے حبیب لبیب ﷺ کی ازواج کی تکریم کو بیان فرمایا تو اس کے بعد اپنے پیارے ﷺ کی اولاد اور کنبہ کی تعظیم و توقیر کو واضح فرمایا، اور یوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کو تمام اطراف سے اُجاگر کیا۔

ہاں البتہ اہل بیت نبوت کے بارے حدیث صحیح سے مراد وہ حدیث کساء ہے جسے امام ترمذی نے اپنی جامع میں سورہ آل عمران کی تفسیر کے تحت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور اس کو صحیح کہا، اور امام حاکم نے بھی مستدرک (۳/ ۱۵۰) میں اسے صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی موافقت کی، چنانچہ اس حدیث میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ "نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ" نازل فرمائی، تو رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ اور حسن و حسین کو بلایا اور یوں دُعا کی:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ ....

"اے اللہ یہ لوگ میرے اہلِ بیت ہیں ...."

دینی اور دنیاوی اُمور میں حضور ﷺ کی اتباع واجب ہے

حضور نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن جحش سے ان کی بہن زینب کا رشتہ طلب کیا تو انہوں نے اس خیال سے قبول کرلیا کہ آپ ﷺ نے اپنے لئے طلب کیا ہے، لیکن جب انہیں اور ان کی بہن زینب کو یہ معلوم ہوا کہ یہ رشتہ زید کیلئے مانگا گیا ہے تو انہیں یہ ناگوار گزرا، تو اللہ تعالیٰ وسبحانہ نے یہ حکم نازل فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اَمْراً اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً مُّبِيْناً۔ (الاحزاب:۳۶)

"اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو (حق) پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی میں بہکا.........."

تو عبداللہ اور ان کی بہن نے کہا: "رَضِيْنَا بِاَمْرِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ" (ہم اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر راضی ہیں)

اس آیہ کریمہ کا مفاد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا حکم یقیناً اللہ ہی کا حکم ہے اگرچہ وہ قرآن سے خارج ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا خیال تھا کہ زینب کا نکاح زید سے کردیا جائے اور آپ ﷺ نے اس کے بھائی کو یہ رشتۂ ازدواج قائم کردینے کا حکم فرمایا۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے خبردار کیا کہ بے شک یہی اس کا

حکم ہے۔اور صیغہ عام استعمال فرمایا جو کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تمام اوامر کو شامل ہے۔

لہٰذا یہ آیت ان اہلِ بدعت کو خوب رسوا کرتی ہے جو نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو صرف ان امور پر مقفل کرتے ہیں جو قرآن میں ہیں اور دین سے متعلق ہیں، حالانکہ زینب کا زید سے نکاح ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا حکم نہ قرآن نے دیا ہے اور نہ ہی دین سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

اگر وہ اہلِ بدعت تابیرِ نخل (کھجوروں کی پیوند کاری) کے معاملہ میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اس ارشاد کو اپنی دلیل بنائیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

اَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ بِاَمُوۡرِ دُنۡیَاکُمۡ ۱؎

"تم اپنے دنیا کے معاملات کے بارے زیادہ جانتے ہو۔"

تو یہ ان کی دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ترکِ تابیر (پیوند کاری چھوڑنے) کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

لَعَلَّکُمۡ لَوۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا کَانَ خَیۡراً۔

"اُمید ہے اگر تم ایسا نہ کرو تو بہتر ہے۔"

گویا کہ آپ ﷺ نے محض رائے کا اظہار فرمایا۔لہٰذا اس مسئلہ میں ہماری بحث نہیں بلکہ ہماری بحث اس میں ہے جو مذکورہ آیت کا مفاد ہے کہ آپ ﷺ کے ہر حکم کی پیروی واجب ہے چاہے وہ دینی ہو یا دنیاوی، اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حکم عدولی کرنے والوں کو یوں سرزنش بھی فرمائی: کہ

وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلاً مُّبِیۡنًا

''اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی میں بہکا۔''

علامہ ابن قیم کی تعلیق

علامہ ابن قیم کا ''زاد المعاد'' میں اسی مذکورہ آیت کے تحت کہنا ہے کہ ''اللہ سبحانہ' وتعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول کے حکم کے بعد اختیار کو ختم کر دیا ہے۔

۱۔ اس حدیث کو امام مسلم نے ''الفضائل'' میں حضرت انس اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

پس کسی مومن کیلئے روا نہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے حکم کے بعد کچھ بھی اختیار رکھے' ہاں جب آپ ﷺ حکم فرمائیں تو آپ ﷺ کا حکم حتمی اور قطعی ہے' البتہ جب آپ ﷺ کا حکم مخفی ہو تو اس سلسلے میں کسی بھی کتاب وسنّت کے عالم کے قول کو قبول کرنے میں اختیار ہے' بہر حال چند شرائط پر اس کا قول لائق اتباع ہو سکتا ہے نہ کہ واجب الاتباع' اور نہ کسی پر واجب ہے کہ وہ کسی ایک کے قول کی ہی اتباع کرے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ پیروی کے لائق تو ہے لیکن اگر کوئی اس غیر کے قول کو ترک کر دے تو اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان نہیں ہوگا۔

پس یہ کہاں اور وہ ذات کہاں کہ تمام مکلفین پر جس کی اتباع واجب ہے اور مخالفت حرام ہے اور ان پر واجب ہے کہ وہ ان کے قول کی خاطر ہر قول کو ترک کریں کیونکہ ان کے معاملے میں کسی کا فیصلہ اور قول قبول نہیں جیسا کہ آپ ﷺ کے ساتھ کسی کی شریعت قبول نہیں۔

پس حضور ﷺ کے علاوہ ہر شخص کی اتباع اس بناء پر واجب ہے کہ جب وہ وہی حکم دے جس کا حکم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو اور اسی چیز سے منع

کرے جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہو۔ گویا کہ یہ محض مبلغ اور مخبر کی حیثیت سے ہے نہ کہ مؤسس اور بانی۔ البتہ جو شخص کچھ اپنے اقوال بناتا ہے اور اپنی فہم اور تاویل کے اعتبار سے قواعد کی بنیاد رکھتا ہے تو اُمت پر ان کی اتباع واجب نہیں اور نہ ہی انہی اقوال وقواعد سے حکم اخذ کرنا واجب ہے' البتہ ان قواعد کو رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر پرکھا جائے گا' اگر وہ اس کے مطابق ہوں اور ان قواعد کی صحت کی شہادت ہو گئی تو اسی وقت قبول کئے جائیں گے اور اگر اس کے مخالف ہوں تو ان کا رد کرنا واجب ہے۔

اگر دو امور میں سے کوئی بھی واضح نہیں یعنی نہ مطابقت واضح ہے نہ مخالفت تو انہیں موقوف رکھا جائیگا۔ اور ان کے بارے بہترین مؤقف یہی ہے کہ ان سے فیصلہ اور فتویٰ اخذ کرنا بھی جائز ہے اور ترک کرنا بھی۔ بہرحال انہیں وجوب وتعیین کا درجہ دینا ہرگز درست نہیں۔"

مؤلف (علامہ غماری) فرماتے ہیں کہ یہ تقریر انتہائی حسین اور عمدہ ہے۔

وصفِ ختم نبوت

لوگ زید کو ابن محمد کہہ کر بلایا کرتے تھے' کیونکہ حضور ﷺ نے انہیں قبل از اعلانِ نبوت متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنا لیا تھا' تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اس بارے یہ آیہ مقدسہ نازل فرمائی:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ (الاحزاب:۴۰)

"محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے

رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے۔"

اس آیت میں واضح کیا گیا کہ آپ ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور نہ ہی منہ بولا بیٹا حقیقی ہوتا ہے' اور ساتھ ہی آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ثابت کیا گیا' جو ایک ایسی خصوصیت ہے جس سے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کو تمام مرسلین پر فضیلت بخشی' نیز یہاں یہ بھی ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جونہی اپنے پیارے کا ذکر ان کے ذاتی نام محمد سے کیا تو اس کے بعد فوراً وصفِ رسالت کا ذکر کیا' تو یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کسی کیلئے رَوا نہیں کہ وہ آپ ﷺ کا ذکر فقط ذاتی نام سے کرے البتہ صرف اس صورت میں جائز ہے کہ اس کے ساتھ متصل ایسا کلمہ لائے جو آپ ﷺ کی تعظیم پر دلالت کرتا ہو۔

شمس فدا بر مولائے ما

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کا ارشاد گرامی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔

(الاحزاب: ۴۵'۴۶)

"اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔"

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ حضور نبی کریم والصلوٰۃ التسلیم کو ایسے اسماء سے موسوم کیا جائے جو آپ ﷺ کی قدر و منزلت کی عظمت و رفعت پر دلالت کریں'

اور نہ آپ ﷺ سے پہلے کوئی نبی ایسے اسماء سے موسوم ہوا۔ اور دیکھئے اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو سراجِ منیر کے نام سے موسوم فرمایا اور سورج کو سراجِ وہاج کا نام دیا۔ لہٰذا فرق ملاحظہ ہو کہ منیر وہ ہوتا ہے جو حرارت کے بغیر روشنی فراہم کرے جبکہ وہاج میں حرارت اور تپش ہوتی ہے۔

مسئلہ نکاح میں حضور ﷺ کی خصوصیت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَالَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ............
وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الاحزاب:۵۰)

"اے غیب بتانے والے (نبی) ہم نے تمہارے لئے حلال فرمائیں تمہارے وہ بیبیاں جن کو تم مہر دو

....

..............................اور ایمان والی عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کرے اگر نبی اسے نکاح میں لانا چاہے یہ خاص تمہارے لئے ہے اُمت کیلئے نہیں۔"

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ لفظِ ہبہ اور بغیر مہر کے رشتہ ازدواج قائم کر لینا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک خصوصیت ہے' جبکہ لفظ ہبہ سے اِزدواج کسی بھی

انسان کیلئے صحیح نہیں، چاہے وہ کون ہو۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ "اگر تو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان (نفسھا للنبی ان اراد النبی) میں غیبت ہے اور اس کے بعد (خالصة لک) میں خطاب، تو صیغۂ غیب سے خطاب کی طرف عدول کیوں کیا گیا؟ تو جواباً میں کہتا ہوں یہ اس امر کی توجہ دلانے کیلئے ہے کہ مسئلہ زواج میں یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے، اور لفظِ نبی کا استعمال اس بات پر دلیل ہے کہ یہ اختصاص آپ ﷺ کی عزت و تکریم کیلئے ہے جس کا باعث وصفِ نبوت ہے، نیز اس لفظ کا تکرار آپ ﷺ کی عزت و عظمت میں مزید چار چاند لگاتا ہے، اور اس امر کی پختگی کر رہا ہے کہ آپ ﷺ نبوت کی وجہ سے ایسی ہی عزت و شرافت کے مستحق ہیں۔"

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُؤْوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ۔ (الاحزاب:51)

"پیچھے ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو اور اپنے پاس جگہ دو جسے چاہو اور جسے تم نے کنارے کر دیا تھا اسے تمہارا جی چاہے تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں۔"

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ازواج مطہرات کے بارے مکمل اختیار دے دیا کہ جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جسے چاہیں دور کر دیں نیز باری مقرر کریں یا نہ کریں، ان امور میں سے کچھ بھی آپ ﷺ پر واجب نہیں، تو یہ بھی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ایک خصوصیت ہے۔

حضور ﷺ کے اپنی اُمت پر حقوق

اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا۔

(الاحزاب: ۵۳)

"اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ مثلاً کھانے کیلئے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو۔ ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ۔ بے شک اس میں نبی کو ایذاء ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا اور جب تم ان سے برتنے

کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر مانگو۔ اس میں زیادہ ستھرائی
ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ
رسول اللہ کو ایذاء دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے
نکاح کرو۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔"

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اپنی اُمت پر جو حقوق ہیں ان میں سے چند کو اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے' جو درج ذیل ہیں:

۱۔ لوگ بغیر دعوت کے نبی کریم ﷺ کے گھروں میں داخل ہو جایا کرتے اور کھانا پکنے کا انتظار کرنے لگتے تاکہ وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ مل کر کھائیں' تو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے حکم صادر فرمایا کہ بغیر دعوت کے نبی ﷺ کے گھروں میں داخل ہونا حرام ہے۔

۲۔ حضور نبی کریم ﷺ نے کسی بیوی سے شادی کے موقع پر ولیمہ کیلئے صحابہ کو بلایا اور جب وہ کھانا کھا چکے تو ان میں سے بعض وہیں بیٹھے باتوں میں مشغول ہو گئے' تو اللہ تعالیٰ نے کھانا کھانے کے بعد وہاں سے چلے جانا ان پر واجب ٹھہرا دیا۔

۳۔ صحابہ میں سے بعض حضور نبی کریم ﷺ اور آپ زوجہ مطہرہ کے ساتھ کھانا تناول کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُمہات المؤمنین پر پردہ فرض فرما دیا' تاکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی ﷺ کا احترام قائم رہے اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت شامل حال رہے۔

۴۔ اکابر صحابہ میں سے کسی نے کہا تھا کہ اگر نبی کریم ﷺ وصال فرمائے گئے تو میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ'

نے آپ ﷺ کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح حرام ٹھہرا دیا۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح کو عظیم معاملہ قرار دیتے ہوئے حرام ٹھہرایا' جو اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کی تعظیم و تکریم کو ہر حال میں لازم اور واجب ٹھہرایا ہے چاہے حیات ظاہری کا معاملہ ہو یا بعد از وصال کا۔

۵۔ آیہ مقدسہ کا مفاد یہ ہے کہ جو امر نبی کریم ﷺ کیلئے ایذاء کا باعث ہو اس کا اِرتکاب قطعاً حرام ہے' اگرچہ وہ کام اصل میں مباح ہی ہو۔

انتباہ:

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ نے اپنے فرمان عالیشان (فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا) سے بھاری اور بوجھل جسم والوں کو ادب سکھایا ہے۔

ثعلبی نے روایت کیا ہے کہ علاء کہتے ہیں کہ میں نے ابن عائشہ کو یوں فرماتے ہوئے سنا! کہ "ثقلاء (بھاری اور بوجھل) کے بارے میں تمہیں یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رعایت نہیں فرمائی اور فرمایا: "جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ۔"

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ اسی طرح کا ایک واقعہ امام شافعی سے متعلق بھی وارد ہے کہ ایک آدمی نے ان سے دریافت کیا کہ "کیا روح بیمار ہوتی ہے؟" تو آپ نے فرمایا: "ہاں بوجھل لوگوں کے سائے سے بیمار ہوتی ہے۔" پھر ایک مدت کے بعد اسی سائل کا امام شافعی کے پاس سے گذر ہوا اور اس وقت آپ دو بوجھل آدمیوں کے درمیان بیٹھے تھے' اس نے آپ سے سوال کیا کہ "اے ابو عبداللہ اب رُوح کا کیا حال ہے؟" تو آپ نے اسے فوراً جواب دیا کہ حالتِ نزع میں ہے!"

نبیٔ رحمت ﷺ پر صلوٰۃ وتسلیم کی نچھاور

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا فرمانِ ذیشان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

(الاحزاب:۵۶)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر، اے ایمان والو اُن پر درود اور خوب سلام بھیجو۔"

اس آیہ کریمہ کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو دو جہت سے شرافت بخشی ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ امام سھل بن محمد بن سلیمان کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ سے جو شرافت حضور سرور کائنات ﷺ کو بخشی ہے، یہ اس شرافت سے افضل اور اتم ہے جو اس نے آدم علیہ السلام کو بخشی کہ انہیں مسجود الملائکہ بنایا! کیونکہ اس شرافت وعظمت میں اللہ تعالیٰ ملائکہ کے ساتھ شامل نہیں ہے، جبکہ حضور ﷺ کی شرافت وعظمت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے پہلے خبر دی ہے کہ وہ بھی نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتا ہے، پھر فرشتوں کے بارے میں خبردار کیا کہ وہ بھی حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ لہٰذا یہ شرف کہ جس کا صدور خود ذاتِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے لامحالہ یہ اس شرف سے کہیں افضل اور بالاتر ہے جس کا صدور ملائکہ سے مختص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس معاملے میں فرشتوں کے ساتھ شریک نہیں۔"

(امام سھل بن محمد کا یہ بیان امام سخاوی نے "القول البدیع" صفحہ نمبر ۲۷

میں نقل کیا ہے' اور "سیر اعلام النبلائ: ۱۷/۲۰۷" میں ان کا تعارف یوں ہے کہ ابو الطیب صعو کی بہت بڑے شافعی فقیہہ ہیں اور دین و دنیا کی ریاست میں ید طولیٰ رکھتے تھے' اور آپ کی مجلس میں پانچ سو دواتیں موجود رہتیں اور آپ چوتھی صدی ہجری کے مجدد شمار ہوتے تھے۔ ان کا وصال ۴۰۴ھ میں ہوا)۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ' نے اپنے بندوں کو اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے اور اس عمل کو ایسی نیکی بنایا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے خالق و مالک جل جلالہ' کا قرب پا لیتے ہیں' یہ شرف و قدر آپ ﷺ کے علاوہ کسی رسول کو میسر آئی اور نہ ہی کسی فرشتے کا نصیبہ بنی۔

ملائکہ کی تعداد

حافظ سخاوی "القول البدیع" (۳۱ تا ۳۲) میں رقمطراز ہیں کہ ملائکہ کا شمار اللہ سبحانہ' و تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں' کیونکہ ملائکہ بیشمار ہیں جن میں ملائکہ مقربین' حاملین عرش' ساتوں آسمانوں میں رہنے والے اور جنت و دوزخ کے خازن بھی ہیں اعمال محفوظ کرنے والے اور بنو آدم کی حفاظت کرنے والے بھی ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (یَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ) اور بعض دریاؤں' پہاڑوں' بادلوں' بارشوں' رحموں اور نطفوں پر مقرر ہیں اور بعض کا کام رحم میں انسانی صورت بنانا' جسموں میں روح پھونکنا' نباتات اُگانا' ہواؤں کو پھیرنا اور آسمانوں اور ستاروں کو چلانا ہے' اور بعض ہمارا درود نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرنے پر مامور ہیں' اور بعض جمعہ کے دن لوگوں کو لکھتے ہیں اور بعض نمازیوں کی قرأت پر آمین کہتے ہیں اور "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" پر آمین کہتے ہیں' اور بعض نماز کا انتظار کرنے والوں کیلئے دُعا کرتے رہتے ہیں اور بعض ایسی عورتوں پر لعنت کرنے والے ہیں

جو اپنے شوہر کے بستر سے الگ رہیں وغیرہ۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی مقامات اور امور ہیں جن پر ملائکہ مقرر ہیں اور ذخیرہ احادیث اس پر شاہد ہے اور حافظ ابو الشیخ ابن حیان کی کتاب "العظمة" میں اس سے بھی زیادہ مقامات کا تذکرہ ہے جن پر ملائکہ مقرر ہیں۔

(حافظ ابن حیان اصبہان کے بہت بڑے مورث ہیں اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں جن میں "اخلاق النبی ﷺ اور العظمة" مکمل دار الکتب العلمیة سے شائع ہو چکی ہیں۔ ان کا وصال ۳۶۹ھ میں ہے)۔

امام حاکم کی "المستدرک" میں عبداللہ بن عمرو کی یہ حدیث موجود ہے:

إِنَّ اللهَ جَزَّأَ الْخَلْقَ عَشَرَةَ أَجْزَاءٍ فَجَعَلَ الْمَلَائِكَةَ تِسْعَةَ أَجْزَاءٍ، وَجَزَاءً، وَجُزْءًا سَائِرَ الْخَلْقِ

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دس حصوں میں تقسیم کیا اور نو حصے فرشتے بنا دیئے اور ایک حصے سے ساری مخلوق۔"

(امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک' کتاب الفتن والملاحم (۴/۴۹۰) میں نقل کیا اور اسے صحیح الاسناد کہا اور امام ذہبی نے بھی اسی پر اعتماد کیا...............مؤلف)۔

امام مسلم نے کتاب الایمان' باب الاسراء برسول اللہ ﷺ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: کہ

أَنَّ الْبَيْتَ الْمَعْمُوْرَ يُصَلِّيْ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ إِذَا خَرَجُوْا لَمْ يَعُوْدُوْا۔

(صحیح مسلم)

"بے شک بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جو ایک بار آتے ہیں دوبارہ ان کی باری نہیں آتی۔"

(یہ لفظ میں نے بخاری میں نہیں پائے' اور حدیث اسراء امام بخاری نے کتاب التوحید' باب "وَ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوسٰی تَکۡلِیۡماً" میں نقل کی ہے .... مؤلف غفرلہٗ)۔

امام ترمذی' ابن ماجہ اور بزار نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ:

أَطَّتِ السَّمَآءُ وَ حُقَّ لَهَآ اَنْ تَئِطَّ ' مَا فِيْهَاَ مَوْضَعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدٌ۔

"آسمان چرچرایا اور اس کا حق ہے کہ چرچرائے' اس میں چار انگلیوں کی جگہ بھی نہیں مگر اس پر فرشتہ اپنی پیشانی رکھے سجدہ کر رہا ہے۔"

(امام ترمذی نے کتاب الذہد' باب قول النبی ﷺ ' لو تعلمون ما اعلم ... ." میں اور ابن ماجہ نے کتاب الزہد' باب الحزن والبکاؤ میں جبکہ امام احمد نے مسند میں اسے نقل کیا' اور امام ترمذی نے اسے "حسن غریب" کہا ....مؤلف)۔

امام طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اسی کی مثل ہی حدیث عائشہ کو بھی روایت کیا: کہ

مَا فِیْ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ مَوْضَعُ قَدَمٍ وَّلَا شِبْرٍ

وَ لَا كَفٍّ اِلَّا وَ فِيْهِ مَلَكٌ قَائِمٌ اَوْ رَاكِعٌ اَوْ
سَاجِدٌ

"ساتوں آسمانوں میں ایک قدم، بالشت اور ہتھیلی کی جگہ بھی نہیں مگر اس میں فرشتہ قیام کر رہا ہے یا رکوع کر رہا ہے یا سجدہ کر رہا ہے۔"

(حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد: ۱/۵۶، ۱۰/۳۵۶ میں حدیث جابر کے بارے کہا ہے کہ اس میں عروہ بن مروان ہے جس کے بارے پر دارِ قطنی نے کہا "لیس بقوی الحدیث" اور اس کے باقی رجال صحیح کے ہیں ....مؤلف)

حاصلِ کلام

یہ بات نصِ قرآنی سے معلوم ہے کہ جمیع ملائکہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں چاہے وہ کہیں بھی ہوں اور جس حیثیت سے بھی ہوں، یہ ایک ایسا امر ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب لبیب ﷺ کو ہی مختص فرمایا ہے، دیگر انبیاء و مرسلین کو یہ قدر و شرف نصیب نہیں ہوا۔

میں (عبداللہ بن صدیق غماری) کہتا ہوں کہ ملائکہ کے علاوہ بھی مخلوق حضور ﷺ پر درود بھیجتی ہے۔

۲۷۔ سورۃ السبا

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

(السبا:۲۸)

"اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔"

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ حضور ﷺ کی رسالت عام ہے اور اس کا ذکر کئی بار پہلے ہو چکا ہے اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

تعلیق مؤلف

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا فرمان عالیشان ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔

(السبا:۴۶)

"تم فرماؤ میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کیلئے کھڑے رہو دو دو اور اکیلے اکیلے پھر سوچو کہ تمہارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں وہ تو نہیں مگر تمہیں ڈر سنانے والا ایک سخت عذاب کے آگے۔"

اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضور ﷺ نے قوم سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک خصلت اپنا لینے کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ ایک خصلت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے دین پر ڈٹے رہو اور اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے اندر اخلاص پیدا کرو اور اغیار کی رعایت اور تقلید کو نظر انداز کر دو۔ اور یہ بھی تلقین فرمائی کہ اس معاملہ میں متفرق رہو، دو دو یا ایک ایک، کیونکہ ہجوم سے دل میں تشویش پیدا ہوتی ہے اور صحیح غور و فکر نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد پھر تم حضور ﷺ کے معاملہ میں غور کرو اور جو دین وہ لے کر تشریف لائے ہیں اس پر غور و فکر کرو، تا کہ آپ ﷺ کی حقیقت تم پر واضح ہو جائے اور تمہیں خوب معلوم ہو جائے کہ تمہارے نبی کو جنون کا عارضہ نہیں ہے جو انہیں دعویٰ رسالت پر ابھارتا ہے، بلکہ تم اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ آپ ﷺ تمام قریش سے عقل میں راجح، حلم میں اعلیٰ، ذہن میں عمدہ، رائے میں پختہ، بات میں سچے اور طبیعت میں ستھرے ہیں بلکہ ان تمام صفاتِ حمیدہ کے جامع ہیں جو ایک انسان میں ہو سکتی ہیں جن کی بناء پر لوگ موصوف کی تعریف کرتے ہیں، پھر تم با آسانی سمجھ سکو گے کہ اس ہستی میں تو خیر ہی خیر ہے اور آپ ﷺ کے معاملہ میں تم خود فیصلہ کر سکو گے کہ آپ ﷺ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں اور مزید اطمینان کیلئے تمہیں اتنا کافی ہو گا کہ تم آپ ﷺ سے معجزہ کا مطالبہ کر لو اور جب آپ ﷺ وہ پیش فرما دیں تو واضح ہو جائے گا کہ یہ سچے نبی ہیں جو ایک سخت عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے پیارے نبی ﷺ کا دفاع فرمایا ہے۔

۲۸۔ سُورۃ الفاطر

اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ کا فرمان ہے:

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ
وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (فاطر:۴)

''اور اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو بے شک تم سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے گئے اور سب کام اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں۔''

علامہ زمخشری رقمطراز ہیں کہ ''قریش جب اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتے اور طرح طرح کی باتیں بناتے تو حضور سیّد دو عالم ﷺ کی طبیعت انتہائی کبیدہ خاطر ہو جاتی' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ کیلئے پہلے انبیاء علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ ہے۔ پھر اس کے بعد وعدہ وعید کو بھی بیان فرمایا یعنی تمام امور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور جھٹلانے والا اور جھٹلایا ہوا اپنے اپنے استحقاق کے مطابق جزا و سزا پائیں گے۔

اگر تو یہ کہے کہ آیت میں ''رُسُلٌ'' کو نکرہ بنانے کا کیا معنی ہے؟

تو میں جواباً کہوں گا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جن رسولوں کو جھٹلایا گیا ان کی تعداد کثیر ہے اور وہ بھی معجزات والے تھے اور ڈرانے والے تھے نیز ان کی عمریں بھی لمبی تھیں اور بڑے صبر و عزم والے تھے ایسی صفات کے حاملین ہونے کے باوجود انہیں جھٹلایا گیا۔

''یہ بیان حضور ﷺ کیلئے تسلی کا موجب ہے اور ہمیشہ صبر کرنے پر برانگیختہ کرنے کا باعث ہے۔''

بُری تدابیر کا انجام بُرا

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَ الَّذِیۡنَ یَمۡکُرُوۡنَ السَّیِّاٰتِ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۔ (فاطر:۱۰)

"اور وہ جو برے داؤں کرتے ہیں ان کیلئے سخت عذاب ہے۔"

کہتے ہیں کہ اس کی اصل "وَ الَّذِیۡنَ مَکَرُوۡا مَکَرَاتِ السَّیِّئَاتِ" یا "اَصۡنَافَ الۡمَکۡرِ السَّیِّئَاتِ" ہے، اور ان سے مراد قریش کی تدابیر ہیں جب انہوں نے دار الندوۃ میں میٹنگ کی اور سیّدنا رسول اللہ ﷺ کے بارے تدابیر کیں اور ان کی رائے ان تین امور میں سے کسی ایک کے انتخاب پر قائم ہوئی جیسا کہ اللہ سبحانہٗ نے ان سے حکایت کی ہے: کہ

وَ اِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡکَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡکَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡکَ (الانفال:۳۰)

"اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کرلیں یا شہید کردیں یا نکال دیں۔"

وَ مَکۡرُ اُولٰٓئِکَ ہُوَ یَبُوۡرُ ۔ (فاطر:۱۰)

"اور انہیں کا مکر برباد ہوگا۔"

یعنی ان مکر کرنے والوں کی ساری فریب دہی خاک میں مل گئی اور ان کا سارا پروگرام فاسد ہوگیا جبکہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر ان پر غالب آگئی، جب انہیں مکہ سے نکالا اور میدانِ بدر میں لاکر کھڑا کیا اور قتل کرادیا پس یونہی ان کے تینوں مکر انہیں

کے حق میں ثابت ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ان کے بارے میں صحیح ثابت ہوا:

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۔
(الانفال:۳۰)

''اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۔ (فاطر:۴۳)

''اور برا داؤں اپنے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ''اُولٰئِکَ'' کے اشارہ سے ان کا رحمت سے دور ہونا اور بغاوت و سرکشی میں مشہور ہونا تعبیر فرمایا۔

حضور ﷺ وحی کے اہل ہیں

اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اِنَّ اللهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌ بَصِيْرٌ ۔ (فاطر:۳۱)

''اور وہ کتاب جو ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی وہی حق ہے اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہوئی بے شک اللہ اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ہے۔''

یہاں کِتَاب سے مراد قرآن ہے اور مِنْ بیانیہ ہے، ''ھو الحق مصدّقاً''

حال مؤکدہ ہے کیونکہ حق اس تصدیق سے کبھی جدا نہیں ہوتا' آخر میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ وہ اپنے بندوں سے خبردار اور دیکھنے والا ہے' یعنی اے پیارے (ﷺ) وہ آپ کی ذات اور آپ کے احوال سے خوب واقف ہے اور اس نے آپ کو اس کا اہل پایا کہ یہ معجز کتاب آپ کی طرف وحی کی جائے جو دیگر تمام کتب سے فائق ہے۔

پس یہ آیہ کریمہ قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کی مدح سرا ہے۔

تفضیلِ اُمّتِ محمّدیہ

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا۔ (فاطر:۳۲)

''پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو۔''

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ کو منتخب فرمالیا ہے اور انہیں یہ شرافت محض اپنے نبی مکرم ﷺ کی برکت سے ہی حاصل ہے۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ اگر تو کہے کہ ''ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ'' کا کیا معنی ہے؟ تو میں کہوں گا کہ اس میں دو صورتیں ہیں' جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ا۔ بے شک ہم نے قرآن کو آپ کی طرف وحی فرمایا پھر ہم نے آپ کے بعد اس کا وارث بنایا یعنی ہم نے اسے وارث بنانے کا فیصلہ فرمایا' یا فرمایا کہ ہم نے اس کا وارث بنایا اور وہ چاہتا ہے کہ اس کا وارث بنائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ''اَلَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا'' اور یہ لوگ آپ ﷺ کی اُمت سے ہیں اور

وہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد قیامت تک کے لوگ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ساری اُمتوں پر چن لیا ہے اور انہیں افضل اُمت بنایا تا کہ وہ لوگوں پر گواہ ہو جائیں اور ان کا اس کرامت سے مختص ہونا فقط سرور کائنات ﷺ کی افضلیت کی نسبت سے ہے اور اس کتاب کی نسبت سے جو تمام کتب سماویہ سے افضل ہے۔

پھر علامہ نے دوسری وجہ ذکر کی اور وہ بھی اسی معنی کی طرف راجع ہے۔

لطیف نکتہ

اس آیت نے پہلے اللہ کے منتخب بندوں کا تذکرہ فرمایا پھر ان کی تین طبقوں میں تقسیم کی، جن کی تفصیل یہ ہے: (۱) ظالم لنفسہٖ (۲) مقتصد (۳) سابق۔

''ظالم لنفسہٖ'' مجرم ہے یعنی اس طبقہ کے لوگ اکثر جرائم پیشہ ہیں، اور دوسرے ''مقتصد'' جو نیک کام بھی کرے اور گناہ بھی یعنی ملے جلے امور کا مرتکب، اور ''سابق'' وہ ہے جس کی نیکیاں گناہوں پر غالب ہوں اور اکثر وہ نیکیوں کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیہ کریمہ کے بعد یہ ارشاد ہے:

فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۔ (فاطر: ۳۲)

''تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا۔''

اور اس مضمون کا اختتام قرآن میں ''جَنّٰتُ عَدۡنٍ يَّدۡخُلُوۡنَهَا'' پر ہوا جو مذکورہ بالا آیت کے بعد متصل ہے یعنی (بسنے کے باغوں میں وہ داخل ہوں گے)، جس کا مفاد یہ ہے کہ گناہگار مسلمان جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں بالآخر ان کا ٹھکانہ جنت ہے۔

۲۹۔ سورۃ یٰس

منکرین رسالت کا رد

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ یٰسٓ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ۔
(یٰسٓ:۱تا۵)

''حکمت والے قرآن کی قسم بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔عزت والے مہربان کا اتارا ہوا۔''

اس آیہ مقدسہ میں کفار کا صریح رد ہے جنہوں نے حضور ﷺ کی رسالت کا انکار کیا' اسی لئے کلام قسم اور اِنّ سے مؤکد ہے نیز اس کی خبر پر لام بھی برائے تاکید ہے۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ ''اگر تو کہے کہ اس ارشاد ''عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ'' کی کیا ضرورت تھی جبکہ یہ قطعاً معلوم ہے کہ مرسلین ہوتے ہی صراطِ مستقیم پر ہیں؟

تو میں کہوں گا کہ مقصود آپ ﷺ کا وصف اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا وصف تھا لہٰذا ان دونوں وصفوں کو یہاں جمع کر دیا' گویا کہ یوں کہا کہ بے شک آپ ان مرسلین میں سے ہیں جو صراط مستقیم پر قائم ہیں' نیز اس کا نکرہ لانا اس امر پر دال ہے کہ آپ ﷺ کو سیدھے راستوں میں سے سیدھے راستے

پر بھیجا گیا اور آپ کے وصف نے اسے بے غبار کر دیا۔"

اور "صراط" کی تنکیر اس کی تفخیم و تعظیم کو بھی مفید ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا فرمان عالیشان ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۔ (یٰسٓ:۶۹)

"اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔"

کفار نے حضور نبی کریم ﷺ کو شاعر اور قرآن حکیم کو شعر کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں ان کا رد فرمایا اور یہ کلام بھی اسی امر کی تائید کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کے دفاع کا ضامن ہے، جس کا ذکر ہم نے متعدد بار پہلے بھی کیا۔

۳۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۔ (یٰسٓ:۷۶)

"تو تم ان کی بات کا غم نہ کرو بے شک ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں۔"

علامہ زمخشری رقمطراز ہیں کہ "آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار کی تکذیب، ظلم و ستم اور ایذاءرسانیوں سے آپ پریشان نہ ہوں، بے شک ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ آپ کی عداوت میں جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں، ہم ان کے اس کردار کا انہیں خوب مزہ چکھائیں گے۔ لہٰذا آپ تسلی رکھیں، وہ وقت بھی آئے گا کہ کفار کا حال اتنا برا ہوگا حتیٰ کہ آپ کی ساری پریشانی ختم اور غم زائل ہو جائے گا۔"

۳۰۔ سورۃ الصّافات

کفار کا رد اور محبوب کو تسلی

اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

۱۔ اِنَّھُمۡ کَانُوۡۤا اِذَا قِیۡلَ لَھُمۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ وَ یَقُوۡلُوۡنَ اَئِنَّا لَتَارِکُوۡۤا اٰلِھَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجۡنُوۡنٍ بَلۡ جَآءَ بِالۡحَقِّ وَ صَدَّقَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ۔ (الصّافات:۳۵تا۳۷)

”بے شک جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو اُونچی کھینچتے تھے اور کہتے تھے کیا ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے بلکہ وہ تو حق لائیں ہیں اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق فرمائی۔“

اس آیت میں مشرکین کا رد ہے جو ”لا الہ الا اللہ“ کہنے سے اور توحید کا اِعتراف کرنے سے کتراتے تھے بلکہ اِتراتے ہوئے یوں کہتے تھے کہ ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے پر اپنے خداؤں کو نہیں چھوڑیں گے۔ دیوانہ شاعر سے ان کی مراد حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہوتی۔ (العیاذ باللہ)

تو اللہ کریم نے ان کا صریح رد کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ میرا محبوب تو حق لے کر آیا ہے اور اس نے رسول کی تصدیق فرمائی ہے۔ یہ ”صَدَّقَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ“ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ“ کی ہی مثل ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا فرمان ہے:

فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ۙ‏ وَّاَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ (الصّٰفّٰت: ۱۷۴، ۱۷۵)

"پس ایک وقت تک ان سے منہ پھیر لو اور انہیں دیکھتے رہو کہ عنقریب وہ دیکھیں گے۔"

ایک وقت تک منہ پھیرے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک جب آپ ان پر غالب آ جائیں گے اور وہ بدر کا دن ہے یا فتح مکہ کا' اور دیکھتے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوب دیکھنا کہ دُنیا میں کیسے وہ قتل اور قید ہونگے اور آخرت میں زیر عذاب ہونگے' اور عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے کہ آپ ﷺ کو دُنیا میں تائید و نصرت اور آخرت میں ثواب کبیر کس قدر حاصل ہوا۔ اور یہ "اَبۡصِرۡ" یعنی دیکھنے کا حکم فرمایا یہ اس امر پر دلیل ہے کہ یہ واقعہ قریب الوقوع ہے' گویا کہ آپ کے سامنے ہے اور آپ اس کا مشاہدہ فرما رہے ہیں' اس میں حضور ﷺ کو بھرپور تسلی دی گئی ہے اور ان کی طرف سے ایذاء رسانیوں سے چھٹکارے کی نوید ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍۙ‏ وَّاَبۡصِرۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ (الصّٰفّٰت: ۱۷۸، ۱۷۹)

"اور ایک وقت تک ان سے منہ پھیر لو اور انتظار کرو کہ وہ عنقریب دیکھیں گے۔"

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حبیب لبیب ﷺ کیلئے تسلی بعد از تسلی ہے اور وعید کے واقع ہونے کی تاکید در تاکید ہے' اور اِبصار کے فعلوں کا

تقیید کے بعد اِطلاق متنبہ کرتا ہے کہ آپ ﷺ ان کی رسوائی اور عذاب ضرور دیکھیں گے اور وہ آپ ﷺ کی اس قدر خوشی و مسرت اور ثواب دیکھیں گے جس کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے پیارے نبی ﷺ پر عنایت ہے، جیسا کہ ہم نے متعدد بار اس پر تنبیہ کی ہے۔

۳۱۔ سورۃ الزمر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (الزمر:۱، ۲)

"کتاب اُتارنا ہے اللہ عزت و حکمت والے کی طرف سے بے شک ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اُتاری۔"

اس آیہ کریمہ میں بھی کفار کے اس قول کا رد ہے جو انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کے بارے کہا کہ "انہیں کوئی بشر تعلیم دیتا ہے۔"

۳۲۔ سورۃ الشوریٰ

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ:۱۳)

''تمہارے لئے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ دین ٹھیک رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔''

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو بڑے بڑے اولوالعزم اور اصحابِ شرائع رسل عظام پر بھی فضیلت حاصل ہے مثلاً مذکورہ آیہ مقدسہ کی روشنی میں آپ ﷺ کو دو جہت سے فضیلت حاصل ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ مذکورہ رسل علیہم السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ نے ''وَصّٰی'' کے کلمہ سے تعبیر فرمائی جس کی طرف ہم نے مقدمہ میں بھی اشارہ کیا کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے وصایا عطا فرمائیں جو لوگوں کے قبیلے سے مختص ہیں۔

۲۔ اور حضور نبی مکرم ﷺ کے حق میں ''اَوْحَیْنَا'' کے کلمہ سے تعبیر فرمائی، جو آپ ﷺ کی عظمت شان پر دلیل ہے، گویا کہ آپ ﷺ مخصوص بالوحی ہیں اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کی غیبوبت (عدمِ ظہور) میں اوصیاء کے درجہ میں ہیں یعنی وصیت کرنے والے۔اسی لئے بروز قیامت حضور ﷺ اہلِ موقف کی شفاعت کیلئے اپنے ربّ جل شانہٗ کے حضور یوں عرض کریں گے:

یَا رَبِّ اَسْئَلُكَ اُمَّتِیْ ۔ (متفق علیه)

''اے میرے پروردگار میں تجھ سے اپنی اُمت کا سوال کرتا ہوں۔''

پس جمیع اہلِ محشر آپ ﷺ کی اُمت کہلائیں گے اور دیگر انبیاء علیہم

السلام اُمت کے اَوْصِیَآء ہونگے۔

نوٹ:

مذکورہ بالا جملہ حدیث شفاعت کا ایک حصہ، جس کو امام بخاری نے متعدد مقامات پر نقل کیا ہے جن میں سے ایک سورۃ اسراء کی تفسیر کا مقام ہے۔ اور امام مسلم نے کتاب الایمان، باب "اَدْنیٰ اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً فِیْهَا" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔

۳۳۔ سورۃ الزخرف

اللہ تعالیٰ جل شانہ، کا ارشادِ گرامی ہے:

وَقِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ۔

(الزخرف: ۸۸، ۸۹)

"مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے میرے ربّ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، تو ان سے درگزر کرو اور فرماؤ بس سلام ہے کہ آگے جان جائیں گے۔"

اس آیہ کریمہ میں "وَقِیْلِهٖ" سے مراد رسول اللہ ﷺ کا قول ہے۔ اسے فتحہ، کسرہ اور ضمہ تینوں حرکات سے پڑھا گیا ہے اور اعراب کے حوالے سے اس کی توجیہہ میں اختلاف ہے جسے علامہ زمخشری نے بیان کیا اور ضعیف قرار دیا اور کہا کہ سب سے اقویٰ توجیہہ جر اور نصب کی ہے جس کی بناء حرفِ قسم کے اِضمار اور حذف پر ہے، اور رفع کی توجیہہ ان کے اس قول پر مبنی ہے کہ اَیمن اللہ،

امانۃ اللہ' یمین اللہ اور لعمرک۔

اور یہ قول "اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ" جواب قسم ہے' گویا کہ کہا گیا کہ "مجھے اپنے حبیب لبیب (ﷺ) کے (یَارَبِّ) کہنے کی قسم' یا "مجھے قسم ہے آپ کے اس قول کی کہ اے میرے پروردگار مجھے قسم ہے" کہ بے شک یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

پس اے پیارے (ﷺ) آپ انہیں دعوت دینے سے درگزر کرو' ان کے ایمان سے ناامید ہو جاؤ اور انہیں قطعاً چھوڑ دو اور انہیں کہو "سَلٰمٌ" یعنی تم سے ہماری متارکت یعنی قطع تعلقی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "عنقریب وہ جان جائیں گے" یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کیلئے وعید ہے اور رسول اللہ ﷺ کیلئے تسلی کا باعث ہے۔

اور "وَقِيْلِهٖ" میں ضمیر کا مرجع رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے اور اللہ تعالیٰ وسبحانہٗ کا آپ ﷺ کے قول کی قسم اٹھانا' حضور ﷺ کی رفعت ومنزلت پر دلیل ہے اور آپ ﷺ کے اپنے ربّ کی بارگاہ میں دُعا اور التجاء کی تعظیم ہے۔

(سورۂ حجر میں گذرا کہ اللہ تعالیٰ نے "لَعَمْرُكَ" سے آپ ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی جس کا مفصل بیان وہاں گذرا' یہ اس کی تائید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے کی زندگی اور قول کی قسم کھاتا ہے .... مؤلف)۔

۴۶۔ سورۃ الاحقاف

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَراً مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِىَ وَلَّوْٓا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (الاحقاف:۲۹)

"اور جب کہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے کان لگا کر قرآن سنتے پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس میں بولے خاموش رہو پھر جب پڑھنا ہو چکا اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے پلٹے۔"

یہ آیت اس امر کو مفید ہے کہ حضور ﷺ جنات کے بھی رسول ہیں اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔اور جنات کا یہ کہنا:

اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰباً اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى ۔

"ہم نے ایک کتاب سنی کہ موسیٰ کے بعد اُتاری گئی۔"

اس امر پر دلیل نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان کے رسول تھے' یہ فقط اس امر پر دال ہے کہ وہ جنات ان پر ایمان لائے۔اور قاعدہ یہ ہے کہ جو بھی کسی رسول پر ایمان لائے اور اس کی شریعت کی منسوخ ہونے سے پہلے پیروی کرے وہ نجات پانے والا ہے اگرچہ وہ رسول ان کی طرف نہ ہی بھیجا ہوا ہو۔

بہر حال ایسا نبی جو جنات کی طرف بھی بھیجا گیا ہو اور جنات پر واجب ہو کہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی شریعت کی پیروی کریں' تو یہ اِعزاز فقط ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے ثابت ہے۔

۳۵۔ سورۃ القتال (محمّد)

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا فرمانِ ذیشان ہے:

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (محمد:۲)

''اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور اس پر ایمان لائے جو محمد پر اتارا گیا اور وہی ان کے ربّ کے پاس سے حق ہے۔''

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ ایمان اور نیک عمل، حضور ﷺ پر ایمان لائے بغیر قطعاً قبول نہیں۔

علامہ زمخشری رقمطراز ہیں کہ ''منزل علی الرسول'' پر ایمان کا اختصاص واضح کرتا ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان واجب ہے اس میں حضور ﷺ کی عظمت شان کے علاوہ یہ تعلیم ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر کوئی ایمان صحیح اور تام نہیں ہو سکتا۔ اور اس جملہ معترضہ ''وَ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ'' سے اسی مفہوم کی تاکید ہے جس کا واضح معنی یہ ہے کہ دین محمدی ہی حق ہے کیونکہ یہ کبھی منسوخ نہیں ہوگا جبکہ دیگر ادیان کیلئے یہ ناسخ ہے۔

وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ کا نفیس مفہوم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ۔ (محمد:۱۹)

"اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔"

یہ حکم تحدیث نعمت کے طور پر ہے کہ اے محبوب اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو یہ نعمت ارزانی فرمائی ہے کہ آپ (ﷺ) کو گناہوں سے معصوم رکھا تو اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس نعمت کا خوب چرچا کرو' پس یہ تحدیث نعمت طلب و استغفار کی صورت میں بھی ایسے ہی ہے جیسے خبر و استبشار کے صیغے میں۔

نیز اس امر میں اُمت کو استغفار کی تنبیہ کی گئی ہے جس کی بنیاد اُمت کے نبی ﷺ کی استغفار ہے۔

اور "وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ" کے عطف کا مفاد یہ ہے کہ اس اُمت کو یہ شرف حاصل ہے کہ خود نبی ﷺ اپنی اس اُمت کیلئے استغفار کرتا ہے' نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی اُمت کے حق میں شفاعت کرنے کا اذن حاصل ہے کیونکہ استغفار بھی شفاعت کرنا ہی ہے۔

۳۶۔ سورۃ الفتح

یہ سورۂ مبارکہ حضور نبی کریم ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ مقامِ حدیبیہ سے مراجعت فرما ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ اُنْزِلَتْ عَلَيَّ سُوْرَةٌ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ۔ (بخاری، باب تفسیر سورۃ الفتح)

"البتہ تحقیق مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ہر اس چیز سے محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوا۔"

فتح مبین

اللہ تعالیٰ جل شانہ، کا فرمان ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيْناً لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماً وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْراً عَزِيْزاً۔ (الفتح:۱تا۳)

"بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرما دی تا کہ اللہ تمہارے سب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے۔"

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ، نے اپنے حبیب ﷺ پر یہ انعام کیا کہ ظاہری فتح اور گناہوں سے عصمت کا شرف بخشا کیونکہ یہاں مغفرت عصمت سے کنایہ ہے ا، نیز نعمت کا اتمام، صراطِ مستقیم کی ہدایت اور ایسی نصرت ارزانی فرمائی جس کے ساتھ ذلت نہیں۔

حضور ﷺ کے اوصافِ اربعہ

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا۔

(الفتح: ۸)

"بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا۔"

یہ آیہ کریمہ حضور ﷺ کے اوصافِ اربعہ کے عموم کو مفید ہے یعنی رسالت، شہادت، بشارت اور نذارت، کیونکہ متعلق کا حذف عموم کی خبر دیتا ہے، نیز یہ آیت اس امر کو بھی مفید ہے کہ سیّدنا رسول اللہ ﷺ کی نصرت اور تعظیم دونوں ایسے ہی واجب ہیں جیسے آپ ﷺ پر ایمان لانا۔

ا۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ عصمت آدمی اور اس سے گناہوں کے صدور کے درمیان دائر ہوتی ہے، اور مغفرت آدمی اور اس پر سزا واقع ہونے کے درمیان دائر ہوتی ہے لہٰذا پہلی کا دوسری سے کنایہ صحیح ہوا اس لئے کہ ان میں حیلولت کی نسبت جامع ہے۔ کیونکہ جس سے گناہ سرزد نہیں ہوتا اس پر سزا واقع نہیں ہوتی، اور یہ کنایہ یعنی استعارہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ مقام احسان جتانے کا ہے، پھر مراد اس کے بعد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عصمت کا اثر ظاہر ہو جائے کہ فتح و نصرت نے آپ کو بہکایا نہیں .... مؤلف)۔

بیعت رضوان

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۔ (الفتح:۱۰)

''وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔''

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی اتباع اللہ ہی کی اتباع ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے۔ اور جو کچھ بھی حضور نبی کریم ﷺ سے صادر ہو وہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور رضا سے ہے' اور یہ ایسا مقام و مرتبہ ہے جو کسی رسول کو میسر ہے نہ فرشتے کو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ ۔ (الفتح:۱۸)

''بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔''

یہ آیہ مقدسہ ہمارے مذکورہ کلام کی مؤید ہے کہ جو کچھ حضور ﷺ سے صادر ہو اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہے' اور اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی ﷺ پر عنایت کی دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت کا بھی ذکر فرمایا جس کے نیچے بیعت کا سلسلہ قائم ہوا' نیز یہ آیت اس امر کو بھی مفید ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا عام ہے

جو تمام بیعت کا شرف پانے والے اشخاص کو اور بیعت کی جگہ کو بھی شامل ہے۔

دین اسلام ہی غالب ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۔ (الفتح:۲۸)

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ۔"

اس آیت کا یہ مفاد ہے کہ بے شک دین اسلام جسے حضور نبی کریم ﷺ لائے وہی دین حق ہے اور اس کے علاوہ دیگر ادیان باطل ہیں اور یہ دین اپنی قوتِ دلائل سے جمیع ادیان پر غالب ہے اور اس کا عقیدہ فطرتِ سلیمہ کے موافق ہے اور اس کی تعلیمات بڑی واضح اور ہر زمان و مکان میں جاری و ساری رہنے والی ہیں نیز یہ عقلِ سلیم اور منطقِ قویم کے مطابق ہے۔اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اس پر گواہ ہے اور وہی اس پر کافی ہے گواہ۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ۔ (الفتح:۲۹)

"محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر

سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔"

یہ آیت آخر سورت تک اس امر کو مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کیلئے اپنی شہادت بیان فرمائی ہے کہ یقیناً وہ اللہ کے رسول ہیں، اور آپ ﷺ کے اصحاب کی صفات تورات و انجیل میں رقم ہیں، اور اس آیت میں صحابہ کرام کی بلندیٔ مرتبت بھی واضح ہے جو انہیں اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی صحبت کی برکت سے حاصل ہوئی۔

امام صاوی کا تبصرہ

امام صاوی کہتے ہیں کہ "یہ سورت قرآن کی قسمِ اوّل یعنی مطوّل کی آخری سورت ہے، اور اس قسم کا اختتام ان دو سورتوں پر ہوا جن میں حضور نبی کریم ﷺ کو تلوار سے فتح حاصل ہونا اور آپ ﷺ سے ظاہراً قتال کرنے والے پر غلبہ نصیب ہونا مذکور ہے، جیسا کہ قرآن کی قسمِ ثانی یعنی مفصّل کا ان دو سورتوں پر اختتام ہے جن میں آپ ﷺ کا ان لوگوں پر غالب آنا مذکور ہے جنہوں نے آپ ﷺ کو باطناً ضرر پہنچانے کا قصد کیا۔" یہ استنباط بہت عمدہ ہے۔

۳۷۔ سُورۃ الحجرات

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ (الحجرات:۱)

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔"

اللہ تعالیٰ وسبحانہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے کسی قول یا فعل میں آگے بڑھنے سے منع فرما دیا اور حضور ﷺ سے آگے بڑھنے کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے آگے بڑھنا قرار دیا' اسی اصل پر یہ قاعدہ مبنی ہے کہ کسی شخص کو روا نہیں کہ وہ کوئی رائے نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث سے مقدم رکھے اور کثیر مقلدین اس مصیبت میں گرفتار ہیں جہاں وہ اپنے آئمہ کی آراء کو رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث پر مقدم رکھتے ہیں' اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام کی صریح مخالفت ہے۔

بارگاہِ نبوی کا ادب

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ (الحجرات:۲)

''اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔''

یہ آیہ مقدسہ مندرجہ ذیل دو امور کو مفید ہے:

۱۔ دورانِ گفتگو حضور نبی کریم ﷺ کی مبارک آواز سے آواز بلند کرنا حرام ہے۔اور حضور ﷺ کی حدیث شریف کا بھی یہی ادب ہے اور اسی حکم

میں داخل ہے لہٰذا حدیث نبوی شریف کی قرأت کے وقت آواز بلند کرنا جائز نہیں' اور ایسا کرنے والے کے اعمال ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔

۲۔ حضور نبی کریم ﷺ سے مناجات کے دوران چلا کر بات کرنا حرام ہے' بلکہ آپ ﷺ سے نہایت ادب اور پست آواز سے کلام کرنا واجب ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر وہ صحابہ کرام جنہوں نے اس واجب ادب کو اپنے آپ پر لازم ٹھہرا لیا اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی' چنانچہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ۔ (الحجرات:۳)

"بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کیلئے پرکھ لیا ہے ان کیلئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔"

اسی اساس پر یہ حکم ہے کہ روضہ انور (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی زیارت کرنے والے پر ادب ملحوظ رکھنا اور نہایت خشوع کے ساتھ آواز پست رکھنا واجب ہے' کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ و تابندہ ہیں' اور سلام پیش کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے احترام کیلئے مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے سے منع کرتے تھے۔ اور اُمّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب مسجد کے کسی گھر سے دف بجنے کی آواز سنی' تو ان گھر والوں کو پیغام بھیجا کہ:

لَا تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ

"رسول اللہ ﷺ کو ایذاء نہ دو۔"

تنبیہات

۱۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ "اُونچی آواز اور چلانے سے وہ آواز مراد نہیں جس سے حقارت اور اہانت مقصود ہو' کیونکہ وہ کفر ہے' اور یہاں خطاب ایمان والوں کو ہے لہٰذا یہاں مقصود وہی نفسِ آواز ہے جو بولنے والے کے منہ سے سنی جائے لیکن عظیم المرتبت ہستیوں کے شایان شان نہ ہو یعنی ان کے مقام و مرتبہ کے حوالے سے غیر مناسب ہو' یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے حضور تکلّف سے آواز کو پست رکھنا واجب ہے یعنی آواز کو پستی اور نرمی کی اس حد تک لانا کہ جس سے عزت و احترام واضح ہوتا ہو۔

نیز علامہ رقمطراز ہیں کہ جب ایک وفد سیّدنا رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کیلئے حاضر ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس ایک نمائندہ بھیجا جو انہیں تعلیم دے کہ وہ سلام کس طرح عرض کریں؟ اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عزت و احترام ملحوظ رکھنے کا حکم دے۔

۲۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ "یہ آیت یعنی (اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ) کی نحوی ترکیب اس انداز پر ہے کہ اپنی آوازیں پست رکھنے والوں کو اِنَّ برائے تاکید کا اسم واقع کیا' اور اس کی خبر جملہ سے جو مبتداء اور خبر سے مرکب ہے اور یہ دونوں اجزاء ایک ساتھ معرف ہیں' اور مبتداء اسمِ اشارہ ہے اور جملہ مستودعہ مستانفہ ان کے عمل کی جزاء ہے'

اور جزاء کو ایسا نکرہ وارد کیا گیا جس کا معاملہ مبہم ہے جو اس امر پر دال ہے کہ ان لوگوں نے اپنی آوازیں پست رکھنے' آپ ﷺ کی عزت ملحوظ رکھنے اور آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کا خوب خیال رکھنے سے جو رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کی' اس عمل پر انہیں اللہ تعالیٰ کی نہایت رضا مندی حاصل ہے' نیز اس آیت میں یہ بھی خبر ہے کہ آوازیں بلند کرنے والوں نے عظیم جرم کا ارتکاب کیا اور انہوں نے مذکورہ ممدوحہ لوگوں کی فہم کے برعکس سمجھا۔"

۳۔ قاضی عیاض نے "الشفا' باب الثالث فی تعظیم امرہ ووجوب توقیرہ وبرہ ﷺ" میں ابن حمید سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ امیر المؤمنین ابوجعفر کی مسجد نبوی شریف میں امام مالک سے ملاقات ہوگئی تو امام مالک نے اسے کہا کہ اے امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز اُونچی نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ' نے ایمان والوں کو اس ادب کی تعلیم دی ہے کہ:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ

اور یہ ادب بجالانے والوں کی یوں مدح سرائی کی ہے: کہ

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ"

اور اس ادب کا لحاظ نہ رکھنے والی قوم کی یوں مذمت کی ہے:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَكَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ"

پس یاد رکھو آپ ﷺ کا بعد از وصال بھی احترام ایسے ہی ہے جیسا کہ حیاتِ ظاہری میں۔

چنانچہ ابو جعفر نے یہ تسلیم کرتے ہوئے ایک اور مسئلہ دریافت کیا کہ:

"اے ابو عبداللہ (امام مالک کی کنیت) کیا میں قبلہ رُخ ہو کر دُعا کروں یا رُخ رسول اللہ ﷺ کی طرف رکھوں؟"

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "تم اپنا چہرہ رسول اللہ ﷺ سے کیوں پھیرتے ہو؟ جبکہ وہ بروزِ قیامت تمہارے اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور وسیلہ ہیں بلکہ تم اپنا چہرہ آپ ﷺ کی طرف ہی رکھو اور آپ ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آپ ﷺ کی شفاعت قبول کرے گا' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ۔

(النسآء: ۶۴)

"اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں۔"

قبیلۂ بنو تمیم کا ایک وفد دوپہر کو اس وقت آیا جب حضور نبی کریم ﷺ اپنے گھر قیلولہ فرما رہے تھے' تو انہوں نے آپ ﷺ کے آرام کا لحاظ کئے بغیر آواز دی' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی' چنانچہ ارشادِ ہوا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (الحجرات: ۴'۵)

"بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان

میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ اُن کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

یہ آیہ کریمہ اللہ تعالیٰ کی اپنے پیارے نبی ﷺ پر انتہائی عنایت کو مفید ہے، اگرچہ وہ وفد اس سے جاہل تھا کہ حضور ﷺ کا ادب و احترام واجب ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف نہیں کیا بلکہ ان کی خوب مذمت فرمائی، بلکہ آیت کا آخری جملہ "وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" واضح کرتا ہے کہ وہ لوگ اپنے اس فعل میں گنہگار ہیں اور اس عمل پر انہیں توبہ کرنے کی ترغیب ہے۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ "یہ آیہ مقدسہ ایسے اسلوب پر وارد ہے کہ کسی غور کرنے والے پر مخفی نہیں رہتا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے" جس کو حسب ذیل امور سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے:

۱۔ آیہ مقدسہ کی اس نظم نے چیخنے والوں پر حماقت اور جہالت کی مہر ثبت کی ہے

۲۔ لفظ "حجرات" آپ ﷺ کی کسی بیوی کے ساتھ خلوت سے کنایہ ہے، اور اس کلمہ کو لام سے معرف کیا گیا نہ کہ اِضافت سے یعنی "حُجُرَاتِ اَزْوَاجِکَ" نہیں گیا اس لئے کہ اس مقام پر ان کی حفاظت کی جائے کہ یہاں ان کا صریح ذکر نہ ہو۔

۳۔ اس آیت میں ان لوگوں کی یوں مذمت کی گئی کہ ان کی عقلیں کوتاہ اندیش ہیں اور انہیں عظیم ہستی سے مخاطب ہونے کی تمیز نہیں ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ سے خطاب کیلئے بھی عام انداز ہی رکھتے تھے، اور اس میں حضور ﷺ کیلئے تسلی ہے اور ان کی بے ادبی اور بے جا جرأت

سے جو آپ ﷺ کو ملال ہوا اس کا ازالہ بھی ہے۔

اسی طرح ابتدائے سورت سے اس آیت کے آخر تک غور کریں کہ اس کے مضمون کی ابتداء و انتہاء کیسے ہوئی یعنی ابتداء میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف منسوب امور کو تمام امور پر مقدم رکھنا واجب ہے جس میں نہ حصر ہے اور نہ ہی کوئی قید' پھر اس نہی کے بعد جنس تقدیم کا چنداں ذکر کیا یعنی اُونچی آواز اور چلانا' گویا کہ پہلی آیت دوسری کے ذکر کیلئے توطیہ و تمہید ہے' پھر اس کے بعد ان لوگوں کی مدح کی جنہوں نے اپنی آوازیں پست کر لیں جو اس امر پر دلیل ہے کہ اس ادب کا اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم مقام ہے' پھر اس کے بعد اس نازیبا فعل کا ذکر کیا یعنی آپ ﷺ کو حالت خلوت میں چلا کر پکارنا' تاکہ ان کی اس بیہودہ جرأت پہ تنبیہ ہو جائے' کیونکہ وہ ہستی جس کا مقام اللہ تعالیٰ نے اتنا بلند کیا ہے کہ جسے عام الفاظ سے پکارنا منع ہے یہاں تک کہ جلیل القدر مہاجرین و انصار بھی "اَخِیِ اسرار" کے الفاظ سے مخاطب ہوں تو ان کا یہ عمل بھی مکروہ اور انتہائی فحش ہے۔ اس مذکورہ اور اس طرح کی دیگر مثالوں سے عقلیں ٹھکانے آ سکتی ہیں اور آداب کے طریقے اخذ کئے جا سکتے ہیں۔"

نیز علامہ زمخشری کہتے ہیں "اگر تو کہے کہ "حَتّٰی تَخرُجَ" اور "اِلٰی اَنْ تَخرُجَ" میں کیا فرق ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ "حتّٰی" غایت مضروبہ سے مختص ہے یعنی انتہائے غایت کیلئے ہے جیسے تو کہے:

اَكَلْتُ السَّمَكَةَ حَتّٰى رَأسَهَا ۔

"میں نے مچھلی کھائی حتیٰ کہ اس کا سر بھی۔"

اور اگر تو کہے:

حَتّٰی یَصُفُّھَا اَوْ صَدْرَھَا۔

''حتیٰ کہ اس کا نصف یا ابتدائیہ کھایا۔''

تو یہ جائز نہیں۔اور ''اِلٰی'' غایت میں عام ہے۔لہٰذا یہاں ''حتیٰ'' کا اپنی وضع کے اعتبار سے مفاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نکلنے کی انتہاء ان تک ہو' یعنی اس وقت تک وہ صبر رکھیں جب تک آپ ﷺ کے نکلنے کی انتہاء ان تک نہ ہو جائے اور اس وقت تک ان کیلئے کوئی پیش قدمی روا نہیں۔

اور اگر تو یہ کہے کہ ''اِلَیْھِمْ'' کے قول کا کیا فائدہ ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اگر آپ ﷺ باہر تشریف لائیں اور آپ کا نکلنا ان کی خاطر نہ ہو تو پھر بھی ان پر صبر کرنا لازم ہے جب تک انہیں یقین نہ ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا تشریف لانا انہیں کی خاطر ہے۔

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ یہ دونوں نکات بڑے عمدہ ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ کے نہایت ادب کو مفید ہیں۔

۳۸۔ سورۃ النجم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ النَّجْمِ اِذَا ھَوٰی مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَ مَا غَوٰی۔ (النجم:۱'۲)

''اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔''

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے

ضلال یعنی گمراہی کی مطلقاً نفی ہے' اور نفی بھی قسم سے مؤکد ہے اور "صَاحِبُکُمْ" کے کلمے سے تعبیر کا مفاد یہ ہے کہ کفارِ مکہ آپ ﷺ کو (عقیدے کی) گمراہی اور بے راہ روی سے متہم کرتے تھے اور اسی پر مکابرہ کرتے کیونکہ وہ اپنے درمیان آپ ﷺ کے کردار اور شخصیت کو خوب پہچانتے تھے کہ آپ ﷺ امین اور صادق ہیں نیز عظیم دانشور اور خُلق عظیم کا پیکر ہیں۔

یہاں "النجم" کی قسم میں یہ بھی اشارہ ہے کہ حضور ﷺ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے جیسے ستارے سے راہنمائی لی جاتی ہے۔

اللہ سبحانہ' وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔ (النجم:۳)

"اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔"

بعض اہل بدعت کا یہ خیال ہے کہ یہ خواہش نفس کی نفی تلاوتِ قرآن سے خاص ہے اور اس نفی کو اس قدر عام کرنا کہ یہ حضور ﷺ کے جمیع کلام کو شامل ہے' یہ شیطان نے لوگوں کی زبانوں پر جاری کیا ہے!!

بندۂ مسکین کا یہ خیال ہے کہ شیطان وہی ہے جس نے مذکورہ کلام اس کی طرف اِلقاء کیا جو اس کے علم اصول اور عربی زبان کے قواعد سے جہالت پر دال ہے' کیونکہ ان دونوں علوم سے قدرے تعلق رکھنے والے کو بھی معلوم ہے کہ فعل جب سیاقِ نفی یا شرط اے میں واقع ہو تو وہ وضعاً عموم پر دلالت کرتا ہے اور اس میں کوئی نزاع نہیں۔ اور مفسرین نے جب آیت کو حضور ﷺ کے جمیع کلام کو شامل بتایا ہے یعنی یہ عموم قرآن اور سنّت و دونوں کو شامل ہے تو لامحالہ انہوں نے وہی کہا جس پر عربی الفاظ اپنی وضعی لغوی اعتبار سے دال ہیں اور سیاق بھی جس کا تقاضا

کرتا ہے، کیونکہ مشرکین نے جو آپ ﷺ پر گمراہی بے راہ روی اعتبار اور خواہش نفس کے الزام لگائے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے آپ ﷺ کی براءت کیلئے یہ کلام جاری فرمایا، لہٰذا ضروری ہے کہ نفی خواہش نفس میں بھی عام ہو جیسا کہ گمراہی اور بے راہ روی میں عام ہے، اور اس لئے بھی کہ اگر نفی کا یوں قصر کیا جائے کہ یہ قرآن میں خواہش سے ہی متعلق ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ ﷺ سنت کے سلسلے میں ہوائے نفس کے تابع ہیں!!! کیا کسی مسلمان کو لائق ہے کہ وہ آیت کو اس معنی پر محمول کرے جس پر نہ لفظ دال ہے اور نہ ہی سیاق کا تقاضا ہے؟

ا۔ نفی اور شرط کے سیاق میں نکرہ کی عمومیت

سیاقِ نفی میں نکرہ کے عموم میں کوئی اختلاف نہیں، اور سیاقِ شرط میں ہو تو اہلِ اصول کا اس میں اختلاف ہے۔ اور جو حضرات یہاں بھی نکرہ کے عموم کے قائل ہیں ان میں اِمام الحرمین بھی ہیں، حتیٰ کہ انہوں نے اصولیین اور فقہاء کے اس مطلق قول:

اَلنَّکِرَۃُ فِیْ سِیَاقِ الْاِثْبَاتِ تَخُصُّ۔

''نکرہ سیاقِ اثبات میں خاص ہوتا ہے۔''

سے بھی دلیل قائم کی ہے۔ اور کہا کہ بے شک شرط عام ہوتی ہے لہٰذا نکرہ بھی اس کے سیاق میں عام ہوگا۔ اور ابن منیر نے اس مؤقف پر یوں استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ وَاِنَّھُمْ لَیَصُدُّوْنَھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ۔

"اور جسے رتوند آئے رحمن کے ذکر سے ہم اس پر ایک شیطان
تعینات کریں کہ وہ اس کا ساتھی رہے اور بے شک وہ شیاطین
ان کو راہ سے روکتے ہیں۔"

اور کہا کہ یہ آیت امام الحرمین اور ان کے ہم نواؤں کیلئے کافی ہے' اور وہ اس لئے کہ یہاں شیطان کو نکرہ ذکر کیا اور وہ سیاقِ شرط میں ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ یہاں شیاطین کا عموم مراد ہے نہ کہ فردِ واحد' اس کی دو وجوہات ہیں:

۱۔ ہر آدمی کیلئے ایک شیطان تو ثابت ہے' لٰہذا ذکر الٰہی سے غافل ہونے والے کے ساتھ شیطان کے ثبوت کا کیا معنی؟

۲۔ اس کلمہ "شَیۡطَانًا" کی طرف جو ضمیر لوٹائی گئی وہ جمع کی ہے یعنی "وَاِنَّهُمۡ" کہ یہ ضمیر شیطان کی طرف عائد ہے' اگر یہ عموم شمول کو مفید نہ ہو تو جمع کی ضمیر کا اِعادہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کے مؤقف کی دلیل اس ارشادِ باری تعالیٰ میں بھی موجود ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡا۔ (الحجرات:٦)

"اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو
تحقیق کرلو۔"

اس آیت میں "فاسق اور نبأ" کو نکرہ ذکر کیا گیا اور یہ دونوں سیاقِ شرط میں ہیں' اور دونوں سے ہی مراد عموم ہے' اور ان کی عمومیت میں کسی کا خلاف نہیں۔

(مؤلف غفرلہٗ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۔ (النجم:۴)

''وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔''

یعنی جو کچھ بھی حضور ﷺ فرمائیں وہ وحی ہی ہے کیونکہ قرآن وحی متلو ہے اور سُنّت وحی غیر متلو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰی ۔

(النجم:۵'۶)

''انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔''

یہ آیت مندرجہ ذیل دو امور کو مفید ہے:

۱۔ حضور ﷺ کے علم کا تزکیہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کو ایک قوی اور باہمت فرشتے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کے واسطے سے حاصل ہوا۔

۲۔ آپ ﷺ کا جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھنا اور جبریل علیہ السلام کا آپ ﷺ کے قریب ہونا حتیٰ کہ دو کمانوں کے فاصلے پر تھے یا اس سے بھی زیادہ قریب' اور یہ عظمت آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو حاصل نہیں ہوئی' بلکہ انبیاء علیہم السلام حضرت جبریل علیہ السلام کو انسانی صورت میں ہی دیکھتے رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۔ (النجم:۱۱)

''دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔''

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے دِل نے انکار نہ کیا جبریل علیہ السلام کی اس

حقیقی صورت کا، جسے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور آیت "............ کَمَا تَرٰی............" (جیسے تم دیکھتے ہو) جبریل علیہ السلام کی اس رؤیت سے متعلق ہے جو مکہ میں حاصل ہوئی تھی واقعہ اِسراء سے پہلے۔ اور آیت تاکید کرتی ہے کہ اس مسئلے میں دِل آنکھ کے موافق ہے۔ لیکن جاہل بدعتی اس کی تفسیر یہ سمجھا کہ یہ آیت اِسراء سے متعلق ہے اور اسے اس مسئلے پر قطعی دلیل بناتا ہے کہ معراج حالتِ بیداری میں جسم ورُوح کے ساتھ نہیں ہوئی !!! لیکن وہ جہالت کی وجہ سے رسوا ہے اور اس فرمانِ باری تعالیٰ سے غافل ہے کہ:

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی۔ (النجم:١٢)

"تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو۔"

یقیناً یہ آیت اس بدعتی کے مذکورہ استنباط کیلئے قاطع اور مانع ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی۔ (النجم:١٣ تا ١٥)

"اور انہوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس جنت الماوٰی ہے۔"

یہ آیت مندرجہ ذیل دو امور کو مفید ہے:

١۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کی حقیقی صورت میں دوبارہ دیکھا۔

٢۔ دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا تھا، لہٰذا اس آیت میں اس معراج کا اشارہ مل گیا جسے نبی کریم ﷺ نے احادیث متواترہ میں

بیان فرمایا' اور آیت کے اس اشارہ کی حسبِ ذیل چند وجوہات ہیں:

۱۔ وہ قسم' جس کو لام مفید ہے' کیونکہ معنیٰ ' وَاللّٰہِ لَقَدْ رَاٰہُ'' (بخدا آپ نے انہیں دیکھا)' اگر یہ رؤیت زمین میں واقع ہوتی پہلی رؤیت کی طرح' تو اس میں قسم کا داعی امر نہ ہوتا۔

۲۔ یہ آیت:

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ۔ (النجم:۱۶)

اسی بیان کیلئے چلائی گئی ہے کہ انوارِ الٰہیہ نے سدرہ کو ڈھانپ رکھا تھا جبکہ نبی کریم ﷺ بھی وہیں تھے' ورنہ اس کے ذکر کا یہاں کوئی فائدہ نہیں۔

۳۔ یہ آیت:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۔ (النجم:۱۷)

''آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔''

اس امر کو مفید ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا سدرہ کے پاس بھی دِل ثابت تھا اور آنکھ بھی اِدھر اُدھر نہ ہوئی' جبکہ آیاتِ عظیمہ کا مشاہدہ فرمایا۔

(ابتدائے سُورت سے لے کر اس آیت تک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے علم کو گمراہی سے' عمل کو سرکشی سے' نطق (بولی) کو ہوائے نفس سے' دِل کو تکذیب سے اور آنکھ کو کجی اور طغیان سے منزہ فرمایا۔ اور مذکورہ تنزیہہ کو قسم سے مؤکد فرمایا' اور اللہ ربّ العزّۃ کی طرف سے ان مذمومہ امور کی نہی فرمانا ثناء ہے۔ یہ امام صاوی کا قول ہے .... مؤلف)۔

۴۔ یہ آیت:

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۔ (النجم:۱۸)

''بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔''

قسم محذوف کا جواب واقع ہے اور اس کا مفاد یہ ہے کہ حضور ﷺ نے وہاں بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام کی زیارت' جو واضح ہے' اور کچھ جاہل بدعتیوں نے اس آیت میں دو آراء قائم کی ہیں جن کا ناقابلِ اعتبار ہونا فقط سننے سے ہی معلوم ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ دو آراء یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان '' وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی '' کے بارے کہتی ہیں کہ یہ کلام اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اس مرتبہ بھی حضور ﷺ زمین پر ہی تھے اور جبریل کو سدرۃ المنتھیٰ کے پاس دیکھا۔ جیسا کہ تم کہتے ہو کہ:

رَأَیْتُ النَّجْمَۃَ فِی السَّمَآءِ۔

''میں نے آسمان میں ستارے دیکھے!!!''

اور یہ استدلال بھی اس کی علومِ بلاغت سے جہالت پر دلیل ہے جیسا کہ اس کا پہلا کلام اس کے علم اُصول اور قواعد عربیہ سے جہالت پر دال تھا!!

۲۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ''مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی'' سے اس نے اخذ کیا کہ معراج واقع ہی نہیں ہوئی' اور سدرۃ المنتھیٰ کے بارے کہا کہ یہ زمین میں ہی ایک درخت ہے کہ مسافر وغیرہ استراحت کیلئے اس کی جانب رُخ کرتے ہیں!!! پھر اسے تقویٰ لاحق ہوا کہ اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا!!

دو ضروری باتیں

حسبِ ذیل دو امور ذہن نشین رہنے چاہئیں۔

۱۔ کثیر مفسرین نے آیات مذکورہ میں وارد رؤیت سے مراد اللہ تعالیٰ کی رؤیت (دِیدار) لی ہے۔ لیکن ہم مندرجہ ذیل دو وجہ سے ان کی مخالفت کرتے ہیں:

i۔ حدیث نے تصریح کی ہے کہ وہ رؤیت جبریل علیہ السلام کی تھی جو ان کی حقیقی صورت میں ہوئی، اور یہی صحیح ہے۔

ii۔ ان آیات کا سیاق ان کی تاویل کے موافق نہیں مگر قدرے تکلف سے۔

ہاں حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے ربّ تبارک وتعالیٰ کا دِیدار کیا اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح ہے، جیسا کہ امام نووی نے تصریح کی ہے۔

اور یہ حضور ﷺ کا اپنے ربّ کو دیکھنا حضرت ابن عباس، انس اور ابوذر رضی اللہ عنہم سے صحیح ثابت ہے، اور امام حسن، کعب، احمد بن حنبل اور ابن خزیمہ کا یہی مذہب ہے۔

اس موضوع کی تفصیل بمعہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کا جواب ہماری کتاب ''الاحادیث المنتقاۃ فی فضائل سیّدنا رسول اللہ ص ۶۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ بعض مفسرین نے اس آیت ''اَفَرَأَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی'' کے تحت قصۂ غرانیق کو ذکر کیا ہے اور بعض نے سورۂ حج کی اس آیت ''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِهٖ'' کے تحت نقل کیا ہے، لیکن اس کی کوئی اصل نہیں۔

یاد رہے کہ یہ واقعہ بالکل باطل اور من گھڑت ہے' ہم نے اپنی کتاب "خواطرِ دینیہ" میں اس کا بطلان خوب واضح کیا ہے' جس کے بعد مزید بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔

(شیخ محمد ناصر الالبانی کی بھی اس قصہ کے رد میں کتاب ہے جو شائع ہو چکی ہے' جس کا نام "نصب المجانیق لضعف قصة الغرانیق" ہے۔ اس میں وہ ایسی روایات لائے ہیں جو اس واقعہ پر جرح' ضعف بلکہ وضع کے حکم کو واضح کرتی ہیں)

۳۹۔ سُورۃ القمر

تیری اُنگلی اُٹھ گئی مہ کا کلیجہ چِر گیا

اللہ سبحانہ' وتعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ (القمر:۱)

"پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند۔"

اس آیہ مقدسہ کا مفاد یہ ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہوا ہے' اور یہ حضور نبی کریم ﷺ کی نشانیوں اور معجزات میں ایک نہایت ہی واضح نشانی اور معجزہ ہے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "مکہ والوں نے سیدنا رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں کوئی نشانی دکھائیں تو حضور ﷺ نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائے۔" (یہ حدیث متفق علیہ ہے' امام بخاری نے اسے کتاب الانبیاء باب سوال المشرکین ان یریھم آیة ...... میں اور امام مسلم نے "صفات القیامة" کے تحت

باب انشقاق القمر میں درج کیا)۔

۲۔ اور شیخین نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّ الْقَمَرَ انْشَقَّ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

(بخاری و مسلم)

''بے شک رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند دو ٹکڑے ہوا۔''

۳۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ منیٰ میں تھے جب چاند دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوا' ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے تھا اور دوسرا مخالف سمت میں' تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''اِشْهَدُوْا'' (گواہ ہو جاؤ)۔ اس حدیث کو بھی شیخین نے مذکورہ ابواب میں روایت کیا ہے۔

۴۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ چاند کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اُوپر تھا' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ'' (اے اللہ تو گواہ رہ)۔ اس حدیث کو امام مسلم نے مذکورہ باب میں روایت کیا ہے۔

۵۔ امام ترمذی نے کتاب' التفسیر' باب و من سورۃ القمر' میں روایت کیا ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ہم اس وقت مکہ میں تھے جب رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند پھٹا' حتیٰ کہ دو ٹکڑے ہو گیا' ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر اور دوسرا دوسرے پر۔ تو اہلِ مکہ نے کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہم پر جادو کیا ہے' پھر بعض نے کہا کہ اگر انہوں نے ہم پر جادو کیا ہوتا تو سارے لوگ کبھی بھی جادو کی زَد میں نہ آتے۔''

(امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور امام حاکم نے اسے شیخین کی شرط پر قرار دیا ہے جسے امام ذہبی نے تسلیم کیا ہے)۔

۶۔ امام طحاوی نے ''مشکل الآثار'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

اِنْشَقَّ الْقَمَرُ وَ نَحْنُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ۔

''ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے کہ چاند پھٹ گیا۔''

منکرین کی تاویل کا بُطلان

بعض اہلِ بدعت نے چاند کے پھٹنے کا انکار کیا ہے اور انشقاق کی یہ تاویل کی ہے کہ وہ بروزِ قیامت پھٹے گا' یہ رائے محض باطل اور تحقیق سے عاری ہے' جس کا بیان چند وجوہ سے حسبِ ذیل ہے:

۱۔ تاویل کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب معنی محال یا متعذر ہو' اور چاند کا پھٹنا نہ محال ہے نہ متعذر۔

۲۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا مشاہدہ کیا اور واقعہ کی خبر دی' جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کہ مذکورہ آیت کا شانِ نزول چاند کے پھٹ جانے کا واقعہ ہے۔ (امام ترمذی نے اسے روایت کیا اور حسن صحیح کہا)

۴۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَ اِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ (القمر:۲)

''اور اگر دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھیرتے اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے چلا آتا۔''

یہ آیت بھی اس حادثہ کے وقوع پذیر ہونے کی تائید کرتی ہے۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے خیال میں اس کا معنی یہ ہے کہ چاند کا پھٹنا بروزِ قیامت ہوگا۔ اور یہ آیت (وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً......) اس معنی کی تردید کرتی ہے اور یہ آیت ہی رد کرنے کیلئے کافی ہے۔

۵۔ اہلِ سنّت کا اِجماع ہے کہ یہ معجزہ رُونما ہوا ہے' اور ان کی دلیل ظاہر قرآن اور صریح سُنّتِ صحیحہ ہے۔

حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ چاند پھٹنے والی حدیث کو صحابہ کی بہت بڑی جماعت نے روایت کیا ہے اور اسی طرح تابعین نے بھی کثرت سے نقل کیا ہے' پھر ان سے بھی جمِ غفیر نے اسے نقل کیا ہے' اسی طرح قرناً بعد قرن نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا' اور آیت کریمہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

قاضی عیاض (الشفا: ۱/ ۵۴۳) میں مذکورہ بالا دونوں آیات کے تحت رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چاند کے پھٹنے کی خبر ماضی کے لفظ سے دی ہے اور کفار کے انکار کی بھی تصریح کی ہے' اور اہلِ سنت اور مفسرین کا اس کے وقوع پر اجماع بھی ہے۔ نیز (الشفا: ۱/ ۴۹۵) میں لکھتے ہیں کہ چاند پھٹنے کا واقعہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے اور اس کے وجود کی خبر دیتا ہے' اور اس نص کے ظاہر سے بلا دلیل عدول نہیں ہوسکتا۔ اور طرق کثیرہ سے وارد ہونے والی احادیث صحیحہ منکرین کے احتمال کی نفی کرتی ہیں' لہٰذا ان دریدہ دہن اور دین سے عاری لوگوں کی مخالفت ہمارے عزم کو کمزور نہیں بنا سکتی اور نہ ہی اہلِ بدعت کے اس بیہودہ قول کی طرف توجہ کی جائے

گی جو کمزور ایمان والوں کے دِلوں میں شک پیدا کرتا ہے' بلکہ ہم اس کی ناک خاک آلود کرتے ہیں اور اس کے بیہودہ قول کی قطعاً مذمت کرتے ہیں۔

ایک شُبہ کا ازالہ

جس نے یہ کہا کہ اگر انشقاق واقع ہوا ہوتا تو تواتر سے منقول ہوتا' اور تمام اہلِ زمین اس کی روئیت (دیکھنے) میں مشترک ہوتے اور یہ اہلِ مکہ سے مختص نہ ہوتا۔ تو اس کا جواب چند وجوہ سے حسبِ ذیل ہے:

۱۔ انشقاق کا واقعہ رات کو رونما ہوا ہے جس وقت کثیر لوگ سوئے ہوئے تھے اور گھروں کے دروازے بند تھے' لہٰذا بہت کم بلکہ شاذ و نادر ہے کہ کوئی آسمان کے معاملہ میں تفکر کرے یا اس کی طرف دیکھے۔ اور اس طرح کے دیگر کئی واقعات مشاہدہ میں آئے ہیں اور قابل اعتقاد بھی ہیں مثلاً کسوفِ قمر' طلوع ہونے والے انوار اور بڑے بڑے شہاب ثاقب وغیرہ جو رات کو واقع ہوتے ہیں۔ جن کا علم صرف چند افراد کو ہوتا ہے اور ان کے علاوہ دیگر بے خبر رہتے ہیں۔

۲۔ انشقاق صرف اس قوم کیلئے نشانی تھا جنہوں نے یہ دیکھنے کا مطالبہ کیا پس دیگر اس سے بے خبر رہے کیونکہ قبل از وقت اس کے وقوع کے وقت کا اعلان نہیں کیا گیا تھا کہ لوگ اس کا انتظار کرتے' جس طرح اہلِ مصر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا والا معجزہ دیکھنے کا انتظار کیا جب اس کے وقوع کا وقت اور مقام بیان کر دیا گیا یعنی یوم الزینة کو جس طرح کہ سورۂ طٰہٰ میں مذکورہ ہے: کہ

فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَا اَنْتَ مَكَانًا سُوًى قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ

الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى۔

(طٰهٰ:۵۸،۵۹)

"تو ہم میں اور اپنے میں ایک وعدہ ٹھہرادو جس سے نہ ہم بدلہ لیں نہ تم ہموار جگہ موسیٰ نے کہا تمہارا وعدہ میلے کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کئے جائیں۔"

۳۔ انشقاق والی رات چاند بعض علاقوں اور منازل میں تھا اور بعض آفاق کیلئے ظاہر تھا بعض کیلئے غائب یہ ایک ضروری امر ہے کہ جس طرح چاند ایک قوم کیلئے ظاہر ہوتا ہے اور دیگر سے غائب۔اور اسی طرح ہی کسوف (گرہن) کا معاملہ ہے کہ ایک علاقہ والے گرہن پاتے ہیں جبکہ دوسرے والے نہیں۔

۴۔ اہلِ مکہ نے مسافرین اور دیگر شہروں سے آنے والوں سے اس کے بارے دریافت کرنا شروع کیا تو انہوں نے خبر دی کہ انہوں نے چاند کے انشقاق کا مشاہدہ کیا ہے۔اور اسی لئے انہوں نے کہا کہ "سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ" (مروّج جادو یعنی اتنا قوی جادو جس کے زد میں سارے علاقے اور تمام لوگ ہیں۔

۵۔ بے شک بھوپال کے بادشاہ جس کا نام بھوج پال ہے' نے انشقاق کا مشاہدہ کیا' فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کیا ہے' بلکہ متعدد علاقوں میں کثیر لوگوں نے بھی اس کا مشاہدہ کیا جیسا کہ تاریخ ابن کثیر میں ہے۔(البدایہ والنہایہ: ۳/۱۲۰)

۶۔ بے شک قرآن نے اس واقعہ کی خبر دی ہے اور یہ تواتر سے منقول ہے کہ ہر زمانے والے نے پہلوں سے قبول کیا ہے' لہٰذا انشقاق اعلیٰ اور اقویٰ تواتر سے منقول ہے۔

امام خطابی کی گفتگو

امام خطابی کہتے ہیں کہ انشقاقِ قمر ایک عظیم نشانی ہے جس سے ذرّہ بھر بھی عدول نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کی نشانیوں میں سے ہے اور اس کا ظہور ملکوتِ سماویہ میں ہوا ہے جو اس مرکب عالم کی جملہ طبائع سے خارج ہے پس یہ ایسا معاملہ نہیں کہ جس کو تسلیم کرنے کیلئے کسی حیلہ کی ضرورت ہو یہی وجہ ہے کہ قرآنی دلیل نے اس کو اظہر من الشمس کہا۔

۴۰۔ سورۃ الرحمن

رسالتِ عامہ

اس سورت میں خطاب ثقلین کی طرف متوجہ ہے یعنی جنّ وانس دونوں کو خوشخبری اور ڈر سنایا گیا' اور یہ دلیل ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ان دونوں کی طرف رسول بن کر آئے۔

۴۱۔ سورۃ المجادلۃ

یہود کی مذمت

یہود نبی کریم ﷺ کو سلام کرتے وقت ''سام علیکم'' کہا کرتے تھے اور اپنے جی میں کہتے کہ جو ہم کہتے ہیں اس پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی وعید کیلئے یہ آیت نازل فرمائی:

وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَ یَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ یَصْلَوْنَهَاۚ فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ (المجادلة:۸)

"اور جب تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو ان لفظوں سے تمہیں مجرا کرتے ہیں جو لفظ اللہ نے تمہارے اعزاز میں نہ کہے اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں ہمیں اللہ عذاب کیوں نہیں کرتا ہمارے اس کہنے پر انہیں بس ہے اس میں دھنسے گئے تو کیا ہی برا انجام ہے۔" یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے پیارے نبی ﷺ پر بہت بڑی عنایت ہے

آیت مناجات

مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ پر سوالات کی کثرت کی حتیٰ کہ آپ ﷺ کو ناگوار گزرا، تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے نبی ﷺ سے وہ طبعی گرانی دور کرنے کا ارادہ فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً۔ (المجادلة:۱۲)

"اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو۔"

تو کثیر لوگ سوال کرنے سے باز آ گئے بلکہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی نے آپ ﷺ سے سرگوشی نہیں کی، آپ رضی

اللہ عنہ کے پاس دینار تھا جسے دراہم سے بدل لیا اور ان کے ذریعے چند مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے مناجات کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت کے ساتھ اس حکم کو منسوخ کر دیا، اور وہ آیت یہ ہے:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ (المجادلۃ: ۱۳)

"کیا تم اس سے ڈرے کہ تم اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دو۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک آیت کتاب اللہ میں ایسی ہے کہ مجھ سے قبل اس پر کسی نے عمل کیا اور نہ ہی میرے بعد، اور وہ آیت مناجات ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا یہ فعل پسند کرتا ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کو کبیدۂ خاطر نہ کریں اور نہ ہی کوئی ایسا کام کریں جو آپ ﷺ کو ناگوار گزرے۔

۴۲۔ سورۃ الحشر

یہودیوں کی رُسوائی اسلام میں مطلوب ہے

جب حضور نبی کریم ﷺ یہودی قبیلہ بنو نضیر پر چڑھائی کی تو وہ اپنے قلعوں میں محفوظ ہو گئے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے کھجور کے باغات کاٹ دیئے جائیں اور جلائے جائیں تو وہ پکار اُٹھے کہ "اے محمد (ﷺ)" "تم تو فساد سے منع کرتے ہو اور اسے برا فعل سمجھتے ہو، تو اب یہ کھجوروں کا کاٹنا اور جلانا کیسا؟ تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِىَ الْفٰسِقِيْنَ ۔

(الحشر:۵)

''جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اسلئے کہ فاسقوں کو رسوا کریں۔''

یہ آیت بھی سورۂ فتح میں مذکورہ کلام کی مؤید ہے کہ جو کچھ بھی حضور نبی کریم ﷺ سے صادر ہو وہ اللہ کے حکم اور رضا سے ہے اور یہود نے جو فساد کا دعویٰ کیا کہ یہ جلانا اور ہلاک کرنا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا یوں رد فرمایا کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ یہود کو رُسوائی ہو' کیونکہ انہوں نے انکار اور عناد کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا' اور اس کے رسول سے عداوت اور جنگ پر مشرکین سے اتحاد کیا۔

۴۳۔ سُورۃ الصّف

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف:۶)

''اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں

تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔"

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کی صریح بشارت دی ہے اور یہ ہر اس آدمی کو معلوم ہے جو دینی کتب کا مطالعہ رکھتا ہے حتیٰ کہ انصاف پسند مستشرقین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

لطائف

۱۔ ایک پادری نے ایک مسائل دینیہ سے ناواقف مسلمان پر یہ سوال وارد کیا کہ "هَلْ تُؤْمِنُ بِعِيْسىٰ ؟" (کیا تو عیسیٰ پر ایمان رکھتا ہے؟) تو اس مسلمان نے جواب دیا کہ ہاں میں ان پر ایمان رکھتا ہوں، کیونکہ قرآن ان کی رسالت کو ثابت کرتا ہے، تو اس پادری نے کہا کہ اب ہمارا اور تمہارا عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر اتفاق ہے اور محمد (ﷺ) کے بارے اختلاف ہے کہ ہم انہیں نہیں مانتے، لہٰذا عیسیٰ محمد سے افضل ہوئے کیونکہ جس پر اتفاق ہو وہ اس سے افضل ہے جس میں اختلاف ہو۔ اب مسلمان کو معلوم نہیں تھا کہ کیا کہے؟

اسی طرح اس پادری نے ایک دفعہ کسی عالم کو جاہل خیال کرتے ہوئے اس پر یہی سوال وارد کر دیا کہ "کیا تمہارا عیسیٰ پر ایمان ہے؟ تو عالم نے اسے جواب دیا کہ: "اگر تیری مراد وہی عیسیٰ ہیں جنہوں نے یہ بشارت دی ہے کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام مبارک احمد ہے" تو میرا ان پر ایمان ہے اور اگر تو کسی اَور عیسیٰ کی بات کر رہا ہے تو میں اسے نہیں جانتا، پس پادری شرمندہ ہوا

اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

۲۔ مذکورہ واقعہ سے ملتا جلتا ایک یہ واقعہ ہے کہ کوئی عالم بلد روم میں پہنچا تو اس نے انہیں کہا کہ ''تم عیسیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ ان کا باپ نہیں۔'' تو اس عالم نے کہا پھر تو آدم علیہ السلام عبادت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان کی نہ ماں ہے نہ باپ۔ انہوں نے کہا کہ ''وہ مردے زندہ کرتے تھے'' تو اس عالم نے کہا کہ پھر حزقیل افضل ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے چار مردے زندہ کئے اور حزقیل نے آٹھ ہزار۔ انہوں نے کہا کہ ''وہ مادر زاد اندھوں اور کوڑھوں کو ٹھیک کرتے تھے'' تو اس عالم نے کہا پھر تو جرجیس افضل ہے کیونکہ وہ پکنے اور جلنے کے بعد صحیح سلامت اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس واقعہ کو علامہ زمخشری نے ''الکشاف'' میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت ذکر کیا ہے: ''اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ۔'' (مؤلف)

۳۔ اسی طرح کا ایک واقعہ مرتضیٰ نے ''امالی'' میں ذکر کیا ہے کہ ابو ہذیل علاف کو دورانِ گفتگو معلوم ہوا کہ بصرہ میں ایک یہودی آیا ہے جس نے وہاں کے متکلمین کی ایک جماعت کو شکست دی ہے۔ تو انہوں نے اپنے چچا سے کہا کہ مجھے اس یہودی کے پاس لے چلو تاکہ میں اس سے کلام کروں۔ تو چچا نے ان سے کہا اے بیٹے تو اس سے کیسے کلام کرے گا حالانکہ تو اس کی خبر پا چکا ہے؟ کہ اس نے مشائخ متکلمین کو شکست دی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ مجھے ضرور اس کے پاس لے چلیں، پس وہ لے گئے۔

کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ وہ لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر پختہ کر رہا تھا، جب لوگوں نے اعتراف کر لیا تو اس نے کہا کہ اس پر ہمارا اتفاق

ہے حتیٰ کہ ہمارا اس پر بھی اجماع ہے جس کی تم عبادت کرتے ہو' پھر میں نے آگے بڑھ کر اس سے کہا کہ "میں تجھ سے سوال کروں یا تو مجھ سے کرے گا" تو اس نے کہا کہ سوال میں کروں گا' میں نے کہا چلیں کیجئے تو اس نے مجھے کہا کہ "کیا تم موسیٰ کے سچے نبی ہونے کا اعتراف کرتے ہو؟" یا اس کا انکار کر کے اپنے نبی کی مخالفت کرتے ہو؟" تو میں نے اسے کہا کہ "جس موسیٰ کے بارے تو نے مجھ سے پوچھا ہے اگر وہ وہی ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی بشارت دی اور ان کی نبوت و صداقت کی شہادت دی' تو وہ یقیناً سچے نبی ہیں اور اگر ان کے علاوہ تمہاری مراد کوئی اَور موسیٰ ہے تو وہ شیطان ہے میں اس کی نبوت کا اعتراف نہیں کرتا۔" یہ جواب اس کیلئے ایسا تھا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا پھر اس نے مجھے کہا کہ "کیا تم کہتے ہو کہ تورات حق ہے؟ میں نے کہا کہ یہ مسئلہ بھی پہلے کی طرح ہی ہے کہ اگر تیرا سوال اسی تورات کے بارے ہے جو نبی کریم ﷺ کی بشارت دیتی ہے تو وہ حق ہے' اور اگر وہ نہیں تو نہ وہ حق ہے اور نہ ہی مَیں اس کا اقرار کرتا ہوں۔" پس وہ بری طرح شکست زدہ ہوا اور اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کہے۔

پھر اس نے مجھے کہا کہ میں تجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں جو میرے اور تیرے درمیان راز ہوگا' میرا خیال تھا کہ وہ کوئی اچھی بات کرے گا' میں اس کے قریب ہوا اور اس نے مجھ سے سرگوشی کی اور مجھے کہا کہ "تیری ماں اس اس طرح ہے یعنی زانیہ ہے اور اس کی ماں بھی جس نے تجھے تعلیم دی" اور اب وہ معاملہ درہم برہم کرنا چاہتا تھا کہ یہ سب دشتم کی وجہ سے مجھ پر کود پڑے گا اور لوگ اس پر ٹوٹ پڑیں گے اور یوں فساد برپا ہو جائے گا' پس میں فوراً اہلِ مجلس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عزت بخشے کہ تم نے ہماری گفتگو سنی' کیا تم اس کے

سوال اور میرے جواب پر متفق نہیں ہو؟ سب نے کہا ''ہاں ہم متفق ہیں'' میں نے کہا: ''کیا اس پر لازم نہیں کہ میرے سوال کا بھی جواب دے۔'' سب نے کہا ''ہاں لازم ہے۔'' میں نے کہا '' اس نے جب مجھ سے سرگوشی کی تو مجھے وہ گالی گلوچ کیا جو حد واجب کرتا ہے اور جس نے مجھے تعلیم دی اسے بھی گالی گلوچ کا نشانہ بنایا اور اس کا خیال تھا کہ مَیں اس کی ہتک عزت کرتا پھر وہ دعویٰ کرتا اور سب مل کر مجھ کو زدوکوب کرتے۔ پس میں نے تمہیں اس کے کام سے آگاہ کر دیا ہے جو اس نے شکست کے بعد کہا' لہٰذا تم میری مدد کرو۔ تو لوگوں نے ہر طرف سے اس پر دست درازی شروع کر دی اور یوں وہ بصرہ سے بھاگتا ہوا نکل گیا۔

(اس عالم کا نام محمد بن ہذیل بن عبداللہ عبدی بصری ہے' معتزلہ کا سردار تھا اور بڑا کامیاب مناظر اور صاحب گرفت تھا' اس کی متعدد تالیفات ہیں جو اس کی بدعت کی تائید میں ہیں۔ اس کی وفات ۲۲۷ھ میں ہے۔ تفصیل کیلئے ''سیر اعلام النبلاء: ۱۰/ ۵۴۲ اور زرکلی کی الاعلام: ۷/۱۳۱'' ملاحظہ ہو)۔

ادیانِ سابقہ کی تنسیخ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ
لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کریں پڑے بُرا مانیں مشرک۔''

اس آیت کی نظیر سورۂ فتح اور سورۂ توبہ میں گذر چکی ہے۔اس کے تکرار میں حکمت یہ ہے کہ اہلِ کتاب کے شرک کی تاکید ہو جائے اور یہ بھی واضح ہو جائے ان کا دِین دین اسلام سے منسوخ ہو گیا ہے۔

۴۴۔ سُورۃ الجمعة

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۔ (الجمعة:۲،۳)

”وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے اور ان میں سے اَوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں جو ان اُگلوں سے نہ ملے۔“

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت دائمی ہے اور آپ ﷺ کی صحبت کی برکت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی فضیلت حاصل ہے۔

۴۵۔ سورۃ المنافقون

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کا دفاع فرمایا

۱۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے:

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۔ (المنافقین:۷)

''وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ کے پاس ہیں یہاں تک کہ پریشان ہو جائیں اور اللہ ہی کیلئے ہیں آسمانوں اور زمین کے خزانے مگر منافقوں کو سمجھ نہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کا دِفاع فرمایا ہے جو مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے اور انصار جو وہاں کے باشندے تھے انہوں نے ان مہاجرین کیلئے بے حد ایثار کیا' تو منافقین نے انہیں اس سے روکا' ان کی نیت یہ تھی کہ یہ ان کی کفالت چھوڑ دیں اور وہ اپنے ذرائع معیشت تلاش کریں اس طرح ان کی حالت درست نہ رہ سکے گی' تو اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کا واضح رَد فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کے خزانے اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں اور وہی ان کے رزق کا کفیل ہے کیونکہ وہ اس کے پیارے نبی ﷺ کے صحبت میں رہتے ہیں اور آپ ﷺ کی خدمت کیلئے کمر بستہ رہتے ہیں اور اپنے آپ کو دین اسلام کی

نصرت کیلئے تیار رکھتے ہیں۔

(اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں بھی صحابہ کا دفاع فرمایا ہے جیسا کہ اس پر پہلے تنبیہ گذر گئی ....مؤلف)۔

۲۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ لَيُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ ‌ؕ وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلٰـكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۔ (المنافقین:۸)

"ہم مدینہ پھر کر گئے تو ضرور جو بڑی عزت والا ہے وہ اس میں سے نکال دے گا اسے جو نہایت ذلت والا ہے اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کیلئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔"

یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے دوسرا دفاع ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر، جبکہ نبی کریم ﷺ بھی ہمراہ تھے، عبد اللہ بن ابی بن سلول نے اپنے منافقین بھائیوں سے کہا کہ "اگر ہم مدینہ پہنچ گئے تو عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو نکال دیں گے۔" ذلیلوں سے اس کی مراد مہاجرین اور عزت والوں سے مراد وہ خود تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ عزت اللہ، اس کے رسول اور ایمان والوں کی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کے علاوہ کسی نبی کے صحابہ سے دفاع نہیں فرمایا اس لیئے کہ آپ ﷺ کو ان پر عزت وکرامت حاصل ہے۔

(یاد رہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کی تاریخ اور مقام سورۂ نور کے شروع میں مذکور ہے)

تنبیہ

مذکورہ آیہ کریمہ "وللہ العزۃ ...." قول بالموجب (حکم) میں اصل ہے جو علم اصول میں قوادح کی بحث میں مشہور ہے۔

(موجب' جیم کے فتح سے ہو تو اس کا معنی "مَآ اَوْ جَبَهُ دَلِیْلُ الْمُسْتَدِلِّ" ہے۔ یعنی متدل کی دلیل جس حکم کو واجب کرے۔ اور جیم کے کسرہ سے ہو تو معنی نفسِ دلیل ہے کیونکہ وہ حکم کو واجب کرتی ہے' اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ "حکمت مقصود میں نزاع باقی ہوتے ہوئے دلیل کے مقتضٰی کو تسلیم کرنا۔"

دیکھئے ابوالخطاب حنبلی کی تمہید: ۴/۱۸۶' اور جرجانی کی التعریفات: ۱۸۰)

۴۶۔ سورۃ الطلاق

اللہ تعالیٰ وسبحانہ نے اس سورۂ مبارکہ میں اپنے حبیب لبیب ﷺ کو یوں خطاب فرمایا:

یَآاَیُّهَا النَّبِیُّ ۔ (الطلاق:۱)

"اے غیب کی خبریں دینے والے نبی۔"

علامہ زمخشری اس آیت کے تحت رقمطراز ہیں کہ "یہاں نداء سے مخصوص حضور نبی کریم ﷺ کی ذات ہے اور خطاب عام ہے کیونکہ نبی ﷺ اپنی اُمت کے امام اور پیشوا ہیں' جیسے قوم کے رئیس اور سردار سے کہا جاتا ہے:

یَا فُلَانُ اِفْعَلُوْا کَیْتَ وَ کَیْتَ ۔

"اے فلاں یوں اور یوں کرو۔"

اس میں مخصوص بالنداء وہی رئیس ہے اور خطاب اس کی ساری قوم کو ہے' لیکن اس کے تقدم کا اظہار اور سرداری کا اعتبار ملحوظ ہے کیونکہ یہ اپنی قوم کا نمائندہ ہے اور اس کی زبان پوری قوم کی زبان ہے۔قوم کے امور اس کی رائے اور اجازت سے صادر ہوتے ہیں وہ اس کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرتے' یہی وجہ ہے کہ وہ تنہا پوری قوم کے حکم میں ہے اور سب کے قائم مقام ہے۔"

اور اسی کی مثل اللہ تعالیٰ جل شانہ' کا یہ ارشاد ہے جو فرعون سے حکایت ہے:

قَالَ فَمَنۡ رَّبُّكُمَا يٰمُوۡسٰى ۔

"بولا تو تم دونوں کا خدا کون ہے اے موسیٰ۔"

دیکھئے خطاب دونوں (حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام) کو عام ہے اور موسیٰ علیہ السلام مخصوص بالنداء ہیں کیونکہ وہ دونوں میں افضل اور عالی مرتبت ہیں۔

۶۶۔ سُورۃ التحریم

حضور ﷺ کی خوشنودی لازم ہے

اللہ تعالیٰ جل شانہ' کا ارشادِ گرامی ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ‌ۚ تَبۡتَغِىۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۔

(التحریم:۱)

"اے غیب بتانے والے نبی تم اپنے اوپر کیوں حرام کئے لیتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی اپنی بیبیوں کی

مرضی چاہتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

یہ آیہ مقدسہ درج ذیل دو امور کو مفید ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی یوں تعظیم فرمائی کہ انہیں وصفِ نبوت سے نداء دی' اور اس پر ہم پہلے تفصیلاً گفتگو کر چکے ہیں۔

۲۔ آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی خوشنودی کیلئے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز (حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا) کو اپنے لئے حرام ٹھہرایا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی پر عنایت ہے کہ اسے قطعاً یہ پسند نہیں کہ آپ ﷺ کسی شخص کو راضی کرنے کیلئے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالیں' گویا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب تم اپنی ازواج کو راضی کرنے کیلئے یہ مشقت اختیار نہ کرو کہ ماریہ (رضی اللہ عنہا) کو حرام ٹھہرا دو۔ بلکہ ان ازواج پر واجب ہے کہ وہ آپ (ﷺ) کو راضی رکھنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرتی رہیں تا کہ انہیں سعادتِ ابدی میسر آ سکے۔ (تفصیل کیلئے سورۃ طٰہٰ دیکھئے)

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے:

إِنْ تَتُوبَآ إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا۔

(التحریم: ۴)

"اگر اللہ کی طرف تم رجوع کرو تو ضرور تمہارے دل راہ سے کچھ ہٹ گئے ہیں۔"

یہ ارشاد ہمارے مذکورہ کلام کی یوں تائید کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حفصہ اور عائشہ (رضی اللہ عنہما) سے فرماتا ہے کہ جو تمہارے دل ماریہ کو حرام قرار دینے کی

طرف مائل ہیں اس معاملہ میں اگر تم اللہ کی طرف رجوع کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کو یہ کام ناپسند ہے اور آپ ﷺ کے ناپسند امر پر اصرار گناہ ہے جو توبہ کو واجب کرتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔ (التحریم: ۴)

"اور اگر ان پر زور باندھو تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔"

یہ آیت بھی مذکورہ کلام کی مؤید ہے اور اس امر پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی ﷺ پر وہ کمال عنایت ہے جس تک نہ کوئی رسول پہنچا اور نہ ہی فرشتہ۔

ہمیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی رسول کی اس کے دُشمنوں کے خلاف ایسی عمدہ صورت میں نُصرت فرمائی ہو جس طرح اس نے اس واقعہ میں اپنے پیارے رسول ﷺ سے نصرت کا وعدہ کیا ہے اور اللہ کی مدد ہی کافی ہوتی ہے اور بس، لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یہاں اپنے نبی سے اپنی محبت کی مقدار ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا اور ان کی جانب یہ رعایت کا اظہار فرمایا کہ ان کی مدد و نصرت کیلئے جبریل، نیک ایمان والوں اور ملائکہ کے لشکر کا تذکرہ فرمایا! پس یہ دلیل اس پر کافی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ تمام مخلوقات سے افضل ہیں اور اللہ تعالیٰ کو مطلقاً سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

۶۸۔ سورۃ القلم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ۔ (القلم:۱)

"قلم اور ان کے لکھے کی قسم۔"

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف سے درج ذیل تین امور پر قسم ہے قلم کی اور جو اس سے لکھا جاتا ہے:

۱۔ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ۔ (القلم:۲)

"تم اپنے ربّ کی فضل سے مجنون نہیں۔"

یہ وہ پہلی چیز ہے ان اشیاء میں سے جن کے بارے قسم کھائی گئی، اور وہ جنون کی نفی ہے جس کا مشرکین نے گمان کیا' اور "بِمَجْنُوْنٍ" میں باء کی زیادتی تاکید نفی کیلئے ہے۔

۲۔ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ۔ (القلم:۳)

"اور ضرور تمہارے لئے بے انتہاء ثواب ہے۔"

دوسری چیز جس پر قسم کھائی گئی وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کیلئے نہ ختم ہونے والا ثواب ہے کیونکہ کوئی بھی نیکی جسے آپ ﷺ کی اُمّت کے افراد کریں چاہے وہ انسان ہو یا جن' آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک' مگر اس پر آپ ﷺ کو ہدایت اور تعلیم کا اجر حاصل ہے۔ علامہ قسطلانی نے "المواهب اللدنية" میں امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ:

مَا مِنْ عَمَلٍ يَّعْمَلُهٗ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّةِ النَّبِيِّ لَا وَ

النَّبِیُّ اَصْلٌ فِیْہِ۔

"نبی کریم ﷺ کی اُمت کا جو فرد بھی کوئی نیک عمل کرے، تو نبی ﷺ ہی اس میں اصل ہیں۔"

قاضی زین الدین ابوبکر بن حسین مراغی متوفی (۸۱۶ھ) "تحقیق النصرۃ" بتلخیص معالم دار الھجرۃ' میں رقمطراز ہیں کہ ایمان والوں کی تمام نیکیاں اور نیک اعمال ہمارے نبی ﷺ کے نامۂ اقدس میں درج ہوتی ہیں، نیز جو اس نیکی اور نیک عمل کا اجر ہوتا ہے اسے کئی گنا بڑھا کر رکھا جاتا ہے، جس کا حصر اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے سوا کسی کو نہیں، کیونکہ قیامت تک ہر عمل کرنے والے اور ہدایت پانے والے کیلئے اجر حاصل ہے، اور اس کے شیخ یعنی استاد کیلئے بھی اس کا اجر وہی ہوتا ہے اور استاد کے استاد کیلئے دو اجر اور تیسرے درجہ کے استاد کیلئے چار اور چوتھے کیلئے آٹھ، اسی طرح ہر درجہ میں اجر بڑھا دیا جاتا ہے، یعنی ان اجور کی تعداد میں یوں ہی اضافہ ہوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کے بعد حاصل ہوئے، لہٰذا اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ سلف کو خلف پر فضیلت حاصل ہے۔

پس جب تو نبی کریم ﷺ کے بعد دس مراتب فرض کرے، تو حضور ﷺ کیلئے اجر کا اضافہ ایک ہزار چوبیس (۱۰۲۴) تک ہے، اور جب گیارہواں مرتبہ بھی ہو جائے تو نبی کریم ﷺ کا اجر دو ہزار اڑتالیس (۲۰۴۸) تک پہنچتا ہے اور اسی طرح جب ایک مرتبہ زائد ہو جائے تو اجر پہلے سے دو چند ہو جاتا ہے، جیسا کہ بعض محققین نے کہا۔

میں کہتا ہوں کہ اس بیان کی تفصیل یوں ہے کہ پہلے شیخ کیلئے تعلیم پر ایک اجر ہے، دوسرے شیخ کیلئے دو، تیسرے کیلئے چار، چوتھے کیلئے آٹھ، پانچویں کیلئے سولہ،

چھٹے کیلئے بتیس، ساتویں کیلئے چونسٹھ اور آٹھویں کیلئے ایک سو اٹھائیس، پھر نویں (اور وہ تابعی ہے) کیلئے دو سو چھپن اور دسویں (وہ صحابی ہے) کیلئے پانچ سو بارہ، اور حضور نبی کریم ﷺ کیلئے ایک ہزار چوبیس۔ ا۔ اسی طریقے سے آپ ﷺ کو اجرِ عظیم حاصل ہوتا رہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آپ ﷺ پر ملائکہ پر اور ایمان والوں پر رحمت ہے۔

۳۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔ (القلم: ۴)

''اور بے شک تمہاری خُو بو بڑی شان کی ہے۔''

یہ حضور پُرنور شافع یوم النشور ﷺ کی بہت بڑی مدح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خُلق کی عظمت سے آپ ﷺ کی ثناء کی ہے اور یہ ثناء بھی قسم، اِنَّ اور لام سے مؤکد فرمائی اور اس کی خبر علٰی سے مجرور ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اس خُلقِ عظیم پر تمکن اور استقرار حاصل ہے یعنی دائماً آپ ﷺ اس صفت عظیمہ سے بلا تکلف موصوف رہتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے اس خُلق کی جس کی عظمت کا خدا شاہد ہے۔ اور اللہ کی رحمت ہو اس قائل پر: ؎

ا۔ اور اسی طرح جو کوئی معصیت واقع ہوتی ہے تو اس سے نہی اور ممانعت کا ثواب بھی آپ ﷺ کو ہوتا رہتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَامِنْ عَمَلٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ اِلَّا وَقَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ، وَمَامِنْ عَمَلٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَى النَّارِ اِلَّا وَقَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ۔

''جو عمل بھی تمہیں جنت کے قریب کرے اس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے اور جو عمل تمہیں دوزخ کے قریب کرے اس سے مَیں نے تمہیں منع کیا ہے۔''

اس حدیث کو امام حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح بھی کہا ہے ....(مؤلف غفرلہٗ)۔

أَيَا مُصْطَفٰى مِنْ قَبْلِ نِشْأَةِ آدَمَ
وَالْكَوْنُ لَمْ تُفْتَحْ لَهُ الْاَغْلَاقُ
أَيَرُوْمُ مَخْلُوْقٌ ثَنَاءَكَ بَعْدَ مَا
اَثْنٰى عَلٰى اَخْلَاقِكَ الْخَلَّاقُ؟

"اے پیارے مصطفیٰ (ﷺ) حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے جبکہ عالم کون کے دروازے بھی نہیں کھلے تھے تو خلاقِ عالم نے آپ کے اخلاقِ عظیمہ کی ثناء فرمائی، پھر بھلا مخلوق کی کیا مجال ہے کہ وہ اس کے بعد آپ کی کماحقہٗ ثناء کا قصد کر سکے؟"

۶۹۔ سورۃ الحآقّۃ

قرآن حضور ﷺ کی باتیں ہیں

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔ (الحآقّۃ:۳۸تا۴۰)

"تو مجھے قسم ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے، بے شک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں۔"

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے تمام اشیاء کی قسم اُٹھائی یعنی مخلوق اور خالق کی، ظاہری اور باطنی نعمتوں کی، اَجسام اور اَرواح کی، اِنس وجن کی، غیب اور شہادت کی، دنیا اور آخرت کی، کہ یہ قرآن ایک کرم والے رسول کی باتیں ہیں، اور وہ حضور نبی

کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے جو یہ قرآن رسول ہونے کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتے تھے۔

اس آیہ مقدسہ میں نبی کریم ﷺ سے دفاع بھی ہے اور آپ ﷺ کی ثناء بھی' اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں آیت میں رسول کریم سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ یہ ارشادِ باری تعالیٰ:

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۔ (۴۱)

''اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں۔''

اور

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۔ (۴۲)

''اور نہ کسی کاہن کی بات۔''

اس پر دلیل ہے کہ یہاں آیت میں رسول کریم سے مراد سیّدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ یہاں مقصود آپ ﷺ کے رسول ہونے کو ثابت کرنا اور شاعر اور کاہن ہونے کی نفی کرنا ہے۔

میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (۴۳)

''اس نے اتارا ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔''

بھی اسی پر دلیل ہے۔

تعلیق مؤلف

بے شک اللہ تعالیٰ نے سورۂ طور میں بھی اسی تہمت کا اپنے پیارے نبی ﷺ سے دفاع کیا ہے کہ نہ تم کاہن ہو اور نہ ہی مجنون، لیکن تم اللہ کے معصوم نبی ہو اور وحی سے تمہاری تائید کی گئی ہے۔ اور دوسری تہمت کہ وہ آپ کو شاعر کہتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم حوادثِ زمانہ کے انتظار میں ہیں کہ یہ بھی دیگر شعراء کی طرح ہلاک ہو جائیں گے (العیاذ باللہ) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کھل کر یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ تم میری موت کا انتظار کرو اور میں تمہاری ہلاکت کا انتظار کرتا ہوں۔ چنانچہ نتیجہ یومِ بدر کو سامنے آیا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ بہرحال مقصود اسی تہمت کا نبی ﷺ سے ازالہ تھا جس کی اللہ تعالیٰ نے دونوں مقامات پر خوب نفی فرمائی۔ چنانچہ سورۂ طور میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی یہ ہے:

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّ لَا مَجْنُوْنٍ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ۔ (الطور: ۲۹ تا ۳۱)

"تو اے محبوب تم نصیحت فرماؤ کہ تم اپنے ربّ کے فضل سے نہ کاہن ہو نہ مجنون یا کہتے ہیں یہ شاعر ہیں ہمیں ان پر حوادثِ زمانہ کا انتظار ہے تم فرماؤ انتظار کئے جاؤ میں بھی تمہارے انتظار میں ہوں۔"

ان آیات کو بار بار پڑھئے اور اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے پیارے نبی ﷺ کا کس شانِ جلال سے دفاع فرماتا ہے۔

۵۰۔ سُورۃ الجنّ

حضور ﷺ جنّ و اِنس کے رسول ہیں

یہ سورۂ مقدسہ ان اخبار پر مشتمل ہے کہ جن (جِنّات) نے قرآن سنا اور انہوں نے آپ ﷺ کی مدح سرائی کی اور آپ ﷺ پر ایمان لائے' اور وہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس دعوتِ حق سننے کی غرض سے جمع ہوئے اور اتنا ہجوم ہوا کہ بعض بعض کے اوپر چڑھے تھے' جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کثیر تعداد میں تھے' جن کی تعداد بارہ ہزار اور ایک قول کے مطابق ستر ہزار تھی۔

لہٰذا تعجب ہے اس بدعتی پر جس نے اپنی ریڈیو کی نشریاتی تقریر میں بیان کیا کہ اس مسئلہ پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں کہ نبی کریم ﷺ جن کے بھی رسول ہیں !!! دیکھئے وہ اس سورت اور سورۂ رحمن اور احقاف سے کس قدر غافل ہے؟ اور کس طرح اسے یہ بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ قرآن انس و جن کو پڑھ کر سناؤ؟ اگر آپ ﷺ ان کی طرف رسول نہ ہوتے تو انہیں قرآن پڑھ کر سنانا فضول تھا' کیونکہ یہ قطعی امر ہے کہ ایک رسول صرف اپنی خاص قوم کو احکام سناتا ہے جیسا کہ حضرت صالح اور موسیٰ وغیرہم علیہم السلام کے قصہ میں ثابت ہے جس کو قرآن کریم نے نقل فرمایا ہے۔

اور میں نے مذکور بدعتی کا ایک رسالہ میں خوب رد کیا ہے جس کا نام میں نے ''قُرَّۃُ العَینِ بِاَدِلَّۃِ اِرْسَالِ النَّبِیِّ اِلَی الثَّقَلَینِ'' رکھا' اور میں نے اس میں کتاب و سُنّت اور اِجماع سے پچیس دلائل وارد کئے ہیں' اور بعض جن صحابہ کا

بھی ذکر کیا ہے اور ان بعض احادیث کو بھی نقل کیا ہے جو اس سلسلہ میں مروی ہیں۔
بہرحال حضور نبی کریم ﷺ کے جنات کی طرف رسول ہونے کا منکر بلانزاع کافر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّ اَنَّا لَمَسۡنَا السَّمَآءَ فَوَجَدۡنٰهَا مُلِئَتۡ حَرَسًا شَدِيۡدًا وَّ شُهُبًا وَّ اَنَّا كُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ فَمَنۡ يَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ يَجِدۡ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا۔ (الجن: ۸'۹)

"اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھوا تو اسے پایا کہ سخت پہرے اور آگ کی چنگاریوں سے بھر دیا گیا ہے اور یہ کہ ہم پہلے آسمان میں سُننے کیلئے کچھ موقعوں پر بیٹھا کرتے تھے پھر اب جو کوئی سُنے وہ اپنی تاک میں آگ کا لوکا (چنگارہ) پائے۔"

ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ ایمان والے جنوں نے اعتراف کیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے چوری چوری اہلِ آسمان کی باتیں سنا کرتے تھے اور بعثت نبوی کے بعد انہیں آسمان والوں کی باتیں سننے سے روک دیا گیا اور حفاظت کیلئے آگ کی چنگاریاں اور فرشتوں کے سخت پہرے مقرر کر دیئے گئے' کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کہانت اور تنجیم (محض قیافہ اور علمِ نجوم پر اعتقاد) وغیرہ کو باطل ٹھہرانے کیلئے مبعوث ہوئے جس کا عرب وغیرہم اعتقاد رکھتے تھے' اور عقول کو نور اور قلوب کو ہدایت بخشنے کیلئے تشریف لائے' اور اللہ تعالیٰ نے آگ کی چنگاریوں اور ملائکہ سے آپ ﷺ کی تائید فرمائی' یہ ایک ایسا اعزاز واکرام ہے جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوا۔

۵۱۔ سورۃ المزّمّل

اے جُھرمٹ مارنے والے

یاد رہے کہ علامہ زمخشری نے یہاں ایسا کلام ذکر کیا ہے جو شانِ نزول کے خلاف ہے اور جناب نبی کریم ﷺ کے دربار میں بے ادبی پر دال ہے۔ اور علامہ بیضاوی نے بھی اسی کی تقلید کی ہے اور کوئی تبصرہ نہیں کیا' اور علامہ ابن منیر نے اس کا رَدّ کیا ہے اور صحیح مفہوم واضح کیا ہے۔ (مؤلف غفرلہ)

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو اس وصف (جھرمٹ مارنے والے) سے ندا فرمائی ہے اس لئے کہ اس حالت شریفہ کی عکاسی ہو جو غارِ حراء میں نازل ہونے والی قرآن کی پہلی آیت "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ" کے نزول کے بعد آپ ﷺ پر طاری ہوئی تھی جب آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے درآنحالیکہ دِل دھڑک رہا تھا اور فرمایا:

زَمِّلُوْنِیْ لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ۔

"مجھے چادر اڑھا دو بے شک مجھے اپنی ذات کا خدشہ ہے۔"

تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ہرگز نہیں بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا۔ بے شک آپ صلہ رحمی اور مہمان نوازی کرتے ہیں' بے سہاروں کے سہارا بنتے ہیں اور حق کے کاموں پر مدد کرتے ہیں۔

(امام بخاری نے اس حدیث کو بدء الوحی میں اور امام مسلم نے کتاب الایمان' باب بدء الوحی الی رسول ﷺ میں نقل کیا ہے)۔

عکرمہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِىْ زَمَلَ اَمْراً عَظِيْماً۔

"اے امرِ عظیم (بارِ نبوت) کو اُٹھا لینے والے۔"

اس مذکور معنی کی روشنی میں اس وصف کے ساتھ نداء دینے میں حکمت یہ ہے کہ آپ ﷺ مانوس ہو جائیں اور وحی کی ہیبت سے جو آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر بار پڑا ہے اس کا اِزالہ ہو جائے' اور اس انداز میں آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا بے حد لطف و کرم ہے اور آپ ﷺ کی رِعایت ہے جو مخفی نہیں۔

۵۲۔ سُورۃ المدّثّر

فترتِ وحی اور آپ ﷺ کی پریشانی

تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا' نبی کریم ﷺ اس دوران غمگین پریشان ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے' بالآخر ایک دفعہ آپ ﷺ غارِ حرا میں تھے کہ یہ ندا دی گئی کہ "اے محمد (ﷺ) آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔" تو آپ ﷺ نے اپنا سَر مبارک اُٹھایا تو جبریل علیہ السلام کو آسمان اور زمین کے درمیان ایک تخت پر بیٹھے ہوئے پایا جس سے آپ ﷺ پر رُعب طاری ہوا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس لوٹے اور کہا کہ "دَثِّرُوْنِىْ" مجھے چادر اُڑھا دو' تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ ۔ (المدثر: ۱'۲)

"اے بالا پوش اوڑھنے والے کھڑے ہو جاؤ پھر ڈرساؤ۔"

یہاں بھی وہی کلام کیا جاتا ہے جو "یَاۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ" میں کیا گیا' بہر حال دونوں مقامات میں یہ اشارہ ہے کہ حضور ﷺ منصب نبوت ورسالت کے متحمل ہوئے۔

تعلیق مؤلف

ایک روایت میں ہے کہ "حضور ﷺ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے جس سے آپ ﷺ کا ارادہ اپنے آپ کو وہاں سے نیچے گرانا ہوتا اور جب حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہوتے تو واپس لوٹ آتے۔" یہ روایت بخاری میں ہے جو مرسل اور ضعیف ہے۔ اگر اس کو صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو آپ ﷺ کی پریشانی خودکشی کی وجہ سے تھی' جسے چند درج ذیل وجوہات کی بناء پر عیب قرار نہیں دے سکتے:

۱۔ معصیت پر پریشانی عصمت کے منافی نہیں ہوتی' جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام عزیز کی بیوی کے قریب آنے پر پریشان ہوئے لیکن آپ علیہ السلام اپنی عصمت کی وجہ سے اس کے قریب نہیں گئے۔

۲۔ اس وقت اپنے آپ کو ہلاک کر دینا (خودکشی) حرام نہیں تھی' اس کی حرمت اس واقعہ کے کہیں بعد مدینہ میں نازل ہوئی کہ:

لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ۔

"اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔"

۳۔ فی نفسہ انسان کا قتل بنی اسرائیل کیلئے مشروع ہوا جب انہوں نے بچھڑے کی پوجا سے توبہ کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى

بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْآ اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ (البقرة: ۵۴)

"اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو، یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان۔"

اور فضیلۃ الشیخ محمد صادق ابراہیم عرجون نے اپنی قیمتی کتاب "محمد رسول اللہ ﷺ" (۱/ ۴۱۳ تا ۴۵۸) میں اس روایت پر نفیس تنقید کی ہے جو ان کے عمدہ مطالعہ پر دال ہے۔

۵۳۔ سورۃ القیامۃ

حضور ﷺ کا مشقت میں پڑنا اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں

حضرت جبریل علیہ السلام کلامِ الٰہی آپ ﷺ کو القاء کرتے تو ان کے فارغ ہونے سے پہلے ہی حضور ﷺ قرآن پڑھنا شروع کر دیتے تا کہ اسے کماحقہ یاد کر لیا جائے اور بھولنے نہ پائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا

جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۔ (القیامۃ:١٦ تا١٩)

”تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو پھر بے شک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔“

اس کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہیں کہ اس کا نبی جبریل علیہ السلام کے اِلقاء کردہ قرآن کو جلدی پڑھنے کی وجہ سے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے کہ تلاوت کی مشقت اور حصولِ وحی کی مشقت ان پر جمع ہو جائے' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس القاء کردہ قرآن کو محض سُننے کا حکم دیا' اور اسے آپ ﷺ کے سینۂ اقدس میں جمع کرنے اور قوتِ حافظہ میں برقرار رکھنے کا خود ذمہ لیا۔

۵۴۔ سُورۃ عبس

حضور نبی کریم ﷺ سردارانِ قریش کے پاس بیٹھے انہیں سلام کی دعوت دے رہے تھے اس اُمید پر کہ ان کے اسلام لانے کی وجہ سے ان کے پیروکار بھی مسلمان ہو جائیں گے اور یوں اسلام کو تائید اور تقویت حاصل ہو گی' اس دوران نابینا صحابی عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں تعلیم دی ہے اس میں سے مجھے بھی تعلیم فرمایئے اور مطالبہ مکرر کیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے کلام کو ناپسند کیا کیونکہ اس نے سردارانِ قریش

سے گفتگو کو قطع کرا دیا اور اس مقصد سے پھیر کر دوسری طرف متوجہ کر دیا جو آپ لئے بیٹھے تھے کہ یہ لوگ شاید ایمان لے آئیں' حالانکہ ابن اُمّ مکتوم نے حضور ﷺ کا ان سے کلام سن لیا تھا اور یہ بھی جان لیا تھا کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے اور اسے کچھ تعلیم نہ دی تا کہ اس کے انداز پر زجر ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۔ (عبس: ۱ تا ۴)

''تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ ستھرا ہو یا نصیحت لے تو اسے نصیحت فائدہ دے۔''

یہاں ضمیر غائب کو استعمال کیا گیا جس میں نبی ﷺ پر لطف بھی ہے اور شانِ جلال کا اظہار بھی۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر محبت اور دوستی کا عتاب فرمایا اور یہ سمجھایا کہ نابینا کی روش سے درگزر کرنا اور اسے تعلیم دینا اس سے کہیں افضل ہے کہ سردارانِ قریش کے اسلام کی امید پر اپنے آپ کو ان کے ساتھ مشغول رکھا جائے' یہ تفہیم اس آیت میں ہوئی جو مذکورہ واقعہ کے بعد نازل ہوئی۔ پس کس قدر لطف و کرم والا خطاب ہے!! اور کتنا حسین عتاب ہے!! جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سیّد المقرّبین ﷺ کی طرف متوجہ ہیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰی کی حسین تاویل

اس واقعہ کی اور تاویل ہے جسے میں نے بعض معاصرین کو سنایا، جس کا حاصل توضیح و تتمیم کے ساتھ کچھ اس طرح ہے، کہ جملہ "عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی" کفار کے قول کی حکایت ہے جو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے متعلق کہا تھا، پھر انہوں نے استہزا (تمسخر) کے طور پر آپ ﷺ سے یوں خطاب کیا:

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى ۔ (۳)

"اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ ستھرا ہو۔"

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۔ (۴)

"یا نصیحت لے تو نصیحت اسے فائدہ دے۔"

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۔ (۵)

"وہ جو بے پرواہ بنتا ہے۔"

"اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى" سے انہوں نے اپنا قصد کیا۔

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۔ (۶)

"تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو۔"

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۔ (۷)

"اور تمہارا کچھ زیاں نہیں اس میں کہ وہ ستھرا نہ ہو۔"

وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۔ (۸)

"اور وہ جو تمہارے حضور دوڑتا ہوا آیا۔"

وَهُوَ يَخْشٰى ۔ (۹)

''اور وہ ڈر رہا ہے۔''

آخری دو آیات میں مذکور شخص سے انہوں نے اس نابینا صحابی کا قصد کیا

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۔ (۱۰)

''تو اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے ہو۔''

یہاں تک ان کفار کا کلام مکمل ہوا تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے ان کے کلام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

كَلَّا .... (۱۱)

''یوں نہیں ....''

کہ یوں نہ کہو۔ پس (حضرت) محمد (ﷺ) کسی شخص کی طرف اس لئے متوجہ نہیں ہوتے کہ وہ مالدار ہے اور نہ ہی کسی سے اس لئے اعراض فرماتے ہیں کہ وہ فقیر اور نابینا ہے۔

یہ تاویل حسن جید ہے' آیت کا سیاق بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ دیکھئے یہ مضمون ''عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى'' مناسب ہے کہ کفار کا کلام ہو جسے انہوں نے نبی کریم ﷺ کیلئے بطورِ عیب کہا ہو جبکہ یہ خلافِ واقع ہو' کیونکہ آپ ﷺ نے نابینا کے آنے کی وجہ سے تیوری نہیں چڑھائی بلکہ قوم کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے سبب ناخوشگوار ہوئے۔ اور یہ مضمون ''وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى'' بھی مناسب ہے کہ انہیں کا کلام ہو! کیونکہ نبی کریم ﷺ تو جانتے تھے کہ ابن اُمّ مکتوم ایمان دار ہے اور قلبی طور پر مخلص اور ستھرا ہے اور جو قرآن وہ سنتا ہے اس سے نصیحت لیتا ہے' کیونکہ وہ صحابی رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لانے والوں

میں ہیں، اور اُم المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ اور قرآن کا یہ
اُسلوب ہے کہ وہ "وَمَا يُدْرِيكَ اور لَعَلَّ" کی عبارت وہاں استعمال کرتا ہے 23
جہاں لاعلمی ہو جیسے:

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيباً ـ

"اور تمہیں کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو۔"

اور

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ـ

"اور تمہیں کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو۔"

اور وہ حدیث جو ابن اُمّ مکتوم کے قصہ میں وارد ہے، وہ ضعیف ہے، اسے امام ترمذی نے اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور کہا کہ حدیث غریب ہے۔ اور آیات اس پر دال ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کا دِفاع فرمایا۔

امام ترمذی نے اسے سورۂ عبس کی تفسیر میں نقل کیا: کہ

"عَبَسَ وَتَوَلّٰی" ابن اُمّ مکتوم نابینا کے حق میں نازل ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا، اے اللہ کے رسول مجھے ہدایت فرمایئے اس وقت آپ کے پاس سردارانِ قریش کا کوئی شخص بیٹھا ہوا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا اور دوسرے کی طرف متوجہ رہے اور فرمانے لگے "کیا تم اپنے قول میں حرج محسوس کرتے ہو؟" تو کہا گیا نہیں، تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔"

۵۵۔ سورۃ التکویر

جبریل علیہ السلام، اللہ جل جلالہٗ اور رسول ﷺ کے درمیان سفیر ہیں

مشرکین نبی کریم ﷺ کو بچپن سے ہی پہچانتے تھے کہ آپ ﷺ صدق وامانت، وفاء اور مکارم اخلاق کے پیکر ہیں، وہ ان اوصاف کا انکار نہیں کرتے تھے اور نہ ہی آپ ﷺ کی ذات کا انکار کرتے تھے۔ لیکن جب آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شانِ رسالت سے نوازا تو انہوں نے آپ ﷺ کا حسد کیا اور آپ کی پیروی سے سبکدوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ انہیں کوئی بشر تعلیم دیتا ہے اور آپ ﷺ پر جنون کی تہمت بھی لگا دی، حالانکہ وہ یہ خوب جانتے تھے کہ ان کا تہمت لگانا آپ ﷺ کے ان اخلاق و اوصاف کے منافی ہے جنہیں وہ اچھی طرح پہچانتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا:

فَلَا۔ اُقسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ وَ الَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ وَ الصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۔ (التکویر: ۱۵ تا ۲۱)

”تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں سیدھے چلیں تھم رہیں اور رات کی جب پیٹھ دے اور صبح کی جب دم لے، بے شک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے

حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔"

یہ ان کے اس قول کا رد ہے کہ آپ ﷺ کو کوئی بشر تعلیم دیتا ہے اس حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت ٹھہرایا کہ قرآن جبریل علیہ السلام لے کر نازل ہوئے اور ان کی طویل مدح فرمائی تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان جو سفیر ہے وہ کس قدر عظیم صفات کا مالک ہے، جس طرح کہ نبی کریم ﷺ صفاتِ عظیمہ کے مالک ہیں، جن کے وہ خود معترف ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۔ (التکویر: ۲۲)

"اور تمہارے صاحب مجنون نہیں۔"

یہ تہمت جنون کی نفی ہے اور کلمہ "صَاحِبُکُمْ" کی تعبیر سے اس امر پر تنبیہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کو تہمت لگانے میں اپنی ہی معرفت کے مخالف ہیں کیونکہ وہ آپ ﷺ کی کمالِ عقلمندی سے خوب واقف تھے۔ اور اسی طرح جنون کی نفی میں اللہ تعالیٰ جل شانہ، کا یہ بھی ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ (الاعراف: ۱۸۴)

"کیا سوچتے نہیں کہ ان کے صاحب کو جنون سے کچھ علاقہ نہیں وہ تو صاف ڈر سنانے والے ہیں۔"

نیز اللہ سبحانہ، وتعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ

اِنۡ ھُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ لَّکُمۡ بَیۡنَ یَدَیۡ عَذَابٍ شَدِیۡدٍ۔ (السبا:۴۶)

''تم فرماؤ میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کیلئے کھڑے رہو دو دو اور اکیلے اکیلے پھر سوچو کہ تمہارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں وہ تو نہیں مگر تمہیں ڈر سنانے والا ایک سخت عذاب کے آگے۔''

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَلَقَدۡ رَاٰہُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِیۡنِ۔ (التکویر:۲۳)

''اور انہوں نے اسے روشن کنارہ پر دیکھا۔''

یہ آپ ﷺ سے جنون کی نفی کی تاکید ہے کیونکہ اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امر پر قسم کھائی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس سفیر کو حقیقتاً دیکھا جو ان کے پاس وحی لے کر آتا ہے اور یہ حقیقی رؤیت جنون کا نتیجہ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی بے ہوشی سے یہ میسر آسکتی ہے۔

پس یہ آیات ان دونوں تہمتوں کی نفی کیلئے وارد ہوئی ہیں جو کفار نے آپ ﷺ پر لگائی تھیں نہ کہ نبی کریم ﷺ اور جبریل علیہ السلام میں افضلیت بیان کرنے کیلئے نازل ہوئیں۔ اور علامہ زمخشری کو اس سے یہی وہم ہوا کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ سے افضل ہیں اور اس مفہوم سے وہ اجماع سے خارج ہوئے، اور ان دلائل سے غفلت برتی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جبریل علیہ السلام وغیرہ پر افضلیت کا تقاضا کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا قسم کھانا آپ پر درود بھیجنا اور اللہ تعالیٰ کا اپنی کتاب میں فرشتوں کو ڈر سنانا اور آپ

ﷺ کو وصفِ تعظیم سے ندا دینا اور اس طرح کے دیگر دلائل جو اسی کتاب کے مختلف مقامات پر وارد ہیں۔اور بالفرض سورۂ تحریم میں موجود آیت نُصرت کے علاوہ کوئی اور دلیل نہ بھی ہو تو وہ ہی اس مسئلہ میں کافی ہے۔

جبریل علیہ السلام سے حضور ﷺ کی افضلیت پر مؤلف کی تعلیق

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کا ارشادِ گرامی ہے:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ۔

(الانعام:۵۰)

''تم فرما دو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔''

یہ آیت بھی حضور نبی کریم ﷺ پر ملائکہ کی افضلیت کی دلیل نہیں، کیونکہ اس سے ان مشرکین کا رد مقصود ہے جنہوں نے محض ہٹ دھرمی کی بناء پر آپ ﷺ سے درج ذیل مطالبات کیئے:

i۔ اگر تم رسول ہو تو ہمارے رزق وسیع کر دو۔

ii۔ ہمیں مستقبل میں پیش آنے والے امور کی خبر دو تا کہ ہم ان کیلئے تیار ہو جائیں اور ضرر دینے والے امر سے جتنا ہو سکے اجتناب کر سکیں۔

iii۔ یہ رسول کیسا ہے کہ کھانا کھاتا، بازاروں میں چلتا اور نکاح کرتا ہے؟

تو یہ آیت اسی ترتیب پر ان باتوں کی تردید میں نازل ہوئی' چنانچہ پہلے قول کی یوں تردید کی کہ:

لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ۔

''میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔''

یعنی اللہ کے وہ خزانے جن سے وہ اپنے بندوں کو رزق دیتا ہے وہ خزانے میری ملکیت حقیقی میں نہیں ہیں کہ میں تمہارے رزقوں کو وسیع کر سکوں۔ اور دوسرے قول کی تردید یوں ہوئی:

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ۔

''اور نہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔''

یعنی میں نے علم غیب کا دعویٰ تو نہیں کیا کہ تمہیں اس مستقبل کی خبر دوں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور تیسرے قول کی تردید یوں ہوئی:

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۔

''اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔''

یعنی میں نے کوئی فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ تم میرے کھانے پینے' بازاروں میں چلنے اور عورتوں سے نکاح کرنے پر اعتراض کرتے ہو۔ اور ان رُدود کے ذیل میں یہ ارشاد لایا گیا:

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ ۔ (الانعام:۵۰)

''میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی آتی ہے۔''

یعنی میں تو ایک بشر رسول ہوں اور صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے وحی کی جاتی ہے اور اسی کی تمہیں تبلیغ کرتا ہوں' اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی

عبادت ہے۔

پس اس آیت کا یہی صحیح مفہوم ہے، مفاضلہ کے مسئلہ سے اس کا قطعاً کوئی تعلق نہیں، یعنی کون افضل ہے اور کون مفضول۔

۵۶۔ سورۃ البروج

اللہ تعالیٰ وسبحانہ، جل شانہ، کا ارشادِ گرامی ہے:

وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۔ (البروج:۳)

''اور اس دن کی قسم جو گواہ ہے اور اس دن کی جس میں حاضر ہوتے ہیں۔''

بزار نے ثقہ رجال کی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس کی رضی اللہ عنہما یہاں فرماتے ہیں کہ ''شاہد'' حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے اور ''مشہود'' قیامت کا دِن ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی بھی ہے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ۔ (النسآء:۴۱)

''تو کیسی ہو گی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔''

بہرحال پہلی آیت میں ''شاہد اور مشہود'' کو نکرہ لایا گیا جو وصف میں الہام کیلئے ہے، گویا کہ کہا گیا ''وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ'' اور ان کے وصف کو متعین نہیں کیا گیا۔علامہ زمخشری ''کشاف'' میں کہتے ہیں کہ اس میں ہمارے نبی ﷺ کی عظمت و برتری ہے جو مخفی نہیں۔

۵۷۔ سُورۃ البلد

مکہ مکرمہ کی عظمت حضور ﷺ کے سبب ہے

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

لَآ۔ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ (البلد:۱،۲)

"مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔"

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ اس شہر کی پابندیوں سے آپ ﷺ آزاد ہیں جس کا اظہار فتح مکہ کے روز یوں ہوا کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن خطل کو قتل کرنے کا حکم دیا درآنحالیکہ وہ کعبہ معظمہ کے پردوں سے چمٹا ہوا تھا' کیونکہ وہ کاتب وحی تھا پھر مرتد ہو گیا اور اس نے قرآن اور نبی ﷺ کے بارے طعن کیا۔لہٰذا مکہ مکرمہ کی یہ آزادی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے جو آپ ﷺ سے قبل کسی نبی کو میسر نہیں ہوئی۔

اور "وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ" کے معنی ہیں ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ اس شہر میں مقیم اور نازل ہیں' گویا کہ اللہ تعالیٰ نے حرمِ مکہ کو عظمت اسی سبب سے بخشی کہ نبی کریم ﷺ اس میں تشریف فرما ہیں۔اور اسی آیت کے معنی میں ایک اور قول یہ ہے کہ آپ ﷺ سے محنت و مشقت اُٹھا لی گئی اور اے محبوب تیری حُرمت کی عظمت کے باوجود اس شہر میں قتل کا جواز طلب کیا جاتا ہے جس طرح کہ شکار کرنا غیر حرم میں جائز ہے۔

حضرت شرحبیل کہتے ہیں کہ کفارِ مکہ شکار کو وہیں قتل کرنا حرام سمجھتے ہیں اور آپ ﷺ کو وہاں سے نکال کر قتل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔

بہرحال اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو اس تکلیف اور مشقت پر تسلی دی گئی ہے جو آپ ﷺ کو اہلِ مکہ کی طرف سے برداشت کرنا پڑی، اور آپ ﷺ کی عداوت میں ان کے حال پر تعجب ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ، کا فرمان عالیشان ہے:

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ۔ (البلد:۳)

''اور تمہارے باپ ابراہیم کی قسم اور اس کی اولاد کی کہ تم ہو۔''

اس آیت سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی قسم کھائی جو آپ ﷺ کی جائے پیدائش ہے، آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام کا حرم اور اسماعیل کی جائے پرورش ہے اور آپ ﷺ اور آپ کی اولاد کی قسم کھائی۔

(راجح قول یہ ہے کہ والد سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور مولود سے حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے............ زاہد غفرلہٗ)۔ اور اس کی تنکیر مدح اور تعظیم کیلئے ہے۔ اور ''ما'' کو ''مَنْ'' پر ترجیح دینا تعجب کے معنی کو مفید ہے۔ جیسا کہ اس ارشادِ گرامی میں ہے:

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ۔ (اٰل عمران:۳۶)

''اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ جنی۔''

یہ علامہ زمخشری کا قول ہے۔

۵۸۔ سُورۃ الضّحیٰ

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا فرمان عالیشان ہے:

وَ الضُّحٰی وَ اللَّیۡلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی (الضّحیٰ:۱ تا ۳)

''چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمہیں تمہارے ربّ نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔''

شانِ نزول

حضور نبی کریم ﷺ کی طبیعت مبارکہ کچھ دن معمول پر نہ رہی تو آپ ﷺ نے ان دنوں میں نماز کیلئے قیام نہ فرمایا' تو ابولہب کی بیوی اُمّ جمیل نے آپ ﷺ سے کہا کہ اے محمد (ﷺ) مجھے لگتا ہے کہ تیرا شیطان تجھ سے ناراض ہوگیا ہے' میں نے اتنی مدت سے اسے تیرے پاس آتے نہیں دیکھا۔ (العیاذ باللہ) تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے یہ آیات نازل فرمائیں جو اوپر مذکور ہیں۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس امر پر قسم کھائی کہ اس نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو نہ چھوڑا اور نہ ہی ان سے ناراض ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حضور ﷺ پر کمال عنایت ہے کہ جو مشرکین نے نبی کریم ﷺ کو کہا تھا اس کی خوب تردید کی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی۔ (الضّحیٰ:۴)

''اور بے شک پچھلی تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے۔''

یہ ان نعمتوں کو مفید ہے جو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں آپ ﷺ کیلئے تیار کر رکھی ہیں مثلاً عزتیں اور نعمتیں' نیز دلالۃ الاشارۃ سے اس امر کو بھی مفید ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ ترقی پذیر ہیں' کیونکہ ہر آنے والا لحظہ اور گھڑی آپ ﷺ کیلئے پہلے سے بہتر ہے۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں اگر تو یہ کہے کہ اس آیت (وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى) کا ماقبل سے تعلق اور اتصال کس طرح ہے؟

تو اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ چھوڑ دینے اور ناراض ہونے کے ضمن میں جب یہ وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ بذریعۂ وحی تم سے ملنے والا ہے اور بے شک تم اللہ کے حبیب ہو' اور اس سے بڑھ کر تم کوئی کرامت نہیں دیکھو گے اور نہ ہی اس سے اعلیٰ کوئی نعمت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ' نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ آخرت میں آپ کا حال اس سے بھی عظیم اور رفیع ہو گا اور وہ حال جمیع انبیاء و مرسلین پر سابق اور مقدم ہو گا۔ اور آپ ﷺ کی اُمت کی گواہی تمام اُمتوں پر ہونا' ایمان والوں کے درجات کا بلند ہونا اور آپ ﷺ کی شفاعت کی بدولت ان کے مراتب کا بلند ہونا وغیرہ انہی اخروی مبارک کرامات میں سے ہیں۔

اللہ سبحانہ' وتعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۔ (الضحٰی:۵)

''اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کو اس قدر عطا فرمائے گا کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے۔ اور ''یُعْطِیْکَ'' کا مفعول اسی لئے

محذوف ہے کہ عطاء کی تمام قسموں کو عام ہو جائے مثلاً کمالاتِ نفسانیہ' علومِ الٰہیہ' ظہورِ امر' غلبہ دین' دشمنوں کے خلاف مدد اور شفاعت وغیرہ ایسے امور جن کو اس عطا کرنے والے سبحانہ' وتعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(علّامہ زمخشری کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے عطا کا وعدہ دنیا میں جن چیزوں کو شامل ہے وہ یہ ہیں مثلاً فتح و کامیابی جو دشمنوں کے مقابلہ میں حاصل ہوئی جس کا ظہور بدر اور فتح مکہ کے دن ہوا' لوگوں کا فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونا' بنو قریظہ اور بنو نضیر پر غلبہ حاصل ہونا اور انہیں جلا وطن کرنا' آپ ﷺ کے لشکروں اور سرایا کا عرب ممالک میں پھیل جانا' خلفاء راشدین کے دَور میں متعدد شہروں کا فتح ہو جانا' بڑے بڑے جابر ممالک کا ان کے آگے سرنگوں ہو جانا' اور انہیں قیمتی خزانوں کا حاصل ہو جانا' مشرق و مغرب والوں کے دلوں میں رُعب کا ڈال دینا' اسلام کی ہیبت کا طاری ہونا' دعوتِ اسلام کی اشاعت ہونا اور مسلمانوں کا غالب آ جانا ہے۔

اور جو ثواب آپ ﷺ کیلئے ذخیرہ کیا گیا ہے' اس کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا.............مؤلف غفرلہ)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۔ (الضّحٰی : ۷)

''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔''

ضلال کا معنی یہاں عدم معرفت ہے' کہا جاتا ہے ''ضَلَلْتُ الدَّارَ'' یعنی میں اسے نہیں جانتا اور معنی یہ ہوا کہ آپ ﷺ شریعت کو نہیں جانتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ وحی اس کی ہدایت دی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَ لَا الْإِيمَانُ۔ (الشوریٰ:۵۳)

''اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل یعنی تم قرآن کو نہیں جانتے اور نہ ہی ایمان کے احکام کو۔

(عمدہ توجیہہ یہی ہے کہ یہاں ضلال ''محبت میں خودرفتگی'' کے معنی میں ہے اور معنی یوں ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محبت میں خودرفتہ پایا اور اپنی طرف راہ دی، جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلَالِكَ الْقَدِيْمِ۔ (یوسف:۹۵)

''خدا کی قسم آپ اپنی اُسی پرانی خودرفتگی میں ہیں۔''

..........................زاہد غفرلہٗ)

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ذیشان ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ (الضحیٰ:۱۱)

''اور اپنے ربّ کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔''

آپ ﷺ کو حکم فرمایا گیا کہ اپنی اُمت میں ان انعامات کا پرچار کرو جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر کئے ہیں تاکہ وہ آپ کی معرفت اور اعتقاد سے سرشار ہوں اور وہ آپ ﷺ کی محبت اور تعظیم میں آگے بڑھیں۔ پس تحدیث نعمت آپ ﷺ کے حق میں واجب ہے اور دیگر اُمت کے افراد کے حق میں صرف اس وقت جائز، جب بڑائی اور دکھلاوے کا خوف نہ ہو۔

۵۹۔ سورۃ اَلم نشرح

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۔ (الم نشرح:۱)

''کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔''

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو اپنے نورِ الٰہی سے شرح صدر نصیب فرمایا یعنی سینۂ اقدس کھول دیا' تاکہ حق تعالیٰ سے سرگوشیاں کرنے اور مخلوق کو دعوت دینے کا صالح ہو جائے نیز یہ کہ رحمتوں اور تجلیوں کا جائے نزول بن سکے۔

علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ ''شَرَحنَا لَکَ صَدرَکَ'' کا معنی یہ ہے کہ ہم نے سینۂ اقدس کو کھول دیا تاکہ وہ بارِ نبوت اور دعوتِ جن وانس کا متحمل ہو جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ ۔ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۔ (الم نشرح:۲'۳)

''اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔''

یہاں ''وِزر'' سے مراد بارِ تبلیغ و دعوت ہے' ان دونوں امور کے اہتمام نے آپ ﷺ کا آرام دُو بھر کر دیا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں امور آپ ﷺ پر آسان فرما دیئے۔اور یہ واضح ہے کہ ''وِزر'' کا مطلق ذکر استعارۂ تصریحیہ کے قبیلہ سے ہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یوں ہے

"وَ حَلَلْنَا عَنْکَ وِقْرَکَ" (کہ ہم نے تمہارا بوجھ تم سے اُٹھالیا)۔ وِقْر بمعنی بوجھ ہے' لہٰذا یہ قرأت بھی ہماری مذکورہ تقریر کی تائید کرتی ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ذیشان ہے:

وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ (الم نشرح: ۴)

"اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔"

اس آیہ مقدسہ کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کا ذکر بلند فرمایا اور وہ یوں کہ کتب سابقہ میں بھی آپ ﷺ کی بشارت دی اور انبیاء علیہم السلام سے بھی یہ عہد لیا کہ اگر ان کے زمانے میں آپ ﷺ کا ظہور ہو تو وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد بھی کریں' نیز یہ کہ اذان' اقامت' تشہد' جمعہ وعیدین کے خطبہ' خطبہ نکاح اور اس کلمہ شہادت میں جسے کوئی شخص پڑھ کر مسلمان ہوتا ہے' آپ ﷺ کا اسمِ گرامی اللہ تعالیٰ کے نام سے ملا ہوا ہے اور آپ ﷺ پر درُود کو عبادت قرار دیا گیا جو تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

علامہ صاوی کی تقریر

علامہ صاوی فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے' جنت ودوزخ اور ہر شے کی تصدیق کرے' لیکن محمد رسول اللہ کی شہادت نہ دے' تو اسے کچھ بھی نفع حاصل نہ ہوگا اور وہ کافر ہے' یہ اجماع ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: کہ

وَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ یَهُوْدِیٌّ وَّ لَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَ

لَمۡ يُؤۡمِنۡ بِالَّذِيۡ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ اِلَّا كَانَ مِنۡ اَصۡحَابِ النَّارِ۔ (صحیح مسلم)

''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے' اس اُمت کے جس شخص نے بھی میری رسالت کی خبر سنی چاہے یہودی ہو یا نصرانی' اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہ لایا تو وہ جہنمی ہے۔''

تعلیق مؤلف

اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ آخرت کی سزا دعوت پہنچنے پر موقوف ہے ہم نے ''خواطرِ دینیہ'' میں بیان کیا ہے کہ تبلیغ دعوت ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق اس کا اہتمام کرے' لیکن اس کی عظیم ذمہ داری حکام' علماء اور اغنیاء پر عائد ہوتی ہے۔لہٰذا دنیا کے تمام گوشوں میں دینی وفود کے پہنچانے یا منظم کرنے اور ان کی امداد کرنے کا سوال انہیں سے ہوگا' کیونکہ یہی وہ جماعتیں ہونگی جو اسلام کی خوشخبری سنائیں گی۔

امریکا اور جنوبی افریقہ کے رنگین مزاج لوگوں اور انڈیا کے ہندوؤں کی یہی مشکل ہے کہ عدل وسلامتی والا حل صرف اسلام ہی میں موجود ہے جو کہ اُخوت' مساوات اور سلامتی کا دین ہے۔

۶۰۔ سورۃ البیّنۃ

اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی ذیشان ہے:

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتَابِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۔ (البینۃ:۱تا۴)

”کتابی کافر اور مشرک اپنا دین چھوڑنے کو نہ تھے جب تک ان کے پاس روشن دلیل نہ آئے وہ کون وہ اللہ کا رسول کہ پاک صحیفے پڑھتا ہے ان میں سیدھی باتیں لکھی ہیں اور پھوٹ نہ پڑی کتاب والوں میں مگر بعد اس کے کہ وہ روشن دلیل ان کے پاس تشریف لائے۔“

کتابی کافر اور مشرک بعثت نبوی سے پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ ہم اپنے دین کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ وہ موعود نبی مبعوث ہو جائیں جن کا ذکر تورات اور انجیل میں موجود ہے، پس جب حضور نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے حسد کرتے ہوئے آپ کا انکار کیا اور علیحدہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی حکایت میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

آیت میں مذکور ”بیّنۃ“ سے مراد حجت واضحہ ہے اور وہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے اور ”رَسُوْلٌ“ ”البیّنۃ“ سے بدل ہے۔ ”مطھّرۃ“ کا مطلب ہے

کہ باطل سے پاک' اور "فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ" کا مطلب ہے کہ ان میں سیدھے اور مضبوط احکام درج ہیں جو حق اور عدل پر مبنی ہیں۔ اور آخری آیت "وَمَا تَفَرَّقَ" اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مثل ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ۔
(البقرة:۸۹)

"تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے۔"

اور جس نے کہا کہ یہاں "رَسُولٌ" سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں یقیناً اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے' کیونکہ جبریل علیہ السلام نے ان پر نہ صحیفے پڑھے ہیں اور نہ ہی کچھ اور نیز اس لئے کہ جبریل علیہ السلام ان کے ہاں بھی تورات اور انجیل میں اس نام ونسب' شہر اور ہجرت گاہ سے موصوف نہیں تھے۔

تعلیق مؤلف

اسی پہلی آیت پر غور کیجئے کہ اہلِ کتاب اور مشرکین ایک نظام کے تحت چلتے تھے اور سب کا رُخ کفر کی طرف تھا کیونکہ اہلِ کتاب نبی کریم ﷺ کے ساتھ کفر پر متفق تھے' یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا اور نصاریٰ نے انہیں اِلٰہ بنا لیا' اور بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ کافر وہ ہے جو وجودِ باری تعالیٰ کا انکار کرنے اور یہ عقیدہ خطا ہے' لغوی اور شرعی طور پر درست بات یہ ہے کہ کافر کا اطلاق تمام مذکورہ اقسام پر ہوتا ہے' کیونکہ مشرک نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے انکار کیا' اہلِ کتاب نے نبی ﷺ کی رسالت سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے منکر نے اس کے وجود کا انکار کیا' اور اس کا خاص نام مُلحِد ہے۔

٦١۔ سُورۃ الکوثر

اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے:

اِنَّآ اَعْطَیْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۔ (الکوثر:١)

''اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔''

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کو اس عطاء کا شرف حاصل ہوا جو ''اِنَّ اور نونِ عظمت'' سے مؤکد ہے۔کوثر جنت میں ایک نہر ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ثابت ہے۔اور یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے۔کوثر کے معنی میں کثیر اقوال منقول ہیں جن کو ہم نے دو امور کے پیش نظر ترک کر دیا ہے:

١۔ ہم صحیح حدیث کے مقابلہ میں کسی غیر کو ترجیح نہیں دیتے۔

٢۔ یہ اقوال باہم متداخل ہیں جو کسی نئے فائدہ کو مفید نہیں، ہاں یہ قول فائدہ کے زیادہ قریب ہے کہ ''کوثر'' خیر کثیر ہے اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۔ (الکوثر:٣)

''بے شک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔''

یہ مشرکین کے اس قول کا رد ہے جو انہوں نے حضور ﷺ کے بارے میں اس وقت کہا تھا جب آپ ﷺ کے بیٹے قاسم کا انتقال ہوا تھا: کہ محمد (ﷺ) کی نسل منقطع ہو گئی یہی وجہ ہے کہ یہ ''اِنَّ'' ضمیر فصل اور کلمۂ ابتر کے معرفہ ہونے

سے مؤکد ہے' اور یہ اس امر کو مفید ہے کہ بتر (محرومی) کا حضور ﷺ کے دشمن میں حصر ہے اور یہ سورت حضور ﷺ کی تسلی کیلئے نازل ہوئی ہے' اور اس چیز کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا اپنے ربّ کے ہاں جو مقام و مرتبہ ہے اس سے اوپر کوئی مقام اور مرتبہ نہیں ہے۔

علامہ زمخشری اس سورت کی تفسیر میں کوثر' صلوٰۃ اور نحر کے معانی میں اختلاف بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ کوثر' صلوٰۃ اور نحر کا معنی یہ ہوا کہ میں نے تمہیں دارین کی بھلائی سے جو کچھ عطا کیا اس کی کثرت کی کوئی انتہاء نہیں' اور نہ ہی وہ تیرے سوا کسی کو عطا ہوا' اور ان تمام نعمتوں کا دینے والا میں ہی ہوں جو سارے جہانوں کا معبود ہوں پس تیرے دو قابلِ رشک مبارک نعمتیں جمع کر دی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ تمہیں اشرف و اعلیٰ عطا کی گئی اور وہ بھی وافر' جو معزز عطا کرنے والے اور عظیم انعام کرنے والے کی طرف سے ہے' پس تو اپنے اس ربّ کی عبادت کر جس نے تمہیں اس بڑی عطا سے عزت بخشی اور لوگوں کے احسانات سے محفوظ رہنے کا شرف بخشا۔ درآنحالیکہ تو غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں سے متنفر ہے' اور قربانی کر اللہ کی رضا کیلئے اور اس کے مبارک نام سے جو تو قربانی کرے۔ درآنحالیکہ تیری ان سے مخالفت لازم آئے وہ بتوں کے لئے قربانی کرتے ہیں۔ بے شک تیری قوم سے جو تیری مخالفت میں تجھ سے زیادہ بغض رکھے وہ ہی سب سے زیادہ اَبتر ہو گا نہ کہ تم' کیونکہ قیامت تک جو بھی مومن جنم لے گا وہ آپ ہی کی اولاد ہو گی۔ دوسرا یہ کہ آپ کا ذکر منبروں اور میناروں پر بلند کر دیا گیا ہے اور قیامت تک ہر عالم اور ذاکر کی زبان پر جاری کر دیا ہے کہ وہ اللہ کے ذکر سے ابتداء کرے اور آپ کے ذکر سے ثناء کرے' اور آخرت میں تمہارے

لئے اتنا انعام ہے جو کسی وصف کے تحت داخل نہیں' لہٰذا تیرے جیسی ہستی کو اَبتر نہیں کہا جاتا بلکہ اَبتر وہی ہے جو تیرا دشمن ہے اور دنیا و آخرت میں اسے مٹایا جائے گا' اگر کہیں اس کا ذکر ہوا بھی تو لعنت کے ساتھ ہوگا۔

۶۲۔ سُورۃ النصر

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ الکریم نے اس سورت میں اپنے پیارے نبی ﷺ کو بشارت دی ہے کہ دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کی مدد ہوگی اور مکہ آپ کیلئے فتح ہو گا۔ اور آپ ﷺ کو تسبیح و استغفار کا حکم دیا گیا تاکہ آپ ﷺ کو اپنے مولا سے ملنے کی استعداد حاصل ہو جائے اور خوب تیاری فرمالیں ان طرح طرح کے انعامات کی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس ان کیلئے تیار کر رکھے ہیں۔

تعلیق مؤلف

یہاں سے ماخوذ ہے کہ تسبیح' تحمید اور استغفار کی بڑی فضیلت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت جیسی نعمت کے شکر کے مقابلہ میں حکم فرمایا۔ جیسا کہ یہ بھی ماخوذ ہے کہ استغفار کا حکم اسی لئے ہے تاکہ وہ نعمت پر شکر ہو جائے۔ پس یہ حکمت بھی ان حکمتوں کی طرف منسوب ہے جنہیں ہم نے سورۂ نساء میں بیان فرمایا ہے۔

۶۳۔ سُورۃ تبّت

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ (الشعرآء: ۲۱۴)

''اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ۔''

تو حضور نبی کریم ﷺ بیت اللہ کی طرف نکلے اور قریشیوں کو نداء دی' وہ آپ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور اس کی سزا سے بچنے کی تلقین کی' تو آپ کے چچا ابولہب نے آپ کو کہا ''تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے اسی لئے ہم کو اکٹھا کیا تھا؟'' تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی جس میں ابولہب اور اس کی بیوی کی ہلاکت کی خبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے سوا کسی متعین شخص کی مذمت میں سورت نازل نہیں فرمائی' جو اس امر پر دلیل ہے کہ ان دونوں کو آپ ﷺ سے شدید عداوت تھی اور وہ آپ ﷺ کو بہت زیادہ تکلیف دیتے تھے۔

تعلیق مؤلف

اکثر لوگ نماز میں اس سورت کو پڑھنے سے اجتناب کرتے ہیں اور اس کو قرأت کو مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کے چچا کی مذمت ہے' لیکن اس بات کی کوئی حقیقت نہیں' اور نبی کریم ﷺ کو اپنے چچا کی مذمت سے تکلیف نہیں ہوتی کیونکہ وہ قریش میں سب سے بڑا کافر اور اللہ کا منکر تھا نیز اللہ کے رسول سے سب سے زیادہ عداوت رکھتا تھا۔

"یہاں علامہ زمخشری کا کلام بڑا دلچسپ ہے کہ اس نے "حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" پر کلام کرتے ہوئے اس کی دونوں قرأتوں یعنی "حمّالة" کا رفع اور نصب بیان کیا، اور قرأت ثانیہ یعنی نصب کی صورت کی وجہ یہ بیان کی کہ یہ شتم پر محمول ہے، پھر کہا کہ مجھے یہ قرأت پسند ہے، اور اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کا خوب قُرب حاصل کرلیا جس نے اُمّ جمیل کے شتم کو اچھا سمجھا۔"

اور اسی طرح میں (مؤلف) کہتا ہوں کہ اس نے بھی نبی کریم ﷺ کا قرب پالیا جس نے ابولہب کی مذمت کو اچھا سمجھا۔

۶۴، ۶۵۔ سُورتا المعوِّذتین

یہود نے نبی کریم ﷺ کی دشمنی میں آخری حیلہ جادو سے کیا، چنانچہ لبید بن اعصم یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کر دیا، تا کہ آپ بیویوں کے قابل نہ رہیں، ان کی نظر میں اس کی غرض یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں ہی عیب دار ہو جائیں گے اور اپنی بیویوں کی نظر سے گر جائیں گے، بسا اوقات عورتیں اس شخص سے طلاق کا مطالبہ کر لیتی ہیں جو عمل زوجیت کے قابل نہ ہو، تو (اس جادو کے اثر سے) حضور ﷺ اپنی ازواج سے عاجز ہو گئے باوجویکہ آپ ﷺ مکمل طور پر صحت مند تھے، نہیں معلوم کہ کیا ہوا؟ حتیٰ کہ یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں اور جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اس جادو کے خبر دی جو آپ پر اثر انداز تھا، تو آپ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت کی تو اس جادو کا اثر کافور ہو گیا جس کا عمل کیا گیا تھا، اور آپ ﷺ نے بیویوں کے قریب جانے کے حوالے سے اپنی سابقہ خوشی و مسرت کو پالیا، اور آپ کیلئے ظاہراً اور باطناً اللہ تعالیٰ کی مدد پوری ہوئی،

اور آپ ﷺ کا مرتبہ حسی اور معنوی طور پر بلند ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی رسول اور فرشتہ آپ ﷺ سے افضل نہیں ہے اور نہ ہی کلیم اور خلیل آپ ﷺ سے بڑھ کر مقرب ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ آپ ﷺ پر درود وسلام نازل فرمائے جب بھی ذکر کرنے والے آپ ﷺ کا ذکر کریں' اور غفلت برتنے والے آپ کے ذکر سے غافل رہیں۔

تعلیق مؤلف

جادو کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک وہ جو کسی شخص کے دِل یا عقل پر مسلّط ہو جائے اور اسے وسوسے بے عقلی کا شکار کر دے' اور وہ شخص ایسے امور کا خیال کرے جن کا کوئی وجود نہیں اور ایسی چیزوں کا اعتقاد کرے جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ بہر حال یہ قسم انبیاء علیہم السلام کے حق میں محال ہے کیونکہ ان کی عصمت کے سبب دلیل عقلی اس کا ردّ کرتی ہے کہ کوئی چیز ان کے دلوں یا عقلوں پر مسلّط ہو جائے۔

۲۔ دوسری قسم وہ جو کسی شخص کے صرف بدن پر مسلّط ہو مثلاً مکمل صحت مندی کے باوجود بیوی کے قابل نہ رہنا۔ یہ قسم انبیاء علیہم السلام کے حق میں جائز ہے کیونکہ اس کا تعلق امراضِ بدنیہ سے ہے جس کو ان کے مرتبہ سے کوتعلق نہیں اور نہ ہی اس سے ان کی قدر و عزت کم ہوتی ہے' اور یہی وہ قسم ہے جو نبی کریم ﷺ کو لاحق ہوئی۔

صحیح بخاری کی روایت میں اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے:

اَنَّهُ ﷺ كَانَ يَرٰى اَنَّهُ يَأْتِي النِّسَآءَ وَلَا يَأْتِيهِنَّ۔

"آپ ﷺ کا خیال تھا کہ وہ بیویوں سے مباشرت کریں گے لیکن نہ کر سکے۔"

اُمّ المؤمنین کے کلام کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ کا خیال تھا کہ انہیں پہلے کی طرح عورتوں سے مباشرت کی قدرت ہے، لیکن جب آپ ﷺ نے مباشرت کا اِرادہ فرمایا تو اس کی قدرت نہ پائی، پس یہ مرضِ بدنی ہے جس کا دِل اور عقل سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ بخار کی مانند ہے جو آپ ﷺ پر طاری ہوا، لیکن آپ ﷺ اس کی لغویات اور بیہودگیوں سے معصوم ہیں اور اس کا تسلّط صرف آپ ﷺ کے بدن مبارک تک محدود ہے۔

مشرکین نے جب نبی کریم ﷺ کے بارے کہا:

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ (بنیٓ اسرائیل:۴۷)

"تم پیچھے نہیں چلتے مگر ایک ایسے مرد کے جس پر جادو ہوا۔"

تو ان کا مقصود جادُو کی قسمِ اوّل تھا وہ یہ خیال کرتے تھے کہ جادُو ان کے عقل پر اثر انداز ہے اور ان کا خیال ہے کہ انہیں وحی آتی ہے اور اللہ کے رسول ہیں...... الخ۔

اور یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ انہوں نے آپ ﷺ کو جادوگر، شاعر اور کاہن کہا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے کلام کا رَد فرماتے ہوئے اپنی نبی ﷺ سے فرمایا:

أُنظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۔ (بنی اسرائیل:۴۸)

”دیکھوانہوں نے تمہیں کیسی تشبیہیں دیں تو گمراہ ہوئے کہ راہ نہیں پا سکتے۔“

یعنی حق کی طرف راہ نہیں پا سکتے جس سے وہ بھٹک گئے۔

اور اس کی نظیر فرعون کے اس قول میں بھی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے:

أَنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ۔ (الشعرآء:۲۷)

”تمہارے یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ضرور عقل نہیں رکھتے۔“

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ

بفضلہٖ تعالیٰ آج ۱۰ دسمبر ۲۰۰۲ئ بروز منگل
شام ۵ بجے اس کتاب کا اُردو ترجمہ مکمل ہوا

محمد اکرام اللہ زاہد قادری

پرنسپل: جامعہ اسلامیہ پھالیہ

خاتمہ

حضور نبی کریم ﷺ کی فضیلت و تکریم میں وارد ہونے والی آیات کے ذکر کے بعد ہم اس خاتمہ میں ان خصائص کا خلاصہ بیان کرتے ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ انبیاء و مرسلین اور ملائکہ سے افضل ہیں' کیونکہ یہ خصوصیات آپ ﷺ کے علاوہ کسی میں جمع نہیں۔ پس ان کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ جو آپ ﷺ کی شخصیت سے متعلق ہیں اور دوسری آپ ﷺ کی اُمت سے یا بعض افراد سے' اور وہ بھی فقط آپ ﷺ کے باعث۔

ا۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے آپ ﷺ کا دفاع فرمایا جیسا کہ ہم نے جابجا اس پر تنبیہ کی ہے۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام کا آپ ﷺ کی بشارت دینا' انبیاء علیہم السلام سے یہ وعدہ لینا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں' قبل از سوال آپ ﷺ کی تمنا پوری کر دینا' ملائکہ کا آپ ﷺ کے ہمراہ قتال کرنا' آپ ﷺ کی رُعب سے مدد فرمانا جو دشمن کے دِلوں میں ڈال دیا جاتا' آپ ﷺ کی اطاعت کا واجب ہونا' آپ ﷺ کی اطاعت کا اللہ کی اطاعت کے مثل ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ سے یہ طلب کرنا کہ اپنے صحابہ کو معاف کر دو اور ان کیلئے استغفار کرو' آپ ﷺ کی اتباع کا اللہ تعالیٰ کی محبت اور بخشش کا سبب ہے' کفار کے جھٹلانے پر آپ ﷺ کو تسلی دی گئی' آپ ﷺ میں طعن دین میں طعن ہے' اس سے ایمان کی نفی ہے جس نے آپ ﷺ پر سلام نہیں بھیجا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے "سلموا تسلیما" غلطی کے وقوع

سے پہلے اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو متنبہ فرمانا' یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ سے کبھی خطا سرزد نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کی تبلیغ کی شہادت دینا' نبوت ورسالت کے وصف سے آپ ﷺ کا ذکر کرنا اور ندا دینا' آپ ﷺ کا وجود مبارک خسف' مسخ اور قذف کے عذاب سے مانع ہے' اللہ تعالیٰ جل شانہ' کے دو اسماء سے آپ ﷺ کا موصوف ہونا بلکہ اکثر سے' (اللہ تعالیٰ نے خلیل علیہ السلام ایک اسم سے موصوف فرمایا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۔ (التوبة: ۱۱۴)

''بے شک ابراہیم ضرور بہت آہیں کرنے والا متحمل ہے۔''

اور اسماعیل علیہ السلام کو بھی ایک نام سے موصوف فرمایا:

فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۔ (الصّٰفّٰت: ۱۰۱)

''تو ہم نے اُسے خوشخبری سنائی ایک عقلمند لڑکے کی۔''

اور اسی طرح کلیم اللہ علیہ السلام کو بھی ایک نام سے:

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۔ (الدّخان: ۱۷)

''اور بے شک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو جانچا اور ان کے پاس ایک معزز رسول تشریف لایا۔''

اور نوح علیہ السلام کو بھی ایک ہی نام سے:

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۔ (الاِسرآء: ۳)

''بے شک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔''

اور اسحاق علیہ السلام کو بھی ایک ہی نام سے موصوف فرمایا:

وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۔ (الذّٰریٰت:۲۸)

''اور اسے ایک علم والے کرنے کی بشارت دی۔''

یہ (مؤلف کی) آخری تعلیق ہے والحمد للہ رب العالمین ....

مؤلف غفرلہٗ) آپ ﷺ کو قرآن عظیم کا دیا جانا' اللہ تعالیٰ نے اسے آپ ﷺ کیلئے تبدیل وتحریف سے محفوظ کر دیا' اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کی زندگی کی قسم کھانا' آپ ﷺ سے ٹھٹھا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کا کافی ہونا' قرآن کے بیان کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا' آپ ﷺ کو مقامِ محمود عطا کرنا' قرآن کا جن وانس کو عاجز کر دینا' آپ ﷺ کا جبریل علیہ السلام کو عتاب فرمانا' اور ملائکہ کا قرآن میں معذرت کرنا' آپ ﷺ کو مبارک نام اور کنیت سے ندا دینا حرام ہے' آپ ﷺ کا سارے جہانوں کیلئے رحمت بن کر آنا' آپ ﷺ کے دین کا آسان ہونا اور رسالت کا عام ہونا' آپ ﷺ کو جان پر ترجیح دینا واجب ہے' آپ ﷺ کا آخری نبی ہونا' بیویوں کا بغیر مہر کے اپنا جسم آپ ﷺ کیلئے ہبہ کرنا' آپ ﷺ پر بیویوں کے مابین باریوں کی تقسیم کا واجب نہ ہونا' آپ ﷺ کو تکلیف دینا حرام ہے اگرچہ مباح امر میں ہی ہو' اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کا آپ ﷺ پر درود بھیجنا' اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں کو آپ ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم دینا' کسی قول یا فعل سے آپ ﷺ سے پیش قدمی حرام ہے' آپ ﷺ کی مبارک آواز سے آواز بلند کرنا حرام ہے' دورانِ گفتگو آپ ﷺ سے چلا کر بات کرنا حرام ہے' اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اجمالی اور تفصیلی تزکیہ فرمایا' ہر وہ امر جس کا آپ ﷺ سے صدور ہو وہ اللہ کے اذن اور رضا سے ہے' اللہ تعالیٰ کا خلق عظیم کے سبب آپ

ﷺ کی ثنا کرنا، تبلیغ پر آپ ﷺ کا اجر ہمیشہ بڑھتا رہنا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا، فتح مکہ کے سال آپ ﷺ کیلئے مکہ مکرمہ کی پابندیوں کا اٹھ جانا، آپ ﷺ کی ترقی درجات کا ہمیشہ رہنا، انوار و تجلیات کے حصول کیلئے آپ ﷺ کا سینۂ اقدس کھول دینا، آپ ﷺ کے ذکر کا بلند کر دینا، آپ ﷺ کو کوثر عطا فرمانا وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ ﷺ کے صحابہ کا دفاع فرمایا، آپ ﷺ کی اُمت کا بروزِ قیامت لوگوں پر گواہ ہونا، آپ ﷺ کی اُمت سے خطا، نسیاں اُٹھا لینا، مالِ غنیمت کا ان کیلئے حلال کر دینا، انہیں تمام اُمتوں پر فضیلت بخشا، آپ ﷺ کے بیوی کی برأت میں دس سے زائد آیات کا نازل فرمانا، آپ ﷺ کی بیویوں کا ایمان والوں کی مائیں ہونا، آپ ﷺ کے بعد ان سے نکاح کا حرام ہونا، ان کو دو مرتبہ اجر کا دیا جانا، آپ ﷺ کے صحابہ کی تعریف کا تورات اور انجیل میں ہونا۔

یہ ساٹھ سے زائد خصوصیات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو خاص فرمایا اور وہ قرآن کریم میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ صحیح اور حسن احادیث میں اَور بھی خصائص ہیں جو اسی تعداد کے لگ بھگ ہیں۔ جو ان سب سے مستفید ہونا چاہے وہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الخصائص الکبریٰ'' کا مطالعہ کرے، بلاشبہ انہوں نے ان خصائص کا اچھا ادراک کیا ہے لیکن انہوں نے احادیثِ ثابتہ پر اقتصار نہیں کیا بلکہ اس میں اکثر ضعیف اور واہی احادیث کو بھی جمع کر دیا ہے اور بعض موضوعات بھی ہیں۔ لیکن وہ اس التزام کو بھول گئے جو انہوں نے خطبۂ کتاب میں کیا تھا کہ وہ واہی اور موضوع سے کتاب کو محفوظ رکھیں گے۔

۲۷ ربیع الاوّل ۱۳۸۳ھ بروز ہفتہ، عصر کے بعد اس کتاب مسودہ سے فراغت ہوئی اور ۱۷ ذوالعقدۃ بروز منگل، عصر کے بعد اس کا مبیّضہ تمام ہوا۔

اور اللہ تعالیٰ سے ہی دُعا ہے کہ وہ اسے اپنی کریم ذات کیلئے خالص بنائے اور میدانِ محشر میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے حصول کا سبب بنائے، اور ہماری مشکلیں حل فرمائے اور ہمارے عیوب پہ پردہ ڈالے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِراً، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ بِدَایَۃً وَّنِہَایَۃً، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَلِیْمِ۔

تکمیل

محمد اکرام اللہ زاہد قادری

استاذ: جامعہ اسلامیہ لاہور

۱۰ دسمبر ۲۰۰۲ بروز منگل شام ۵ بجے

احادیث وسیلہ پر اعتراضات
کا علمی محاسبہ

تصنیف

محدث کبیر شیخ محمود سعید ممدوح

ترجمہ

مفتی محمد اکرام اللہ زاہد القادری

ادارہ خدمتِ اسلام

جامعہ اسلامیہ پھالیہ۔ متصل مرکزی جامع مسجد (ضلع منڈی بہاؤالدین)

0301-5809655 ... 0346-8040046

مسلک سلف صالحین

تصنیف

ڈاکٹر محمد علوی مالکیؒ

ترجمہ

مفتی محمد اکرام اللہ زاہد القادری

ادارہ خدمتِ اسلام

جامعہ اسلامیہ پھالیہ۔ متصل مرکزی جامع مسجد (ضلع منڈی بہاؤالدین)

0301-5809655 ... 0346-8040046

ان الدین عند اللہ الاسلام
لبیک یا رسول اللہ
ادارہ خدمت اسلام

مفتی محمد اکرام اللہ زاھد

کے بعض علمی شاہکار:



مرکزی دفتر اِدارہ خدمتِ اسلام متصل دربار حضرت سائیں کالا پھالیہ
0345-6643290
0333-6643290